وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ — القرآن

وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا — الحدیث

تدقیق الکلام

جلد دوم

تالیف

جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن
حضرت مولانا عبد القدیر رحمہ اللہ تعالیٰ
راجہ بازار راولپنڈی

ناشر

کتب خانہ رشیدیہ

راجہ بازار راولپنڈی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تدقیق الکلام

جلد دوم

[illegible] کے [illegible] اور حقیقت
سے [illegible] سینکڑوں باتوں کا
[illegible] جائزہ لیا گیا ہے اور ضمنی مباحث پر
[illegible] بحث کی گئی ہے جو خالص علمی اور تحقیقی
[illegible] ہے [illegible] الکلام اور توضیح الکلام وغیرہ میں
[illegible] استدلالات کا اچھی طرح سے پوسٹ مارٹم
کیا گیا ہے

o

تالیف

[illegible] مولانا [illegible] عبدالقدیر صاحب [illegible]
[illegible] شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

نام کتاب — تنقیح الکلام (جلد دوم)

نام مصنف — شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر — کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

طبع اوّل — جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ مطابق جنوری ۱۹۹۱ء

مطبع — فائن بکس پرنٹرز۔ لاہور

کتابت — شوکت محمود صدیقی (ادارہ نفیس الکتابت گوجرانوالہ)

تعداد — گیارہ سو

قیمت —

ملنے کے پتے:

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مدنی کتب خانہ النور مارکیٹ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ حنفیہ گلی ڈاکخانہ والی اردو بازار گوجرانوالہ

انجمن اسلامیہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی گوجرانوالہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار۔ راولپنڈی

فہرست تدقیق الکلام

حصہ دوم

عنوانات	صفحہ نمبر
فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے دلائل اور ان کا موازنہ	۷
حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ	۱۰
اوّل بات ، دوم بات	۱۲
حاصل مقام	۱۷
الانتباہ	۱۸
مقامِ حیرت و افسوس	۲۳
بیان مذاہبِ ائمہ اربعہ دربارۂ فاتحہ خلف الامام	۲۵
چند ضروری باتیں	۳۳
فریقِ ثانی فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والوں کی دلیلِ ثانی	۳۶
روایتِ ترمذی	۳۶

عنوانات	صفحہ نمبر
تقریرِ دلیل	۳۶
الجواب وباللہ التوفیق	۳۷
محمد بن اسحٰق راوی حدیث فاتحہ خلف الامام محدثین کی نظروں میں	۳۹
محمد بن اسحٰق مدلس تھے	۴۰
الفائدۃ الاولیٰ	۵۴
الجواب	۵۴
الفائدۃ الثانیہ	۵۴
سوال	۵۶
جواب	۵۶
نافع بن محمود کا تذکرہ	۵۸
الجواب وباللہ التوفیق	۵۹
محمد بن اسحٰق کی مکحول کے متابعت کا تذکرہ	۶۴

عنوانات	صفحہ نمبر
الجواب	۶۵
تقدم برسر مطلب	۶۸
محمد بن اسحٰق کی دوسری متابعت	۷۴
تنبیہ	۷۷
محمد بن اسحٰق کی تیسری متابعت	۷۹
الاصلاح	۸۵
الجواب	۸۶
مجہول کی متابعت نمبر اول جو خیر الکلام ص ۲۳۲ میں لائی گئی	۸۸
الجواب	۸۹
فاتحہ خلف الامام فرض ہے مسلک کی دلیل جو امام دارقطنی نے نقل کی ہے	۹۱
قتل رکن اعظم معاویہ بن یحییٰ کا حال ملاحظہ کیجئے	۹۲
رکن ممکن اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ	۹۳
تیسرا راوی عبد اللہ بن عمرو بن الحارث بھی مجہول ہے	۹۵
مصنف خیر الکلام کی ناسمجھی یا کجروی	۹۶
بھلا جواب سُنیے اور اپنے جواب کی فکر کیجئے	۹۷
فائدہ	۹۸
تنبیہ	۹۹

عنوانات	صفحہ نمبر
الاصلاح	۱۰۰
خلاصۃ البیان	۱۰۳
مجہول کی دوسری متابعت	۱۰۶
الجواب	۱۰۷
فائدہ	۱۱۱
خلاصۃ الکلام	۱۱۵
تنبیہ	۱۱۷
الاصلاح	۱۱۸
محمد بن اسحٰق کی متابعت ثانیہ میں مصنف خیر الکلام کی فریب کاری	۱۱۹
ابن اسحٰق کی تیسری متابعت میں مصنف خیر الکلام کی غلط بیانی	۱۱۹
مجہول کی دوسری متابعت	۱۲۲
متابعات مذکورہ کا اجمالی تذکرہ اور ان کا مناسب حال تبصرہ	۱۲۳
فائدہ	۱۳۲
حدیث مُنازعت فی القراءۃ	۱۳۵
الجواب	۱۳۹
مصنف خیر الکلام اور اصل مسلک اہلحدیث کی زلّۃ منطق	۱۴۲
الجواب	۱۴۵
الاصلاح	۱۴۶

عنوانات	صفحہ نمبر
لطیفہ	۱۵۲
تنبیہ	۱۵۳
موازنہ بین الدلیلین	۱۵۴
پہلی وجہ	۱۵۵
دوسری وجہ	۱۵۶
فریق ثانی کا نرالا انداز	۱۵۸
رجوع الی المقصد	۱۶۹
صاحب توضیح الکلام کی نافہمی یا ناانصافی	۱۷۱
حدیث منازعت کے بعد فانتہی الناس عن القراءۃ کا بیان	۱۷۲
جواب	۱۷۴
تعامل صحابہ کرامؓ کے اختلاف کا منشأ	۱۷۵
فانتہی الناس عن القراءۃ حضرت امام زہریؒ ہی کا کلام ہے	۱۷۶
حقیقت حال یہ ہے۔	۱۷۸
الغرض	۱۸۰
الاشتباہ	۱۸۲
امام کے سکتوں میں مقتدی کی فاتحہ خوانی بلادلیل من مانی کارروائی ہے۔	۱۸۳
کیا ان سکتوں میں کچھ پڑھا کرتے تھے!	۱۸۴
الجواب	۱۹۲
مصنف خیر الکلام کی فاحش چال اور دیانت کا کمال	۱۹۸

عنوانات	صفحہ نمبر
دوسرے سکتے آمین کے سکتے ہیں فاتحہ خوانی	۱۹۹
مصنف خیر الکلام کی ایک غلط چال	۲۰۳
آمین کے سکتہ میں فاتحہ خوانی کی گنجائش نہیں	۲۰۵
فائدہ	۲۱۳
فائدہ	۲۲۱
تیسرا سکتہ آمین کے سکتے میں پڑھنے کا ہے	۲۲۳
فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی پانچویں انوکھی تجویز	۲۲۶
الفائدۃ الاولی	۲۳۸
الفائدۃ الثانیہ	۲۳۹
الجواب	۲۳۹
دارقطنی کی روایت میں مصنف خیر الکلام کی پریشانی	۲۴۱
الجواب	۲۴۲
محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود ترمذی کی حدیث کا جواب	۲۵۰
امام بیہقی کی ایک بے جا استدلال کی شکایت	۲۵۵
محمد بن اسحٰق کی روایت میں الا بفاتحۃ الکتاب کی استثناء	۲۵۹

عنوانات	صفحہ نمبر
مکحول کی حدیث عن عبادۃ لا تفعلوا الا بام القرآن کا بیان	۲۶۶
خلاصۃ الکلام فی حدیث محمد بن اسحٰق عن مکحول	۲۷۱
مصنف خیر الکلام کی فریب کاری	۲۷۲
حضرت جابرؓ کی روایت میں مصنف خیر الکلام امام بیہقی کا بیان غلطی سے خالی نہیں	۲۷۵
لمحۂ فکریہ	۲۸۱
امام کے ساتھ رکوع پالینے سے رکعت کا مل جانا صحابہ کرامؓ کا مسلم اصول ہے	۲۸۶
مصنف خیر الکلام کے متعصبانہ ذہنیت کی شہادت	۲۹۲
مصنف خیر الکلام کا امام ابو حنیفہؒ کو مرجیہ کہنا دروغ گوئی ہے	۲۹۸
مسئلہ ایمان میں غیر مقلد اہل حدیث کا مسلک بعینہٖ خوارج کا مسلک ہے	۳۱۹

عنوانات	صفحہ نمبر
ضروری گزارش	۳۲۲
سکتات میں فاتحہ خوانی کا اجمالی تذکرہ	۳۳۳
باب المتفرقات	۳۴۰
تقلید شخصی کی بحث کا مطالبہ نزاہباً پیلکم خالص افسانہ ہے	۳۴۵
دنیوی نظام حکومت میں غیر مقلدی نہیں چلتی تو دین میں کیسے چل سکتی ہے؟	۳۵۶
فائدہ ۱	۳۶۰
فائدہ ۲	۳۶۱
فائدہ ۳	۳۶۲
فائدہ ۴	۳۶۳
تکملۃ البیان	۳۸۸
اہل علم حضرات کی خدمت میں ایک علمی ہدیہ	۳۹۴
نماز تراویح کا بیس رکعات ہونا	۳۹۷
دن اور رات کی نمازیں دس دس رکعات کیوں مقرر کی گئیں	۳۹۸
خلاصۃ الکلام	۴۰۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یَا فَتَّاحُ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ

فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے دلائل
اور
ان کا موازنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جمہور اُمت اور ائمہ حنفیہ کرام کثرہم اللہ تعالیٰ کے دلائل قرآن کریم اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام فاتحہ خلف الامام کے ممانعت کے بارہ میں آئے ہوئے بقدر ضرورت کا تذکرہ ہو چکا ہے ضمنی طور سے بعض مقامات میں مخالفین کے بعض دلائل کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور مقامی ضرورت کے مطابق ان کی ناتمامی کا اشارہ بھی کیا گیا ہے بعض جگہ مزید تفصیل کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اس وقت اِن شاء اللہ تعالیٰ ان کا تفصیلی تذکرہ اور ان پر تبصرہ کرنے کا ارادہ ہے۔

وَعَلَی اللّٰہِ التُّکْلَانُ وَھُوَ خَیْرُ مَنْ اَعَانَ

اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ زبان اور قلم کو صراطِ مستقیم پر جمائے رکھے اور حق الیقین کی تعلیم اور تلقین کی توفیق بخشے۔ آمین۔

گزشتہ فریق ثانی کے دلائل میں سے لا صلوٰۃ اِلّا بفاتحۃ الکتٰب یا لمن لم یقرء بہا کا کچھ بیان گزرا اور بتایا گیا کہ محل نزاع صرف خلف الامام عند قراۃ الامام پڑھنا ہے، منفرد اور امام تو پڑھا ہی کرتے ہیں۔ حنفیہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں، اور آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا جس کا اصل نزول ہی مسئلہ امامت ہے اور حدیث صریح اور

صحیح جس میں امامت کا مسئلہ قصداً بیان فرمایا گیا ہے اور حدیث وَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوا بطور شہادت پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل گزر چکی ہے ۔ فریق ثانی کے دکیل مصنف خیر الکلام نے جن آیات کا تذکرہ اس مقام میں کیا ، گزر چکا ہے کہ ان کا نزول مسئلہ امامت کے بارہ میں ہونا کسی مفسر اور محدث نے ذکر نہیں کیا ۔ اپنی طرف سے مصنف نے پیوند لگا کر اس سے جوڑ لگایا ۔ فریضہ کے اثبات کے لیے ایسے دلائل کام نہیں آتے ، بیان گزر چکا ہے ۔

فریق ثانی سے اس بارہ میں حدیث صحیح اور صریح بحق مقتدی فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کی طلب کی گئی ۔ جواب میں خاموشی کے بجائے وہ عمومی ضابطہ کی حدیث لَاصَلٰوۃَ إِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یا لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ لے آتے ہیں حالانکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عموم میں اکثر تخصیص کا احتمال ہوتا ہے حدیث صحیح بحق مقتدی صریح مسلم شریف کی وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا سے اس ضابطہ کی تخصیص ہو سکتی ہے اور کی گئی ہے ۔ جیسے مدرک رکوع کی وغیرہ ذلک کما مر ۔ لیکن فریق ثانی کے پاس صحیح اور صریح حدیث اس بارہ میں نہ ہونے کی وجہ سے اسی عام عنوان والی سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالا جاتا ہے ۔ دھوکہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے آخر میں إِلَّا أَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْإِمَامِ کی استثناء مروی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مقتدی اس عمومی عنوان والی حدیث کے حکم میں داخل نہیں ۔ ترمذی ص۷۱ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث کے الفاظ یہ لائے ہیں : مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ إِلَّا أَنْ یَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ ۔ پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالےٰ فرمایا : ھٰذَا حدیث حسن صحیح ۔

اسی کو دیکھتے ہوئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمان نقل کیا ۔ ترمذی ص۷۱ قَالَ احمد فھٰذا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَاَوَّلَ قَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اِلَّا ھٰذَا اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ ۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عمومی ضابطہ والی حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حکم جب ہے کہ شخص اکیلے نماز پڑھے اس وقت فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن جب جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس وقت یہ حکم نہیں۔ امام کی قرأت اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ یہ کہنے والا کوئی حنفی عالم نہیں کہ آپ اس کو ضد پر محمول کر کے پہلو تہی کریں، بلکہ ایک جلیل القدر صحابی اپنے علم اور فہم کی وجہ سے تخصیص کر رہے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث ان کے پیشِ نظر ہے۔ اس کے بعد غور فرمائیں کہ اس عمومی عنوان والی حدیث کو جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بخاری میں لائے اور اس پر باب وجوب القرأۃ علی المأموم باندھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخصوص اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ سے کر رہے ہیں کہ مقتدی کو اس ضابطہ (لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ) میں نہ لیا جائے۔ کیونکہ مقتدی کے ذمہ فاتحہ کا پڑھنا نہیں ہے، تو ضرور ان کے پیشِ نظر شرعی دلائل ہوں گے جن کو دیکھتے ہوئے وہ اس ضابطہ سے مقتدی کو خارج کر رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ دلائل قرآن کے علاوہ وہی ہوں کہ جب کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کے بعد اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور کسی موقع پر ھَلْ قَرَأَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ سے انکاری لہجہ میں استفسار فرمایا اور کہیں اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ فرمایا اور کبھی وَاِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ وغیرہ الفاظ سے شکوہ کیا۔ انہی وجوہ کو دیکھ کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنا بند کر دیا۔ اسی کا تذکرہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ ۔ خواہ یہ مقولہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہو، جیسے امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرما رہے ہیں، یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی حدیث کا

ہو، جیسے ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ انہی وجوہ کو دیکھ کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الّا ان یکون وراء الامام فرما گئے اور ممکن ہے کہ انکے پیش نظر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاویٰ ہوں جو آگے اس باب میں مروی ہیں جن کا تذکرہ آنے والا ہے۔ یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمومی تعامل ہو۔ فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ ہو جب بھی صحیح ہے کہ انھوں نے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا پایا۔ ان کے پیش نظر یہی آیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ وہ یہی سمجھے کہ یہ سبق انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہی سیکھا ہے۔ یا یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چشم دید واقعہ ہو۔

۱۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر بھی یہی عدم قرأت خلف الامام آیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کی استثناء کردی جس کو تخصیص بھی کہہ دیتے ہیں۔ ان حالات میں غیر مقلدین علماء کرام کا عام لوگوں کے سامنے صرف عمومی ضابطہ کی اس حدیث کا پیش کرنا قصور نظر ہی کہا جائیگا کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عمومی ضابطہ والی حدیث کو مقتدی کے ماسوائی کا مسئلہ ہونا فرما رہے ہیں اور غیر مقلدین اس کے خلاف اس کو بحالت اقتداء مقتدی پر چسپاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی یہی بتاتے ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں۔

۲
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ

آپ انصار مدینہ سے ہیں، جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں قرآن کریم کی نسخہ نویسی کا کام ان کے ذمہ لگا کر فرمایا کہ لغت قریش کے موافق اس کو لکھا جائے۔ کیونکہ اصل نزول قرآن کریم کا اسی لغت کے مطابق ہوا تھا تو اس وقت چار نسخے لکھے گئے۔ ایک ان میں انہی حضرت زید بن ثابت

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک کا تھا۔ ان کا فتویٰ چونکہ یہ فقہاء اہلِ مدینہ سے ہیں معتبر اور مقبول سمجھا جاتا تھا۔ مسلم شریف ص۲۱۵ میں ان کا فتویٰ مذکور ہے: عن عطاء بن یسار انہ اخبرہ انہ سأل زید بن ثابت عن القراءۃ مع الامام فقال لَا قِرَاءَۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ۔ یعنی امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں قرأت کرنا نہیں، خواہ کوئی سی نماز ہو۔ فِیْ شَیْءٍ سے بظاہر سری جہری کی تعمیم کرنا مقصد ہے۔ قراءۃ کا لفظ نکرہ ہے مراد جنس قرأت ہے۔ اور لَا نفی جنس استغراق کا فائدہ دیتا ہے کہ نہ فاتحہ پڑھی جائے نہ کوئی اور سورت اور آیت۔ نہ سراً پڑھی جائے نہ جہراً۔ امام کے پیچھے کسی طرح کا پڑھنا نہ کیا جائے۔ یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمائی: اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

لیکن افسوس کہ مخالفین نے محض بے جا تاویلیں کر کے مطلب سازی کی کہ مراد یہ ہے کہ اونچا نہ پڑھا کرے، قرأتِ مشوشہ منع ہے۔ نفس قرأت منع نہیں ہے جیسے مصنف خیر الکلام کی ہوائی باتیں گزر چکیں۔ ان کی تردید بھی حسبِ موقع کر دی گئی۔ فی الحال علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ شارح مسلم کی تاویل کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ انھوں نے مذہبی رعایت میں کیسی بعید بات کہی:

قول زید محمول علی قراءۃ السورۃ التی بعد الفاتحۃ فی الصلوۃ الجہریۃ فان الماموم لا یشرع لہ قراءتہا۔ یعنی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے بعد از فاتحہ سورۃ نہ پڑھا کرے۔ یہ اس کے لیے مشروع نہیں ہے اس میں فاتحہ کے نہ پڑھنے کا نہیں کہا گیا۔

سبحان اللہ! لَا قِرَاءَۃَ میں جنس قرأت کی نفی کی گئی ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ صرف بعد الفاتحہ سورۃ نہ پڑھنے کا کہتے ہیں۔ یہ تو جب ہوگا کہ خارج سے آپ ثابت کریں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلف الامام فاتحہ پڑھنا فرض، واجب کہتے ہیں۔ اس کے لیے ان کا صحیح قول یا عمل پیش کرنا ہوگا۔ حالانکہ امام بخاریؒ

رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا واجب یا فرض نہیں کہتے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ رسالہ جزء القرأت میں فرماتے ہیں کہ رکوع کا مل جانا امام کے ساتھ رکعت کا مل جانا وہ لوگ کہتے ہیں جو فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے ضروری نہیں کہتے۔ ان کے الفاظ دیکھیں: انما اجاز ادراك الركعة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الذين لم يروا القرأة خلف الامام منهم ابن مسعودؓ و زيد بن ثابتؓ وابن عمرؓ یعنی یہ تین حضرات رکوع کے پالینے سے رکعت کا مل جانا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ فاتحہ خلف الامام کو ضروری نہیں کہتے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ انکار صرف مابعد الفاتحہ پڑھنے کا کرتے ہیں فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی تو یہ توجیہ القول بما لا یرضی به قائله ہے۔

اور مصنف خیر الکلام نے خود ساختہ ایک اور توجیہ گھڑی کہ وہ انکار فاتحہ مع الامام پڑھنے کا کرتے ہیں بسکتہ میں پڑھنے کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن یہ بات بھی غلط ہے۔ یہ جب ہو کہ وہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا ضروری کہتے ہوں۔ فرض جانتے ہوں۔ آپ کو اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ حالانکہ ابھی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوا کہ وہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل ہی نہیں۔ اَلَّذِيْنَ لَمْ يَرَوُا الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ کے اعداد و شمار میں وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کر گئے ہیں۔ اسی کو افتراء علی الغیر کہتے ہیں۔

اس سے مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث کی ایک اور غلط بیانی بھی معلوم ہوگئی کہ انھوں نے خیر الکلام ص۲۴۲ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاتحہ خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے۔ حالانکہ ابھی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ مذکورہ عبارت میں الذين لم يروا القرأة خلف الامام کے اعداد و شمار میں ان کو نمبر اول میں شمار کر گئے ہیں۔ منهم ابن مسعودؓ و زيد بن ثابت ممکن ہے کہ کسی نے صرف سری نمازوں میں ان کا قول تجویز قرأت خلف الامام کے

بارہ میں ذکر کر دیا ہو ۔ اس کو دیکھ کر فاضل اہلِ حدیث نے ان کو اپنے ساتھ جوڑ لیا ہو۔ بہرحال مؤلف خیر الکلام مبہم الفاظ بول کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈال گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تیسرا نام حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی ذکر فرمایا کہ یہ تینوں قرأت خلف الامام کے قائل نہیں۔ ان کا عمل اور فتویٰ مؤطا امام مالک کے حوالے سے گزشتہ ذکر ہو چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ متفق ہیں کہ عمومی ضابطہ والی حدیث لَا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتٰب سے مقتدی مستثنیٰ ہے جیسے ابھی الّا ان یکون وراء الامام حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں آچکا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ جو نسائی شریف ص۱۴۶ باب اکتفاء الماموم بقراءۃ امامہ میں آچکا ہے یہ خامس خمسہ بھی ملا لیجئے: مَا اَرَی الْاِمَامَ اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا کَفَاھُمْ میں جو جانتا ہوں وہ یہی ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت قوم کے لیے کفایت کرتی ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر فاضل جماعت اہلِ حدیث مصنف خیر الکلام کی خوش فہمی کی داد دیتے جائیے جس کا ابھی میں نے آپ کے سامنے اجمالی تذکرہ کر دیا ہے۔ خیر الکلام ص۲۵۸ میں ہے کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ جہری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں: اَنْ یَّقْرَءَ مَعَہٗ سکتات میں پڑھنے کی ممانعت نہیں کرتے۔ (سُبْحَانَ اللّٰہ) لکھتے ہوئے شرم بھی نہ آئی۔ ایسی غلط بیانی سے انسان کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ دراصل حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ۔ فریق ثانی کے لیے دردِ سر بن رہا ہے اصل میں یہ فرمان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا جیسے ابو داؤد شریف

سے معلوم ہوتا ہے۔ قال ابو ہریرۃ فانتہی الناس۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے ملا کر یہ تو امام زہریؒ کا قول ہے۔ کہتے ہیں قال الزہری فانتہی الناس۔ لیکن یہ بھی ان کو مزید فائدہ مند نہیں بنتا کیونکہ حضرت امام زہریؒ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ تعامل بیان کر رہے ہیں۔ مصنف خیر الکلام نے مزید چھلانگ لگائی کہ اس میں معہ پڑھنے کی نفی ہے۔ سکتات میں پڑھنا ہو سکتا ہے۔ یعنی ان کا مقصد صرف مع الامام پڑھنے کی ممانعت ہے۔ فاتحہ پڑھنے کی نفی نہیں کرتے۔

اوّل بات تو یہ ہے کہ آپ کی قوم سب کی سب مع الامام پڑھتی ہے۔ آپ نے ان کو یہی تعلیم دی کہ مع الامام پڑھنا تو آسان ہے۔ ہاں سکتات میں ذرا مشکل ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مع الامام پڑھنے سے رک گئے تو آپ بھی قوم کو یہی سبق پڑھائیں اور سکتات میں پڑھنے کے طریقہ کو اپنائیں آپ نے تو وہ مکروہ چیز ہی کی جس کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے چھوڑا۔

دوم بات یہ ہے کہ مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ عن یونسؒ کے طریقہ سے نقل کیا ہے: قال الزہری لا یقرء من وراء الامام فیما یجہر فیہ من القراءۃ تکفیہم قراءۃ الامام وان لم یسمعہم صوتہ۔ یعنی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو قرأت نہ کرنی چاہیئے۔ امام کی قرأت ان کے لیے کافی ہوتی ہے اگرچہ امام کی آواز ان کو سنائی نہ دے۔ کیوں جناب! جب وہ تو امام کی قرأت قوم کو کافی ہو جانا فرماتے ہیں تو پھر سکتات میں پڑھنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ جب وہ جن لوگوں کو امام کی آواز نہیں پہنچتی ان کو بھی قرأت کی ممانعت کرتے ہیں تو جن کو آواز پہنچتی ہے وہ تو بطریقِ اولیٰ قرأت کرنے سے رک جائیں گے۔ تکفیہم قراءۃ الامام کو غور سے پڑھیں، نہ ساتھ پڑھنے کا حکم دیں اور نہ سکتات میں پڑھنے کی پریشانی میں ڈالیں۔

اس سے مصنف خیر الکلام کی ایک اور غلطی بھی معلوم ہو گئی۔ انھوں نے لکھا کہ

آیت کریمہ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی سے پتہ چلتا ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لیے کفایت نہیں کرتا۔ نیز کہا کہ حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ امام نے تو اپنے لیے پڑھا ہے مگر مقتدی تو خود اپنے لیے پڑھے۔ آپ کو معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ جاہلوں کو دھوکہ میں ڈالا گیا ہے۔ اسی وجہ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کے بیان میں ص۱۴۶ میں فرمایا:

باب اکتفاء الماموم بقرأۃ امامہ ابھی گزرا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لا قراءۃ مع الامام فی شیء کا معنی لا قراءۃ حین تصلی مع الامام ہے اور یہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ میں مع رسول اللہ سے مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنا ہے یعنی بحالتِ اقتدار آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے رُک گئے۔ کیونکہ اس وقت کی قرأت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضگی کیا ہے۔ یہی مراد ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کی۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب الا ان یکون وراء الامام۔ یہی مقصود ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لا قراءۃ مع الامام فی شیء۔ یہی معنی ہیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان ما اری الامام اذا ام القوم الا کفاھم کا۔ اسی لیے حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا "باب اکتفاء الماموم بقرأۃ امامہ" اور یہی فرمایا حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لا یقرأ من وراء الامام فیما یجھر فیہ تکفیھم قرأۃ الامام اور یہی معمول رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جسے مؤطا مالک میں ذکر کیا۔ اور یہی مذہب ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جیسے حضرت مفسر ابن کثیر اور ابن جریر

رحمہا اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔

اس مفصل بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ صحیح حدیث ہے جسے علی شرط البخاری کہا گیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذکورہ تعامل اس کی شہادت دے رہا ہے۔ حضرت علامہ سندھیؒ کا فرمانا کہ امام نے اپنے لیے قرأت کی۔ اسے مقتدی تو اپنے لیے خود قرأت کرے یہ محض سینہ زوری اور حدیث کی تحریف ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل ابھی آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ وہ علامہ سندھیؒ کی تاویل کی تردید کر رہا ہے۔ اسی طرح ناقل قولِ مؤلف خیر الکلام کے بیان کی بھی۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے اور توفیقِ عمل بخشے۔

حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کہ ہمیں نے اس کے طُرق کی تتبع کی سب کو ضعیف پایا، جیسے مصنف خیر الکلام نے حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا۔ یہ دامن تر حاجی بگو تم تو مرا حاجی بگو، والی بات ہے۔ اوّل تو ہم نے عرض کیا کہ اس کی اسناد علی شرط الشیخین مروی ہیں۔ جو حوالہ گزر چکا۔ اب تعامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی آپ نے دیکھا اور پڑھا کہ پانچ چھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین عظامؒ اسی کے موافق تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتا رہے ہیں۔ آپ ترمذی کو کھول کر دیکھیں وہ بیسوں جگہ حدیث کو ضعیف کہہ کر علیہ عمل اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما جاتے ہیں۔ ص۳۲ ھذا حدیث اسنادہ لیس بالقائم والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم ص۳۰۵ وقد تکلم بعض اھل العلم فی الحارث والعمل علی ھذا الحدیث ص۴۵ حدیث ابن مسعود لیس بمتصل عون بن عبد اللہ لم یلق ابن مسعود والعمل علی ھذا عند اھل العلم ص۵۴ جلد۲ وغیرہ۔ یہی غلط چال جماعت اہلِ حدیث نے تراویح میں چلی کہ فلاں

راوی کی ملاقات ثابت نہیں۔ تعامل امت کا نمبر (۲۰) پر دیکھیے۔

حاصل مقام | یہ ہے کہ کسی صحابی کا شخصی عمل ممکن ہے کہ اس کے ذہنی حکم سے ہو وہ حجت نہیں ہوتا۔ لیکن عمومی تعامل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے آپ کے سامنے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاوٰی اور تعامل کا تذکرہ کر دیا ہے کہ امام کے پیچھے خاص کر جہری نمازوں میں وہ قراءت نہ کرتے تھے۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان فانتھی الناس عن القراءۃ ... الخ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوٰی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل آپ معلوم کر چکے۔ الغرض اگر حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت علامہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے آپ کے نزدیک ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء سے زائد وقیع ہے تو آپ معذور ہیں، مصنف خیر الکلام کا رویہ تو غالباً یہی نظر آتا ہے۔ ورنہ اپنے عمل کی اصلاح کیجیے۔ ہمارے خیال میں تو آپ کا رویہ وہ ہونا چاہیے جو حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے میں نے نقل کیا ہے کہ جگہ جگہ فرماتے ہیں: اَلْحَدِیْثُ ضَعِیْفٌ لیکن علیہ عمل اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ضعیف تعامل میں آ جائے تو وہی معتبر ہوتی ہے۔ دیکھیے: لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ۔ حدیث نقل کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن عمل اسی پر اُمت کا پایا گیا۔ وعلیہ الاجماع۔ وما علینا الا البلاغ۔ اصل دین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمومی تعامل ہے۔

الاشتباہ | گزشتہ کلام میں میں نے علامہ نووی رحمہ اللہ کے رویہ کی شکایت کی تھی کہ انھوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام "لَا قِرَاءَۃَ مَعَ الْاِمَامِ" کی نامناسب تاویل محض مذہبی رعایت سے کی کہ مراد ما بعد الفاتحۃ مقتدی کو قراءت سے منع کرنا ہے۔ فاتحہ مقتدی پڑھ سکتا ہے۔ حالانکہ اس کے کہنے کا کوئی قرینہ نہیں۔ بلکہ یہ ظاہر عبارت کے بھی خلاف

ہے۔ اس وقت حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شکایت کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس باب میں مذہبی رعایت کے الفاظ فرما گئے ہیں جس سے مصنف خیر الکلام جیسے لوگوں کو غلط بیانی کا موقع مل گیا۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ص۲۳ پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان نقل کر کے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وہ عبارت نقل کی جس میں وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاویل کو وقیع بنانا چاہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی جلیل القدر کی بات قبول کی جائے کہ عمومی ضابطہ کے عنوان والی حدیث مقتدی کے بارہ میں نہیں آئی بلکہ وہ منفرد کا مسئلہ ہے۔ گزشتہ بیان گزر چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ یہ بات حضرات شافعیہ کے مسلک کے خلاف بنتی ہے اس لیے رُخ بدل کر انھوں نے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک اور قول نقل کر دیا واختار احمد مع ھذا القراءة خلف الامام وان لا یترک الرجل فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام ۔ آہ۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود پسند کیا ہے کہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھی جائے۔ اس کو چھوڑا نہ جائے۔ اگرچہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو۔ یہ الفاظ بظاہر جہری سری دونوں نمازوں کو شامل ہیں، اور یہ بھی بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے پڑھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ (ان لا یترک الرجل) فرماتے ہیں۔ اس بیان میں انھوں نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے جدید قول کے ساتھ ملا دیا۔ اسی کو دیکھ کر مصنف خیر الکلام نے انھیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے جملہ پیروکاروں کو بڑے بڑے محدثین کہہ کر اپنے ہم مسلک بنا ڈالا کہ یہ سب فاتحہ کا پڑھنا فرض کہتے ہیں۔ اگرچہ امام کے پیچھے بھی کوئی نماز پڑھے۔ ص۱۲، ۱۳ خیر الکلام میں سے وہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارے اہلِ حدیث ان سب محدثین کے ساتھ ہیں۔ صرف حنفی مخالف ہیں حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام اسحاق، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم سب کے نام گنوائے ہیں۔ اس وقت شکایت حضرت

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس تعبیر سے ہے جو انھوں نے امام احمدؒ کے مذہب اور مختار کے بیان میں فرمائی ہے، نظر ڈال لیں، عبارت آپ کے سامنے آچکی ہے حالانکہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ تین جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ کی قرأت نہ فرض اور واجب کہتے ہیں اور نہ مستحب و مباح بلکہ لا تجوز قراءته فرماتے ہیں اور سری نمازوں میں وہ مقتدی پر فاتحہ فرض و واجب نہیں کہتے۔ ہاں پسند کرتے ہیں جیسے مستحب کے درجہ میں کہا جا سکتا ہے۔ اس جگہ حضرت استاذ علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ، نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام احمدؒ ۲/۳ حصہ میں حنفیہ کے موافق ہیں اور ۱/۳ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ اس کے باوجود مصنف خیر الکلام نے ص۶۶ ان کو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا کر اپنا ہم مسلک بنا کر قوم کو اندھیرے میں ڈالا ہے۔ اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں بھی قصور کیا اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مسلک کے بیان میں بھی کیا۔

آپ کے سامنے حضرات محدثین کرامؒ کے اقوال انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں آپ خود اندازہ لگا لیں اور انصاف سے فیصلہ فرمالیں مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ ص۲۸۰/ج۲

قال ابوحنيفة واحمد بن حنبل لَا تَجِبُ عَلَى الْمَامُوْمِ قِرَاءَةٌ اَصْلًا لَا فِي السِّرِّيَّةِ وَلَا فِي الْجَهْرِيَّةِ۔ یعنی امامِ اعظم امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر فاتحہ کی قرأت واجب نہیں ہے۔ نہ سری نمازوں میں (یعنی دن کی) اور نہ جہری نمازوں میں (یعنی مغرب، عشاء، فجر) حالانکہ اہل حدیث کہتے ہیں فاتحہ سب پر فرض ہے اس کے سوا نماز باطل ہے۔ اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول بذل المجہود ص۵۹/ج۲ میں نقل کیا ہے۔ قال اَحْمَدُ لَا تَجُوْزُ لِلْمَامُوْمِ قِرَاءَةٌ اِذَا جَهَرَ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو تو ایسے وقت مقتدی کو پڑھنا اور قرأت کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ اہلِ حدیث مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے سوا

نماز نہیں ہوتی۔ یہی کہتے اور بتاتے ہیں اور یہ سب لوگ امام کے ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں اور غور کیجئے کہ بقول حضرت ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ جب مقتدی پر فاتحہ واجب ہی نہیں کہتے تو سکتات میں پڑھنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ اور ابھی بحوالہ ابن کثیر صفحہ ۲۸ ج ۲ گزر چکا کہ وہ صرف سری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ کو صرف پسند ہی کہتے ہیں، واجب اور فرض نہیں کہتے۔ تو پھر وہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور جماعت اہلِ حدیث کے موافق کیسے ہوئے؟ صرف چہارم درجہ کی موافقت سے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کو انھوں نے اپنے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ ٹھیک ہے یہ بات جھوٹ تو نہیں۔ فی الجملہ اگرچہ قلیل درجہ ہی سہی وہ ان کے موافق ہیں لیکن صحیح اور صاف بات وہ ہے جو حضرت مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ امام احمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ فرمایا: قال ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ واحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لَا تَجِبُ الْقِرَاءَةُ عَلَى الْمَأْمُوْمِ اَصْلًا لَا فِي السِّرِّيَّةِ وَلَا فِي الْجَهْرِيَّةِ۔

اسی طرح کا قصور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں بھی کیا۔ بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بھی فاتحہ خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا۔ وبہ یقول مالک وابن المبارک والشافعی، واحمد و اسحاق۔ ترمذی ص ۴۲۔ اس کے بعد مبہم انداز میں یہ بھی فرمایا: روی عن عبداللہ بن المبارک انہ قال اَنَا اَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ۔ انہی مبہم الفاظ کو لے کر فاضل مصنف خیر الکلام ص ۱۳۳ نے حضرت امام مالک اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ کو قائلین فاتحہ خلف الامام میں شمار کر دیا۔ یہ نہ بتایا کہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا یہ خلف الامام پڑھنا فرض جانتے ہوئے تھا یا صرف مستحب کے درجہ میں تھا۔ جہری سری دونوں نمازوں میں پڑھا کرتے تھے یا صرف سری نمازوں میں، اور پھر اس روی کی سند بھی امام ترمذیؒ نے بیان نہیں فرمائی۔ اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں کیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مختار وہ ہے جو خود انھوں نے فرمایا: الامر عندنا أن یقرأ الرجل وراء الامام فیما لا یجہر فیہ الامام بالقراءۃ ویترک القراءۃ فیما یجہر فیہ الامام بالقراءۃ۔ (موطا امام مالک ص۲۹) اور فتح الملہم شرح المسلم ص۲ج۲ میں کَرِہَ مَالِکٌ لِلْمَامُوْمِ اَنْ یَقْرَءَ فِیْمَا یجہر فیہ الامام سَوَاءٌ سَمِعَ قِرَاءَۃَ الْاِمَامِ اَوْلَمْ یَسْمَعْ۔ ہاں سری نمازوں میں جواز کے قائل ہیں لیکن فرض، واجب نہیں کہتے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح الباری ص۲۸۵ج۲ میں فرماتے ہیں: وَاسْتَدَلَّ مَنْ اَسْقَطَہَا عَنْہُ فِی الْجَہْرِیَّۃِ مِنَ الْمَالِکِیَّۃِ بحدیث اِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا وَھُوَ حَدِیْثٌ صحیح اخرجہ مسلم فی صحیحہ ص۱۷۴ من حدیث ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (اس سے معلوم ہوا کہ امام نوویؒ کا یہ قول لم یروھا مسندۃ فی صحیحہ درست نہیں ہے) یعنی جن مالکیوں نے مقتدی سے جہری نمازوں میں قرأت ساقط کی انھوں نے وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح میں تخریج کی ہے۔ (تخریج اور اخراج کا معنیٰ اصول حدیث کے رُو سے حدیث کو سند کے ساتھ ذکر کرنا ہے۔) اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے مطلقاً ممانعت کا قول بھی ہے چنانچہ فتح الملہم ص۳ج۲ میں ہے: قال الشعرانی قَالَ مَالِکٌ واحمد لَاتَجِبُ الْقِرَاءَۃُ عَلَی الْمَامُوْمِ بِحَالٍ۔ یعنی امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر کسی صورت میں قرأت واجب نہیں۔ اور حضرت امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مختار بھی یہی ہے۔ احسن الکلام ص۵۱ج۱ میں حضرت مولانا مبارک پوریؒ کا قول نقل کیا: ان عبداللہ بن المبارکؒ لم یکن من القائلین بوجوب القراءۃ خلف الامام وکذلک الامام احمدؒ والامام مالکؒ لم یکونوا من القائلین بوجوب القراءۃ خلف الامام فی جمیع الصلوٰت۔ یعنی یہ تینوں حضرات وجوب القراءۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہ حنبلی المذہب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان احسن الکلام ص۵۱ ج۱ میں نقل کیا ہے: وجملہ ذلك ان القراءة غير واجبة على المأموم فيما جهر فيه الامام ولا فيما سر نص عليه احمد۔ یہی بات حضرت مفسر ابن کثیرؒ ص۲۸۰ ج۲ نے بیان کی تھی جو ابھی گزر چکی۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فاتحہ کی قرأت مقتدی پر واجب نہیں خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح کی ہے۔ جہری نمازوں میں تو یہ حضرات خلف الامام فاتحہ کو پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ ابھی کرہ مالك (فتح الملہم ص۲۲ ج۲) گزر چکا ہے۔ اور یہی فانتھی الناس عن القراءة مع رسول الله صلی الله عليه وسلم فيما جهر فيه بھی حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں آچکا ہے۔ لیکن پھر بھی حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ص۷۲ میں ان تینوں حضرات کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دیا ہے اور مبہم انداز میں یَرَوْنَ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ فرما دیا۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ خود لکھتے ہیں ص۷۲ کہ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَرَى أَنَّ صَلٰوةَ مَنْ لَمْ يَقْرَءْ جَائِزَةٌ۔ یعنی میں یہ رائے در عقیدہ رکھتا ہوں کہ جو لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے۔ ان کی نماز صحیح اور جائز ہے۔ یہ جملہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان حقیقت حال کے طور پر لکھ دیا ہے۔ فجزاه الله تعالیٰ خير الجزاء۔ لیکن اس میں ذرا غور فرمائیں کہ جب وہ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھنے والوں کی نماز کو درست و صحیح فرما رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ فاتحہ خلف الامام فرض و واجب نہیں مانتے تو یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے ساتھ کیسے جوڑے گئے وہ تو بقول غیر مقلدین بلا فاتحہ نماز کو باطل کالمعدوم کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام ابن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا امام کے پیچھے پڑھنا صرف استحباب کے درجہ میں ہے۔ انا اقرأ خلف الامام کا معنیٰ واجب سمجھتے ہوئے

فرض جانتے ہوئے پڑھنا مُراد نہیں۔ صرف استحباب کے درجہ کا پڑھا کرتے تھے کیونکہ فرماتے ہیں وانی ارٰی ان من لم یقرأ صلوتہ جائزۃ کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کی نہیں کی میں اس کی نماز کو جائز اور صحیح سمجھتا ہوں۔ اگر وہ فاتحہ خلف الامام فرض و واجب کہتے جیسے شافعیہ حضرات کہتے ہیں تو بلا فاتحہ نماز کیسے صحیح کہہ سکتے ہیں؟

مقامِ حیرت و افسوس | مصنف خیر الکلام نے ص۲۱۳ میں امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں قصور کیا۔ لکھتے ہیں کہ وہ جہری کے سکتات میں پڑھنے کے قائل ہیں یا جہری کی سری رکعات میں پڑھنا کہتے ہیں۔ کچھ بھی ہو آپ کے قول کے تو یہ سب حضرات مخالف ہیں۔ سری و جہری ہر رکعت میں فاتحہ کا فرض ہونا جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے سوا امام کے پیچھے مقتدی کی نماز بالکل جائز نہیں ہے۔ اس بات کو یہ حضرات باطل کہتے ہیں۔ آپ نے ان کو اپنے ساتھ کیسے ملا لیا ہے؟ حضرت ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ تو ان کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھیوں میں شمار کرتے ہیں۔ عبارت گزر چکی ہے دیکھ لیں۔ سکتوں میں پڑھنا اور وہ بھی مستحب کے درجہ میں پڑھنا۔ آپ کے مذہب اور قومی معمول کے خلاف ہے۔ آپ نے بھی چہارم درجہ کی موافقت کو دیکھ کر قوم کے سامنے ان کے نام گنوا دیئے۔ پھر وہ سکتات میں پڑھنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ جب کہ وہ امام کے پیچھے وجوبِ فاتحہ کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چلتے چلتے مصنف خیر الکلام نے حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں تو انصاف کی ٹانگ ہی نہیں توڑی بلکہ کان بھی کاٹ ڈالے ہیں۔ ص۲۱۳ میں لکھا کہ عبد اللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ میں اور تمام لوگ سوا کوفی قوم کے قرأت خلف الامام کے قائل ہیں۔ یہ ترمذی ص۴۲ کی عبارت کا ترجمہ لکھا۔ اس میں اپنی جماعت والوں کو خوش کر دیا کہ عبد اللہ بن مبارکؒ بھی ہم لوگوں کی طرح مذہب رکھتے تھے۔ خوش ہو جاؤ۔ ایک بڑے محدث کا قول

ہم پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک کا بقیہ فرمان جو ان کے مذہب کی جڑ کاٹتا ہے اور ترمذی ص۲۷ میں اس عبارت کے ساتھ ہی مذکور ہے: وَاَرٰی اَنَّ مَنْ لَّمْ یَقْرَءْ صَلٰوتُہٗ جَائِزَۃٌ۔ یعنی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت نہ کی ہو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا نہ فرض جانتے اور مانتے ہیں اور نہ واجب۔ اس میں جہری اور سری کا کوئی فرق نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں میں خلف الامام فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ہاں مستحب کے درجہ میں پڑھتے تھے مگر وہ بھی صرف سری نمازوں میں۔ احسن الکلام ص۶۷ ج۱ میں مولانا مبارک پوری کا قول نقل کیا گیا ہے: قال الزھری ومالك وابن المبارك واحمد واسحاق یقرء فیما اسر فیه الامام ولا یقرء فیما جھر۔ اس سے معلوم ہوا کہ انا اقرء خلف الامام سے انکی مراد صرف سری نمازوں میں خلف الامام قرأت کرنا ہے، جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام نہ کرتے تھے۔

احسن الکلام کے کلام کو پھر دیکھ لیں۔ ابھی بیان گزرا کہ مولانا مبارک پوری صاحب نے اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی میں لکھا: ان عبد الله بن المبارك لم یکن من القائلین بوجوب القراءۃ خلف الامام وکذلك الامام احمد والامام مالك لم یکونوا قائلین بوجوب القراءۃ خلف الامام فی جمیع الصلوت۔ یہ تینوں حضرات جماعت اہل حدیث کے مسلک سے کوسوں دور ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ مصنف خیر الکلام نے ص۲۱۳ کے کلام میں قوم کو دھوکہ میں ڈالا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آدھی بات مفید مطلب نقل کر دی اور بقیہ کو کھا پی گئے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پڑھ لیا اور آگے خاموش ہو گئے۔ کیا یہ دیانت داری ہے؟ کیا اسلام یہی سکھاتا ہے؟ ہم یہودیوں کی مذمت کرتے تھے کہ رجم کی آیت میں انہوں نے غلط چال چلی لیکن آپ کو معلوم ہوا کہ ہماری قوم میں بھی یہ مرض موجود ہے۔ اور کیوں نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ

سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ ۔

ایک اور مزے کی بات بھی دیکھتے اور سُنتے جائیے اور مصنف خیر الکلام کی علمی قابلیت کی داد بھی دیتے جائیے۔ مصنف خیر الکلام ص۲۱۳/۲۱۴ میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی کی نماز بدون قرأت فاتحہ بالاجماع درست ہے۔ ص۲۱۴ ظاہری معنی کے اعتبار سے غلط معلوم ہوتا ہے ... الخ۔ مگر انھوں نے حضرت علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا مطلب غلط سمجھتے ہوئے اعتراض کیا ہے ان کی عبارت یہ ہے جو احسن الکلام ص۵۱ ج۱ میں نقل کی ہے وجملۃ ذٰلک ان القراءۃ غیر واجبۃ علی الماموم فیما جھر فیہ الامام ولا فیما اَسَرَّ نَصَّ علیہا احمد فی روایۃ الجماعۃ۔ (یعنی ماحصل کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔ خواہ امام جہر سے قرأت کرے یا خفیہ۔ دونوں صورتوں میں مقتدی کو قرأت کرنے کا حکم نہیں۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہی جماعت محدثین کا بیان ہے۔) اس میں صاف بیان ہے کہ مذکورہ فرمان حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ مفسر ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بات امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے اور مصنف خیر الکلام نے مطلب بدل دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ (جہری نمازوں میں مقتدی کی نماز بدونِ قرأت فاتحہ بالاجماع درست ہے) اس میں یہ شبہ کر گئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بلا فاتحہ جائز نہیں کہتے، اجماع کیسے ہو گیا؟ مگر مراد نہ سمجھنے سے یہ اشکال پیدا ہوا ہے۔ غور سے پڑھیں فرق معلوم ہو جائے گا۔

بیان مذاہب ائمہ اربعہ دربارۂ فاتحہ خلف الامام

امام ابو حنیفہؒ	لا تجب قراءۃ الفاتحۃ علی الماموم فیما	ولا فیما یخافت فیہ من	ابو کثیرؒ ص۲۸۰ ج۲	ھل یکرہ القراءۃ للماموم فیما	او یخافت

	جهر فيه الامام۔	القراءة۔		يجهر فيه لاتجوز القراءة للماموم فيما يجهر فيه بل يكره	تكره على المختار۔
امام مالکؒ	" " " " "	" " "	فتح الباری ص۲۸۵ ج۲	كره مالك الماموم ان يقرأ فيما يجهر فيه فتح الملہم ص۳ ج۲	تجوز استحباباً
امام احمدؒ	" " " " " "	" " "		قال احمدؒ لا تجوز قراءته اذا جهر فيه الامام بذل المجہود ج۲	"
امام شافعیؒ	تجب قراءة الفاتحه فی الجدید[1] من قوله	نعم تجب "			

مصنف خیر الکلام کی فاتحہ خلف الامام فرض کہنے کی دلیل ص۲۱۲ میں لکھتے ہیں:
بڑے بڑے اکابر محدثین امام بخاریؒ، امام ابن خزیمہؒ، امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ وغیرہ فاتحہ خلف الامام کو فرض کہتے ہیں۔ یہ نرالی منطق ہماری سمجھ میں تو نہیں آئی۔ مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ یا سُنتِ صحیحہ یا عملِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اختلافی اور اجتہادی مسائل میں ایک طرف کے حضرات کا شمار کرنا دوسروں پر حجت

[1] حضرت امام شافعیؒ کا قدیم قول وجوب القراءۃ خلف الامام کا تھا اور قولِ جدید میں وہ جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ احسن الکلام میں اس کی بحث دیکھیں۔

نہیں بنتا۔ دوسری طرف بھی شاید ایسے ہی اکابرین کے اقوال پائے جاتے ہوں۔ ہاں مگر وہ اپنے لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ میں اکیلے نہیں بلکہ یہ حضرات محدثین کرامؒ بھی ہماری طرف قرأت فاتحہ خلف الامام کو فرض کہتے ہیں۔ تم اپنے مذہب پر بجھے رہو کسی کی نہ سنو۔ تو یہ ایک مغالطہ ہے جو قوم کو دیا جاتا ہے جس کی وجہ میں نے پہلے بیان کر دی ہے کہ جماعت اہلِ حدیث فاتحہ کو فرض کہہ کر امام کے ساتھ پڑھا کرتے ہیں اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ امام کے ساتھ پڑھنے کے گناہ سے بچاؤ کے لیے سکتہ میں پڑھنا تجویز کرتے ہیں۔ حوالہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضراتِ شافعیہؒ میں سے کوئی بھی ساتھ پڑھنے کو اختیار نہیں کرتا۔ آپ اپنا ساتھی مع الامام پڑھنے والوں کے نام شمار کیجئے۔ یہ لوگ تو آپ کے مسلک کو غلط سمجھ کر چھوڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کے ساتھی کیسے ہیں؟

اس کے علاوہ یہ کہ آپ کے شمار کردہ یہ سب بڑے بڑے محدثین تراویح بیس رکعات ہی کہتے ہیں اور پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ سب حضرات محدثین کرامؒ تین طلاقوں کو تین ہی بتاتے ہیں حضرت امام نوویؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام کو دیکھیں تین کو ایک بنانے کی کیسی تردید کر رہے ہیں اور یہ سب معانقہ دونوں ہاتھوں سے کرنے والے ہیں۔ امام بخاریؒ نے تو صحیح بخاری میں باب ہی المصافحۃ بالیدین کا باندھا ہے۔ اگر محدثین کرام کی آراء پر آپ نے چلنا ہے جیسے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں آپ نے کہا کہ یہ بڑے بڑے محدثینؒ فاتحہ کو فرض سمجھتے تھے تو ہیں آپ کو ان سے بھی بڑے بڑے حضرات اکابرین محدثین کی آراء بتاؤں انکو مشعلِ راہ بنائیے۔

پہلے گزر چکا کہ ترمذی شریف میں حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ مسح علی الجوربین کی روایت لائے اور اس پر انھوں نے حَسَنٌ صَحِيحٌ کا حکم لگایا۔ آپ کی جماعت نے اس کو لے لیا اور عمل بالحدیث کا بہانہ بنایا اور کتاب اللہ کے محکم اور قطعی حکم غسل الرجلین کو چھوڑا۔ اور اس میں آپ نے بڑے اکابرین کے اقوال کو پسِ پشت ڈال دیا۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس ابوقیس اودی

کی روایت کو جس میں مسح علی الجوربین مذکور ہے حَسَن کہدیا ہے۔ لیکن یہ حکم اجتہادی درجہ میں محدث کی رائے ہوتی ہے اور محقق لوگ اس کو ضعیف اور متروک العمل بھی بتا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں شخصی رائے کو جماعت کے مقابلہ میں لینا عقل سلیم کے خلاف ہوگا۔ دیکھئے یہ روایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعدد الکثیر طریقوں سے مروی ہے سب ہی حضرات رواۃ اس حدیث میں مسح علی الخفین ہی نقل کرتے ہیں۔ صرف ابو قیس سب کے خلاف مسح علی الجوربین نقل کرتا ہے۔ اسی مخالفت کی وجہ سے اکابرین محدثینؒ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ علی بن مدینی شیخ امام بخاری، یحییٰ بن معین، عبدالرحمٰن بن مہدی، حضرت سفیان ثوری، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت یحییٰ بن سعید القطان، حضرت امام مسلم صاحب صحیح رحمہم اللہ تعالیٰ۔ سب ہی ابو قیس کی اس روایت کو رد کر رہے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے: کان عبد الرحمٰن بن مهدی لا یحدث بهذا الحدیث۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: کل واحد من هؤلاء لو انفرد قدم علی الترمذی۔ یعنی ان گرامی قدر حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جس کو لو حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے رفیع الشان اور عالی المرتبہ ہے۔ ان کا قول ترمذی کے بالمقابل راجح سمجھا جائے گا۔ حالانکہ یہ ساتوں حضرات بالاجماع اس ابو قیس کی حدیث مسح علی الجوربین والی روایت کو رد کر رہے ہیں۔ یہ بھی فرمایا الجرح مقدم علی التعدیل۔ آخر میں فرماتے ہیں: فقد اتفق الحفاظ علی تضعیفہ فلا یقبل قول الترمذی انہ حسن صحیح۔ ذکرہ العلامہ جمال الدین الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ ص۱۸۴ ج۱ مزید فرمایا قال مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ابو قیس الاودی وهذیل لا یحتملان خصوصاً مع مخالفتهما الاجلۃ الذین رووا هذا الخبر عن المغیرۃ بن شعبۃ فقالوا مسح علی الخفین۔ ولا نترک ظاہر القرآن بمثل ابی قیس ص۱۸۵ ج۱ زیلعی۔ یہ سب حضرات ائمہ حدیث ترمذی کی اس حدیث کو

ضعیف کہتے ہیں۔

ہم یہی باتیں غیر مقلدین کو سناتے ہیں۔ یہ جن حضرات کے فرمان گزر چکے ہیں، اکثر حنفی نہ تھے کہ آپ ضد سے کام لیں بلکہ بڑے بڑے محدثین ہیں۔ یہ ان سے بلند شان والے ہیں جنھیں مصنف خیر الکلام نے کہا کہ یہ بڑے بڑے محدثین (دارقطنی، بیہقی، ابن خزیمہ) فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم ان کو سناتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے محدثین کرامؒ سب کہتے ہیں کہ مسح علی الجوربین والی روایت پر عمل نہ کیا جائے۔ ظاہر قرآن (غسل رجلین ہے) کو اس ابوقیس کی روایت سے نہ چھوڑا جائے۔ عوام کو اس مغالطہ میں نہ ڈالا جائے کہ ترمذی میں حدیث ہے ہم اہلِ حدیث ہوتے ہیں۔ ہم اسی پر چلیں گے۔ جرابوں پر مسح کرتے رہیں گے۔

بلکہ ہم یہ بھی کہیں گے کہ یہ ابوقیس الاودی راوی حدیث مسح علی الجوربین نافع بن محمود مجہول سے بہتر ہے جو محمد بن اسحٰق عن مکحول کی فاتحہ خلف الامام والی روایت میں آتا ہے اور وہ بروایتِ ترمذی الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ الا بہا نقل کرتا ہے اور اہلِ حدیث حضرات اسی کی حدیث پر اعتماد کرتے ہیں اور ظاہر قرآن کریم اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کو چھوڑتے ہیں۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مصنف خیر الکلام ص۲۱۳ نے فاتحہ خلف الامام کو فرض کہہ کر بعض حضرات محدثینِ کرامؒ کے نام لیے ہیں اور ان کو بڑے بڑے محدثین کرامؒ کہہ کر اپنے ساتھ ملایا ہے۔ اس لیے ان کے بالمقابل فاتحہ خلف الامام فرض واجب نہ کہنے والے حضرات محدثین کرامؒ کو بھی آپ دیکھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی اس کے قائل نہیں بلکہ جماعتِ کثیرہ اجلہ محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہی ہے اور انما العزۃ للتکاثر کا مقولہ بھی زیرِ نظر رکھیں۔ اور انزلوا الناس منازلھم کا حق بھی ملحوظ رکھیں۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے گزر چکے ہیں۔

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ: قال لا یجب علی المأموم قراءۃ اصلاً لا فی السریۃ

ولا فی الجهریۃ ۔ (ابن کثیر ص۲۸۰ ج۲)

۲۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ : قال لا یجب علی الماموم قراءۃ اصلاً لا فی السریۃ ولا فی الجہریہ ۔ (ابن کثیر ص۲۸۰ ج۲)۔ قال احمدؒ لا یجوز للماموم قراءۃ اذا جہر الامام بالقراءۃ ۔ (بذل المجہود عن البیہقی ص۵۹ ج۲)

۳۔ حضرت امام مالکؒ بن انس : قال لا تجب علی الماموم قراءۃ بحال بل کرہ مالک ان یقرء الماموم فیما یجہر فیہ ۔ (فتح الملہم ص۳۰ ج۲)

مذہب مالکؒ وھو القدیم للشافعیؒ لانہ لا یجوز للماموم ان یقرء بفاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ الجہریۃ تفسیر کبیر ص۳۴۳ ج۱۵ (بل ھو القول الجدید للشافعیؒ ۔ راجع احسن الکلام)

۴۔ حضرت امام اسحٰق بن راہویہؒ : قال یقرء فیما اسر فیہ الامام ولا یقرء فیما جہر ۔ (احسن الکلام ص۷۶)

۵۔ حضرت امام زہریؒ : عن الزھریؒ ینصت من وراء الامام ویستمع لما جہر بہ الامام لا یقرء معہ احد ۔ نصب الرایہ ص۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر ص۲۲۱ میں ہے ۔ عن الزھریؒ لا یقرء من وراء الامام فیما یجہر فیہ الامام تکفیہم قراءۃ الامام وان لم یسمعہم صوت الامام۔

۶۔ حضرت امام مسلمؒ : نے سلیمانؒ تیمی کی روایت میں اذا قرأ فانصتوا نقل کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اذا قرء فانصتوا کے متعلق فرمایا وھو عندی صحیح ۔ اور کسی کے سوال کے جواب میں ھل ترید احفظ من سلیمان بھی فرمایا ۔ اور اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری ص۳۸۵ ج۲ میں فرمایا : اخرجہ مسلم فی صحیحہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب مختار یہی ترک القراءۃ خلف الامام ہے ۔

۷۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ : لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

روایت کرنے کے بعد فرمایا ھٰذا اذا کان وحدہ ۔ ابوداؤد ص ۱۱۹ ۔

۸۔ حضرت سفیان ثوریؒ } مغنی لابن قدامہ کے حوالہ سے احسن الکلام میں نقل کیا
۹۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ } لاتجب القراءۃ علی المأموم وھذا قول اکثر اھل
۱۰۔ حضرت اسودؒ } العلم (الی) وسفیان الثوری وابن عیینہ وابراھیم واسود ۔

۱۱۔ حضرت حسن بصریؒ : ان کا فرمان حضرت زہریؒ کی طرح ہے ۔ نصب الرایہ ص ۱۲ ج ۲
ینصت من وراء الامام ویستمع لما جھر بہ الامام لا یقرء معہ
فرمایا مُرسلُ الحَسَن اَصَحُّ ۔

۱۲۔ حضرت سعید بن المسیبؒ } جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے انصات
۱۳۔ حضرت شعبہ بن الحجاجؒ } واجب ہے ۔

کسی وقت ظہر کی نماز میں حضرت قتادہؒ نے امام کے پیچھے قرأت کی اس پر حضرت شعبہؒ نے ان کو ٹوکا کہ شیخ حضرت سعید بن المسیبؒ قرأت خلف الامام سے منع کرتے تھے تو قتادہؒ نے جواب دیا کہ ممانعت جب ہے کہ امام جہر سے قرأت کرے ۔ اس کا مفصل بیان گزر چکا ہے ۔

۱۴۔ حضرت قتادہ بن دعامہؒ : جہری نمازوں میں مقتدی کو خاموش ہو کر سننے کا حکم دیتے ہیں اور سری میں قرأت کی اجازت دیتے ہیں ۔

۱۵۔ حضرت مفسر ابن جریرؒ : ان کا فرمان گزر چکا کہ وہ جہری نماز میں صرف امام کی قرأت سننے والوں کو انصات کا حکم دیتے ہیں ۔

۱۶۔ حضرت مفسر ابن کثیرؒ : آپ جہری نماز میں خلف الامام قرأت کی ممانعت کرتے ہیں خواہ امام کی قرأت سُنے یا نہ سُنے ۔ بیان گزر چکا ہے ۔
نیز انھوں نے ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان پر تنقید کی کہ وہ ممانعت صرف سُننے والوں کے لیے کہتے ہیں ۔ حالانکہ جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے مطلقاً قرأت نہیں ۔

۱۷۔ حضرت نافع بن جبیرؒ : جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کی ممانعت کرتے

تھے ۔ مؤطا امام مالک ص۲۹ (احسن الکلام)

۱۸۔ حضرت لیث بن سعدؒ : روی عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة ۔ اخرجه الطحاوی ص۱۲۸ ثم هو قائل باستحباب للقراءة فی السریۃ ۔ فقط (العرف الشذی ص۱۴۲)

۱۹۔ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ : انہوں نے توجہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کرنے والوں کو کَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔ فرمایا ہے۔

یہ جملہ حضرات محدثین کرامؒ ومفسرین عظامؒ تین جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی ممانعت کرتے ہیں ۔

ہاں سرّی دو نمازوں میں بعض مستحب جانتے ہیں، بعض مباح اور بعض ان میں بھی قرأت خلف الامام منع کرتے ہیں۔ اسی لیے اس رسالہ کا نام تدقیق الکلام فی منع القرأت خلف الامام رکھا گیا ہے اور یہ تفصیل اس لیے کر دی ہے کہ مصنف خیر الکلام نے ص۴۱۳ میں حضرت امام بخاریؒ اور چند حضرات شافعیہ کے نام لیے ہیں مثلاً ابن خزیمہ دار قطنی، بیہقی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کو بڑے بڑے محدثین کا لقب دیا تاکہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں کچھ جان پڑ جائے ۔ حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب حضرات ایک ہی درخت کے پھل پھول ہیں ۔ اور یہ سب اپنے امام (حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ) کے جدید قول (بلکہ قدیم قول) وجوب القراءة فی الکل کی طرف جھک گئے ہیں اور اس مسئلہ کو محاذِ جنگ بنا دیا ہے ۔ حالانکہ جدید قول ان کا ممانعت قرأت فی الجہریۃ کا تھا، جیسے عام محدثین کا مختار ہے ۔ لیکن گزشتہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ اکثریت کبار محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ممانعت قرأت خلف الامام کے بارہ میں ہے ۔ ہم نے ان کے بالمقابل تین ائمہ کرام امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال پیش کر دیئے ہیں اور بقیہ کبار حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء بھی آپ کے سامنے عرض کر دیئے ہیں ۔ اب فیصلہ آپ کے ذمہ ہے ۔

چند ضروری باتیں نصحاً للمسلمین لکھی جاتی ہیں

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

آپ کے سامنے اُنیس حضرات محدثین کرام اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء جلیلہ جمیلہ بابت منع قرأت خلف الامام آچکی ہیں۔ یہ سب کے سب جہری نمازوں میں مقتدی کو فاتحہ خوانی سے روکتے ہیں۔ منع کرتے ہیں۔ خواہ پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہا جائے یا تنزیہی۔ اقرب اوّل صورت ہی ہے کیونکہ یہ انصات مامور بہ کے خلاف ہے۔ اگرچہ بعض دقیق نظر اور جلیل القدر حضرات اس کو مفوتِ حکم استماع اور انصات مامور ہونے کی وجہ سے حرام بھی قرار دیتے ہیں۔ لیکن شبہ کی وجہ سے کچھ تنزل ہو کر کراہت کا قول اقرب نظر آتا ہے، لیکن یہ حرمت اور کراہت اسی صورت میں ہوگی جب امام کی قرأت کے ساتھ ہی پڑھا جائے۔ کیونکہ یہی استماع مامور میں مخل بنتا ہے۔ جیسے حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزرا۔

شافعیہ حضرات جو سکتات میں پڑھنے کا کہتے ہیں اس میں اس سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اسی بچاؤ کے لیے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے، جیسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ ہم نے اگرچہ ان سکتات میں پڑھنے کی تردید بھی کی ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل آنے والی ہے لیکن وہ تردید اور وجہ سے ہے کہ اس سکتات میں پڑھنے کا رواج نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات میں پایا جاتا ہے اور نہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں۔ یہ بعد کی ایجاد اور پیداوار ہے۔ میں نے کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ اس وقت مقصودِ اصلی زمانہ حال کے غیر مقلدین کی چال چلن کی تردید ہے جو امام کی قرأت کے زمانہ میں فاتحہ خلف الامام ساری نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ اُنیس ۱۹ حضرات کی شہادتِ صادقہ اس مقصد کے لیے پیش کی گئی ہے۔ فریقِ ثانی کو چاہیے کہ ان حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اپنا عمل بنائے یا جہری

نمازوں میں مع امام پڑھنے والے اسلاف کے نام پیش کرے تاکہ صحیح موازنہ کیا جاسکے۔ مجھ کو اندازہ ہے یہ کہہ دینا ہرگز نفع بخش نہیں ہوگا کہ فلاں اور فلاں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ چونکہ آپ لوگ اس کو ہر نماز میں فرض کہتے ہیں کہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی، اور اپنی کڑی محدثین سے ملاتے ہیں۔ حالانکہ ان محدثین میں سے جس نے بھی فاتحہ پڑھنے کا قول نقل کیا وہ صرف سری نمازوں میں اور وہ بھی استحباب کے درجہ میں۔ یہی خیانت مصنف خیر الکلام نے کی کہ امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول فاتحہ پڑھنے کا تو نقل کردیا مگر اَرٰی اَنَّ صَلٰوۃَ مَنْ لَّمْ یَقْرَأْ خَلْفَ الْاِمَامِ جَائِزَۃٌ کو ہضم کر گئے یہ جملہ چھوٹا نہیں چھوڑ گیا ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ نہیں حضرات محدثین کیا حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو نہیں جانتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ آپ اس کو مقتدی کے بارے میں مانتے ہیں اور یہ حضرات مقتدی کو اس کے عموم میں نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے اس سے مقتدی کی استثناء دلائل شرعیہ سے بھی اور اس کو اپنا معمول بنایا۔ جہری نمازوں میں ان حضرات میں سے کوئی بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں کہتا۔ یہی حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زبان سے منقول ہو گئے: فَانْتَہَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَہَرَ فِیْہِ۔ یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا: اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ۔ یہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے: لَا قِرَاءَۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ۔ رواہ مسلم۔

اس مفصل بیان سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسئلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت پیش کرنا اَمَرَنِیْ اَنْ اُنَادِیَ اَنْ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ بے سود ہے وہ اس کلام کو قطعی بنا کر مقتدی کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں اور آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ یہ جملہ حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے نام لیے گئے ہیں۔ اس عموم میں

تخصیص کے قائل ہیں۔ خاص کر جب کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت نسائی اِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ وَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا کے بعد وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔ مروی ہے۔ اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق کردی ہے اور هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ فرما چکے ہیں۔ كَمَا مَرَّ مفصلاً۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شکوہ ضمنی انداز میں آگیا ہے اس کے بعد اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بیان یہ کیا گیا کہ فریق ثانی فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والے حضرات نے اپنے اس دعویٰ پر دلیل خاص کے بجائے عمومات سے مطلب سازی کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نہ تو حدیث صریح بحق مقتدی لائے اور نہ ترجمۃ الباب میں اس کا اشارہ کیا۔ صرف عام عنوان والی لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ کی روایت حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیش کی اور حنفیہ کرام نے مسلم شریف کی صحیح اور صریح روایت اِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا پیش کی جس میں امام اور مقتدی کا الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عام عنوان کی حدیث کو خاص فجر کی نماز سے مختصراً ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ کچھ نافع چیز نہیں کیونکہ یہ محمد بن اسحٰق عن مکحول کے طریقہ سے مروی ہے جو صحیح نہیں۔ یہ صرف حَسَنْ کے درجہ کی ہے اور یہ صحیح مسلم کی روایت کے مقابل اس کو معتبر نہیں کہا جا سکتا۔ ان باتوں کی تشریح گزر چکی ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ یہی محمد بن اسحٰق والی روایت کے متعلقات بیان کروں۔ گزشتہ کئی جگہ اس کے انتظار کا لکھا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔ وَعَلَيْهِ التَّوَكُّلُ وَالْاِعْتِصَامُ۔

فریقِ ثانی فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والوں کی دلیل ثانی

روایت ترمذی صـ۷۲

محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــــ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے فرمایا: اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ۔ میرا گمان ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّہٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِھَا۔ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ عُبَادَةَ حَسَنٌ ــــــ یعنی قرأت نہ کرنا مگر فاتحۃ الکتاب کی کیونکہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

تقریر دلیل | یہ فجر کی نماز کا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کی قرأت گراں گزری۔ آپ نے انکار کیا لیکن سورۃ فاتحہ کی اجازت دی کہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرنی جائز ہے۔ لہٰذا ممانعت کی حدیث سے اس کو مستثنیٰ کرنا ہوگا بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عام عنوان والی حدیث لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِھَا بظاہر اسی سے مختصر ہے۔

مصنف خیر الکلام صـ۴۵ نے کہا کہ اب عموم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ

خاص فجر کا قصہ ہے۔ اس میں خلف الامام قرأت کی اجازت مروی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق ومنہ الہدایۃ والاعانۃ | سب سے پہلے حدیث کا مطلب سمجھیں اور صورت حال متعین

کریں کہ ان لوگوں نے کیا پڑھا تھا کہ راوی حدیث فرماتا ہے : ثَقُلَتْ عَلَیْہِ الْقِرَاءَۃُ (ترمذی ص۲۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی قرأت گراں گزری۔ اُونچا پڑھنا بھی نہیں ہوا۔ ورنہ (میرا گمان ہے کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو) کیوں فرماتے ؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو صاف جہر کرنے سے انکار فرماتے، بلکہ غور کریں کہ اگر اونچا پڑھا ہوتا تو یہ سب کی قرأت میں مخل ہوتا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مفرد متکلم کے صیغہ سے فرمایا : مَالِی انازع القرآن۔ جیسے دوسری روایت ترمذی ص۲۱ میں آیا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی منہی چیز کا ارتکاب کیا۔ اس سے آپ کے قلب پر گرانی پیش آئی۔ وہ منہی چیز قرأت ہی تھی۔ کیونکہ راوی خود ترمذی ص۲۱ ثقلت علیہ القراءۃ۔ (قرأت آپ پر گراں گزری) بیان کر رہا ہے۔

پھر غور کریں کہ قرأت انھوں نے کس سورت اور آیت کی کی ہوگی ؟ ظاہر یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی انھوں نے پڑھی ہوگی۔ کیونکہ اسی کا رواج ہے اور لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الکتاب آیا ہوا بھی ہے۔ شاید اسی کو امام کے پیچھے بھی پڑھا ہوگا منفرد اور امام کے پیچھے کا فرق ان کو معلوم نہ ہوگا، متبادر یہی ہے۔ امام کے پیچھے اس کی نہی کا علم ان کو نہ ہوگا۔ اس لیے انھوں نے فاتحہ پڑھی ہوگی لیکن حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر ان کے ارتکاب منہی سے گرانی ہوئی اور استفسار کے بعد فرمایا : لَا تَفْعَلُوْا۔ ایسا (پڑھنا) نہ کیا کرو۔ یہ باتیں بالکل واضح ہیں۔ میں نے صرف آپ کی توجہ اس طرف پھیری ہے کہ ان حقائق کو فکر میں لائیں۔ اس کے بعد آخری حصہ کی طرف نظر کریں۔ یعنی اِلَّا بِاُمِّ القرآن ...

غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لَا تَفْعَلُوْا نہی صریح کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی استثناء آ ہی نہیں سکتی کیونکہ اسی فاتحہ کے پڑھنے سے جو پیچھے والوں نے پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوئی۔ کوئی جہر تو نہیں کیا تھا کوئی الحمد سورت اور آیت تو نہیں پڑھی تھی تو اس سے گرانی کیوں ہوئی جب کہ ایک جائز کا پڑھنا انھوں نے کیا تھا؛ تو اس سے ثقل کیسے پیدا ہوا؟ کہ راوی کہتا ہے: ثقلت علیہ القراءۃ۔ کیا جائز بلکہ بقول مخالفین فرض کی ادائیگی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوئی؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ منہی تھی پھر استثناء الابام القرآن کے کیا معنی؛ وہی تو پڑھی تھی۔ اسی سے تو ثقل پیدا ہوا تھا پھر اس کی رخصت کیسے دی جا سکتی ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی عقل کا اندھا کہہ دے کہ انھوں نے مَازاد علی الفاتحۃ پڑھا تھا اس سے گرانی ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت لاؤ۔ رہی وہ روایت جس میں ہے کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھا تھا تو وہ اور واقعہ ہے۔ وہ عصر کی نماز کا قصہ ہے اور یہ فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ یہاں نفسِ قرأت پر انکار ہے۔ ہاں روایت اگر اس طرح ہوتی کہ کسی نے فاتحہ کے بعد اور کوئی سورۃ بھی پڑھی تھی اور اس پر انکار کیا گیا کہ صرف فاتحہ پڑھا کرو تو پھر بات بن جاتی۔ لیکن اس روایت میں یہ نہیں۔ اس میں لعلکم تقرءون۔ الیٰ اراکم تقرءون فرمایا گیا۔ تعیین نہیں کی گئی کہ بعد از فاتحہ تم نے کیوں پڑھا؟

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اِلَّا بفاتحۃ الکتاب کی استثناء کسی راوی نے ملائی ہوئی ہے۔ اس نے اپنے گمان سے جب فاتحہ کو ضروری سمجھا تو لَا تَفْعَلُوْا کے بعد اس کی استثناء کر ڈالی۔ یہ استثناء مرفوع حدیث میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ جس چیز نے ثقلِ قلبی پیدا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت کیسے دے دی؟

اس روایت کے راوی محمد بن اسحٰق اور مکحول مُدلّس ہیں اور روایت عن؛

عَنْ سے مروی ہے اس میں شبہ ہے کہ شاید درمیان سے کوئی مجہول اور ضعیف الحال راوی گرا دیا ہو اور عَنْ کے ذریعہ سے روایت تمام کردی ہو اور اس ضعیف اور گرائے ہوئے راوی کی یہ کرم فرمائی ہو اس لیے یہ روایت قابلِ وثوق نہیں۔ اسی لیے حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے حَسَنْ فرمایا صحیح کا حکم نہیں کیا۔ آئندہ تحقیق سے معلوم ہوگا کہ حَسَنْ ہونا بھی مشکل ہے بلکہ یہ شاذ اور مردود ہے۔ افسوس کہ فریقِ ثانی جو فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا شیدائی ایسی روایت سے فاتحہ خلف الامام کا فرض ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یہ تو استحباب ثابت کرنے سے بھی قاصر ہے پختہ عمارت کے لیے اینٹ، پتھر، سیمنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ گارے اور ڈھیلوں سے پختہ تعمیر کیسے بن سکتی ہے؟

محمد بن اسحٰق راوی حدیث فاتحہ خلف الامام محدثین کرام کی نظروں میں

محمد بن اسحٰق کا قول اور ان کی رائے تاریخی مسائل میں تو اہلِ علم قابلِ وثوق جانتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی کی ابتداء میں ان کا قول نقل کیا ہے لیکن احادیث کی روایت میں ان کا وہ مقام نہیں جو تاریخی میدان میں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع الصحیح میں ایک روایت بھی ان کی نہیں لائے۔ اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اصول میں ان کی روایت ذکر نہیں کی ہاں متابعات میں پانچ جگہ ان کی روایات لائے ہیں۔ (میزان ص ۲۰-۲۴ ج ۳، شذرات ص ۱۹۱ ج ۱ وغیرہ۔ نصب الرایہ ص ۱۹۸ ج ۲ میں ہے: اما قول الحاکم انه علی شرط مسلم فمردود فان مداره علی محمد بن اسحٰق لم یخرج له مسلم الا متابعة۔ یعنی حضرت امام حاکمؒ نے اس محمد بن اسحٰق والی روایت کو علی شرط مسلم ہونا کہا ہے۔ لیکن یہ قول غلط ہے کیونکہ اس حدیث کا مدار محمد بن اسحٰق پر ہے اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک روایت نہیں لی تو علی شرط مسلم ہونا غلط ہوا۔ ہاں حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو متابعات میں ذکر کیا ہے۔

اور متابعات میں کمزور درجہ کے راوی بھی لے آتے ہیں۔

اس بات کو یاد رکھیں کہ غیر مقلدین کبھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت امام ترمذی رحمۂ اللہ تعالیٰ نے اس کو حَسَنؔ کہا ہے لیکن امام حاکم رحمۂ اللہ تعالیٰ نے اسکو عَلیٰ شرط مسلم ہونا فرمایا ہے۔ بے شک ایسا کہا ہے لیکن ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ میں نے گزشتہ عرض کیا کہ اس کا حَسَنؔ ہونا بھی مشکل ہے عنقریب تذکرہ انشاء اللہ آئے گا۔

محمد بن اسحٰق مدلس تھے | حافظ ابن حجر رحمۂ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد بن اسحٰق نزیل العراق امام المغازی صدوق یدلس ورمی بالتشیع، مغازی میں پوری مہارت رکھنے والے ہیں تدلیس کا عیب ان میں تھا لوگوں نے شیعی ہونے کی نسبت بھی ان کی طرف کی ہے۔ گزشتہ بیان سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ اس کو معمولی درجہ کا ثقہ سمجھا گیا۔ صحیحین بخاری اور مسلم میں ان کی روایات نہیں لائی گئیں۔ ہاں اور کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں مگر ان میں حَسَن ضعیف سب قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کی روایت معمولی درجہ کی حُسن ہی ہوسکتی ہے۔ ایسی روایت اگر صحیح روایت کے مقابل نہ پڑے تو قبول کی جاتی ہے اس سے معمولی درجہ کا حکم ثابت ہوسکتا ہے مثلاً مکروہ یا مستحب یا مباح۔ لیکن فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں نے اس سے ایک عالی شان حکم فریضۂ نماز ثابت کرنا چاہا۔ یہ کتنی بے اصولی بات ہے۔ ایک بانس کی لکڑی کو پختہ عمارت کا ستون بنانا کیسے معقول بنتا ہے؟ صرف یہ دیکھ کر لوگوں کو پھندے میں پھنساتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی یہ روایت ترمذی، ابوداؤد، نسائی، جزء القرأت وغیرہ، حدیث کی کتابوں میں مروی ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے ضعیف الحال ہونے کے باوجود اس میں تدلیس کی بیماری ہے اور روایت بھی عَنْ، عَنْ سے مروی ہے۔ مُدلس کی ایسی روایت مشکوک بن جاتی ہے۔ پھر فریضہ کے اثبات کے لیے اس کا سہارا لینا کون سا انصاف ہے؟ بیمار کا نام کئی ڈاکٹروں کے ہاں لکھا اور پایا جائے تو اس سے

صحت مند نہیں بن جاتا، پہلوان نہیں بنتا، لیکن یہ جانتے ہوئے مجبوری سے ایسا کیا جاتا ہے کہ مقتدی کے بارہ میں صحیح اور صریح روایت اعلیٰ شان والے راویوں سے مروی نہیں اور اعلیٰ شان والی کتابوں میں نہیں ملتی۔ نہ بخاری میں ملے نہ مسلم میں پائی جائے تو لامحالہ نیچے کے طبقہ کی کتابوں سے کام چلایا جاتا ہے۔ ایسے وقت لوگوں کو فرقِ مراتب سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ اندھیرے میں رکھتے ہوئے کام چلایا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کھلا فریضہ کہ رات اور دن میں پانچ وقت لوگ امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں مگر خاص مقتدی کے لیے صاف فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتحہ خوانی کا ان کو کسی صحیح اور صریح حدیث سے کہیں نہیں ملتا۔ ملتا ہے تو ایسے گرے ہوئے اشخاص کی روایات سے جن کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ لانا گوارا ہی نہیں کرتے، وہ اپنی کتابوں کو ایسی روایات سے بدنام نہیں کرنا چاہتے۔ اس مجبوری سے فاتحہ خوانی کرنے والے انہی کو پیش نظر رکھتے ہیں اور لوگوں کو حقیقتِ حال سے بے خبر رکھ کر غرض نکالتے ہیں۔ حنفیہ کی روایت منع قرأت خلف الامام والی صریح اور نہایت جلیل القدر راویوں سے صحیح مسلم میں مروی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے راوی کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: هَلْ تُرِيْدُ أَحْفَظَ مِنْ سُلَيْمَانَ.

آپ اپنے محمد بن اسحٰق کو بھی دیکھ لیجئے اور ترمذی کے رتبہ اور شان کو بھی ملاحظہ کیجئے اور حَسَنٌ اور صَحِيْحٌ کا فرق بھی زیرِ نظر لاتے ہوئے فیصلہ کیجئے اور پھر آپ کا دل جو گواہی دے اس کے موافق چلنے کی کوشش کیجئے۔

یہ باتیں ضمنی طور سے آگئیں۔ اصل مقصد حضرت محمد بن اسحٰق کا مدلس ہونا بتانا تھا۔ مدلس وہ ہوتا ہے جو اپنے اور اپنے شیخ کے درمیان سے کسی واسطہ کو گرائے یا شیخ اور شیخ الشیخ کے درمیان ایسی کارروائی کرے، گراتا اس لیے کہ وہ صغیر السن ہو یا معمولی درجہ کا شخص ہو۔ نام ذکر کرنے سے شاید حدیث مقبول نہ بنے۔ اس لیے اس کو گرا کر اوپر ثقہ اور معتبر راوی کی طرف بصیغہ عَنْ سند پہنچا دیتا ہے۔

حضرت سید السند سید شریفؒ کا مختصر رسالہ ترمذی کی ابتدا میں ہے اسکے

ص۲۳ پر مُدلّس کا معنیٰ کیا ہے۔ فرماتے ہیں هُوَ اَن یَرْوِیَ عَمَّنْ لقیہ اَوْ عاصرہ مَالم یسمعہ منہ عَلیٰ سبیل یوھم انّہ سمعہ منہ۔

پھر فرمایا بما لم یسقط المدلّس شیخہ ولٰکن یسقط من بعدہ رجلا ضعیفا او صغیر السّن یحسن الحدیث بذٰلک۔ وھو مکروہ جدًا۔ وذمہ اکثر العلماء۔

ترمذی کی روایت میں محمد بن اسحٰق کے بعد مکحول وہ بھی مدلّس ہے۔ وہ بھی اوپر بصیغۂ عَنْ روایت کر رہا ہے اور روایت میں شک و شبہ پایا جاتا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جزء القرأت کے رسالہ میں یہ حدیث تین صفحات (ص۹، ص۱۶۸، ص۱۶۹) میں ذکر کی ہے لیکن سب جگہ مُعَنْعَنْ روایت ہی ہے جیسے ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ مصنف خیر الکلام فاضل جماعتِ اہلِ حدیث نے جب دیکھا کہ استدلال میں تین رکاوٹیں ہیں: اوّل محمد بن اسحٰق کی ذاتی عدالت مشکوک ہے جس کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اصول میں اس کی ایک حدیث بھی صحیحین میں نہیں لائے۔ دوئم محمد بن اسحٰق راوی مدلّس ہے اور روایت میں سماع اور تحدیث نہیں عَنْ کے ذریعہ سے روایت ہے۔ سوئم: مکحول کی بھی یہی شان ہے تو ان کو جواب کی فکر ہوئی۔ اوّل کا حیلہ یہ کیا کہ ابنِ اسحٰق کے ثقہ ہونے کے اقوال نقل کیے اور قوم پر احسان کر دیا۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ اس طرح کرنے سے صرف یہ فائدہ ہوا کہ حدیث مردود ہونے سے بچ گئی، ادنیٰ درجہ کی مقبول بن گئی جس کو حَسَنْ کہا جاتا ہے۔ صحیح تو جب بنتی کہ عدالت مشکوک نہ ہوتی۔

صد افسوس تو حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح کہہ رہے ہیں اور خیر الکلام کے فاضل نے بھی ان کا قول اپنے تھیلے میں ڈال لیا ہے۔ تاکہ لوگ دھوکہ میں رہیں۔ ان شاء اللہ العزیز عنقریب اس کا تذکرہ آنے والا ہے۔

دوئم کا جواب یہ دیا کہ دارقطنی کی روایت میں ابنِ اسحٰق حدثنی مکحول کہہ رہا ہے۔ والہٰذا شبہ تدلیس کا رفع ہو گیا۔ اور حضرت علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں:

هـذا حديث حسن الاسناد او صحيح ۔ قال ابن اسحٰق اذا ذكر سماعه وكان الراوي عنه ثقة استقام الاسناد آہ ۔ سبحان اللہ! کیوں جناب! حدثني مکحول کہنے سے ابن اسحٰق کے ذاتی عیوب بھی اُٹھ گئے جن کے باعث امام ترمذیؒ نے صرف حسنؒ کا حکم کیا تھا کہ آپ اس کو صحیح بھی بتا رہے ہیں ۔ حسنؒ کے حکم میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی منفرد نہیں بلکہ کئی دیگر حضرات کا بھی یہی خیال ہے اور خود مؤلف خیر الکلام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ لکھتے ہیں کہ جس روایت میں محمد بن اسحٰق متفرد ہو تو اس میں نکارت ہوتی ہے کیونکہ اس کے حافظہ میں کچھ خلل ہے ۔ (محصلہ ص۲۰) اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا اجتہادی فیصلہ ہے تو بھی یہ حکم اتفاقی تو نہ ہوا پھر ایسی حسن یا صحیح حدیث اجماعی صحیح اور متفق علیہ کا مقابل کیسے بن سکتی ہے ؟ یعنی وَاِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا جو مسلم شریف میں مروی ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کی توثیق و تصدیق فرما چکے ہیں ۔ (تريد احفظ من سليمانؒ) اور ابن اسحٰق کی حدیث کی صحت کا حکم اختلافی محل میں ہے اس سے تو بدرجہا بہتر فیصلہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بارے میں ہے کہ جب اُن سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے ؟ تو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هو عندي صحيح ۔ یہ صحت کا حکم بھی اختلافی محل میں ہے اس لیے عندي صحيح فرمایا اور امام بیہقیؒ بھی ابن اسحٰق کی روایت کو عندي صحيح فرما گئے ہیں لیکن حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا درجہ شان اور رتبہ فن حدیث میں امام بیہقیؒ سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے ۔ کما لا یخفیٰ الغرض حضرت امام بیہقیؒ کی تصحیح شدہ حدیث ابن اسحٰق جس کو آپ فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنا رہے ہیں یہ تو اس سے بھی کم درجہ کی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واذا قرء فانصتوا حدیث حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصدیق شدہ ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت امام بیہقیؒ کا مقام حضرت امام مسلمؒ کے مقام کے برابر

نہیں ہے۔ جب ان سے وہ کم درجہ کے ہیں تو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحیح مسلم میں لائی ہوئی حدیث (اذا قرء فانصتوا) جو سلیمان تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے، اس کے برابر کیسے بن سکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس حدیث کو صحیح فرمانا کچھ سودمند نہ بنا۔

۲۔ اس کے علاوہ یہ بھی غور فرمائیں کہ جیسے ابن اسحٰق مدلس ہیں، مکحول بھی مدلس ہے اس کے اوپر روایت عَن مَحْمُوْدٌ بن ربیع سے کر رہا ہے۔ مُدلس کا عَنْ سے روایت کرنا موجب شبہ ہوتا ہے سَمِعْتُ یا حدثنی محمود تو نہیں کہتا پھر آپ نے صحیح کا حکم کر کے استقام الاسناد کیسے کہہ دیا؟ پہلے ہی سند میں دو شگاف تھے۔ ایک کو آپ نے بند کر دیا کہ فلاں نے حدثنی مکحول کہا ہے کیا اس سے دوسرا شگاف بھی بند ہو گیا کہ استقام الاسناد آپ فرما رہے ہیں۔ مکحول کے اوپر بھی ادھر ہے۔ عَن محمود روایت میں ہے اس کا فکر بھی کیجئے اور کہیں سے حدثنی محمود پیش کیجئے۔ دو کمروں میں اوپر نیچے اندھیرا ہو تو نچلے میں لالٹین جلانے سے اوپر والا کمرہ تو روشن نہیں ہو جاتا۔ اوپر مستقل لالٹین سے روشنی کی جاتی ہے کیا یہ بھی کوئی مشکل بات ہے؟ یا مکحول کا مدلس ہونا آپ کو پتہ نہیں۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں مگر قوم کو اندھیرے میں چھوڑ گئے ہیں۔ استقام الاسناد کہہ دیا کہ قوم ہماری تقلید میں یہ سبق پڑھے گی۔ خواہ کل کو ندامت ہی اٹھانی پڑے۔

ممکن ہے کہ مکحول کے اوپر کوئی ضعیف راوی یا گمنام شخص ہو اس کو مکحول نے حسب عادت حذف کر دیا ہو تاکہ اسناد میں جان پڑ جائے، دلیل فاتحہ خلف الامام بن جائے کیونکہ مکحول مدلس ہے قال فی تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۱ ج۱ میں ہے یرسل کثیرا ویدلس۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ اس میں چوری کی گئی ہے۔ دھوکہ دیا گیا ہے مکحول عن محمود سن کر اطمینان ہو جائے گا۔ حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو استقام الاسناد بھی لکھ دیا تو پھر کس نے تحقیق کرنی ہے لیکن اختلافی مسائل میں دوسرے فریق کو یہ کہنے کا حق ہوتا ہے کہ پوچھے کہ صحت اسناد کے شرائط پورے کیے جائیں یا بیمار عضو کی سلامتی کا سرٹیفکیٹ

مہیا کیا جائے۔ اگر حضرت مکحولؒ نے یہ کاروائی نہیں کی تو ممکن ہے کہ ابن اسحٰقؒ جو ان کا شاگرد ہے، اس نے کی ہو۔ حضرت سید السند رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزرا کہ مدلس کبھی اپنے شیخ سے اوپر بھی تدلیسی کام کر جاتا ہے تاکہ شیخ کی روایت مسموع متصل بن جائے۔ کرنے والا کوئی ہو، روایت میں شبہ ضرور ہے۔ حضرت سید شریفؒ کا فرمان پھر دیکھ لیجئے :۔

ربما لم یسقط المدلس شیخه ولکن یُسقِطُ مَنْ بعده رجلاً ضعیفًا او صغیر السِّنِّ لیحسن بذٰلک الحدیث ط

حاصل مقام یہ ہے کہ محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمودؓ کی سند سے روایت جو ترمذی، ابوداؤد، نسائی، جزء القراءت میں ہے اس میں دونوں جگہ ہی عن روایت ہے اور دونوں جگہ شبہ پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تعجب ہے کہ جزء القراءت کے رسالہ میں اس روایت کو بار بار مکرر، سہ کرر صفحات میں لاتے ہیں اور اس حدیث کے راویوں کے حالات سے خبردار بھی ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سب روایات معنعن ہیں لیکن اس کی بیماری کا نام ہی نہیں لیا اور نہ علاج کیا اور نہ بتایا، خاموشی اختیار کی۔ لیکن جب حضرت سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت عن قتادہ عن یونس پر نظر ڈالی تو وہاں سب کچھ یاد آ گیا۔ فرما گئے لم یذکر سلیمان فی هذه الروایة سماعًا من قتادة ولا قتادة من یونس۔ یعنی اس روایت میں یہ دونوں راوی مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے، سماع کا تذکرہ نہیں کرتے۔

اسی طرح ہمیں بھی حق ہے کہ کہیں لم یذکر ابن اسحٰق فی هذه الروایة سماعا من مکحول ومکحول من محمود۔ یہ شکایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اس جگہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ابن اسحٰق دارقطنی میں حدثنی مکحول نقل کر رہا ہے۔ جیسے کہ مصنف خیر الکلام نے لوگوں کو پتہ دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا کلام فی الحال امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آمدہ روایات میں ہے اسی طرح ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی روایات میں ہے مگر وہ بھی حدثنی کی روایت نہیں لائے اور نہ ان کو ملی ہے۔ اس لیے ہم نے کہا کہ اس روایت میں دو جگہ شگاف

ہیں۔ دونوں کا علاج کیا جائے۔ ہاں اگر کسی نے دارقطنی کی روایت پیش کی اور اس پر اعتماد کیا تو اس کے مناسب حال دوسرے شگاف کی اصلاح کا کہا جائے گا کیونکہ سوراخ اور شگاف دو ہیں اور قیامت تک انشاء اللہ علاج نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی گنجائش ہوتی تو شافعیہ حضرات ڈھونڈھ لاتے جو غیر مقلدوں کو کام آجاتا۔ ممکن ہے کہ کوئی عقل کا اندھا اس مقام پر پہنچ کر یہ کہے کہ ابن اسحٰق اور مکحول مدلس تو ہیں لیکن ان کے متابعات بھی موجود ہیں۔ خیر الکلام میں دونوں کے متابعات ذکر کیے گئے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ سہارا طفل تسلّی ہے اور کاغذی پھول ہیں آپ کو خوشنما معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں خوشبو ذرہ برابر نہیں۔ عنقریب حقیقت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ متابعات کی بحث میں اس کا مفصل تذکرہ ہوگا۔ فی الحال ہم نے اور کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

ا۔ یہ کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے وکلاء کا جو مقامِ عزت ہوتا ہے اور جو مقبولیت عامہ ہوتی ہے کیا وہ عام سول عدالتوں کے وکلاء کو بھی حاصل ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح صحیحین (بخاری اور مسلم) کے راویوں کی شانِ رفیع جو ایک مسلّم حقیقت ہے کہ وہ بقیہ کتابوں کے رواۃ سے بدرجہا اکمل و افضل ہوتے ہیں۔ صحیحین کی مقبولیتِ عامہ کا راز یہی ہے۔ حضرت سلیمان تیمی اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کو جو صحیحین کے راوی ہونے کا شرف حاصل ہے کیا وہ محمد بن اسحٰقؒ کو حاصل ہے حضرت سلیمان تیمیؒ کے متعلق حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان تریب احفظ من سلیمان آ ہی چکا ہے اور حضرت ابنِ اسحٰق کا ثقہ ہونا بھی بمشکل ثابت کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حدیث کو حسنؒ (جو ادنیٰ درجہ قبولیت کا ہے) کہا گیا ہے۔ پھر آپ لوگوں کا ان کی روایت کو لینا اور ان جبال العلم حضرات کی روایت کو جو مسلم شریف میں آچکی ہے اس کو بہلانے بنا کر چھوڑنا کون سا انصاف ہے خاص کر جب کہ حضرت مکحولؒ کا جو راوئ حدیث ہے اس کا سماع حضرت محمود بن الربیعؓ سے جو ایک صحابی ہیں ثابت ہی نہیں۔ ہاں بعض روایات میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ بن الصامت آیا ہے مگر اس کا عنقریب مفصل بیان آرہا ہے اور یہ نافع بن محمود جو مکحول کا شیخ ہے

منتشر اور مجہول الحال ہے۔ آپ کے سامنے حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شہادت صادق آرہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مکحول کا سماع صرف تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ ترمذی شریف ص ۲۵۹ مکحول قد سمع واثلۃ بن الاسقع وانس بن مالک وابی ھند الداریؓ۔ ویقال اِنَّہٗ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْ ھٰؤلاء الثلاثۃ اور تہذیب تہذیب ص ۲۹۱ میں ہے: وقال الترمذیؒ سمع مکحول من واثلۃؓ وانسؓ وابی ھند الداریؓ ویقال انہ لم یسمع من احد من الصحابۃ الا منھم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکحولؒ کا نہ تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت ہے اور نہ حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ سے جو صحابی صغیر السن ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ یہ محمود بن الربیع کوئی اور غیر صحابی نہ ہو۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے روشن ہوگیا کہ حضرت مکحول اور محمود بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان واسطہ ہے خواہ نافع بن محمود کا ہو یا اور کسی کا۔ اس وجہ سے یہ حدیث حجت بننے کے قابل نہیں۔ مشکوک چیز سے احتجاج کیسے درست ہوسکتا ہے؟

۲۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ابنِ اسحٰق اس روایت کی اپنے شیخ مکحول کے سات شاگردوں کے خلاف سند نقل کر رہا ہے اور اس بیان میں وہ متفرد ہے اور پہلے ابن مردویہ کا فرمان خیر الکلام ص ۲۰ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ ما تفرد بہ ففیہ نکارۃ

حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی ہے جس میں خاص فجر کی نماز میں کسی کا خلف الامام قرأت کرنا مذکور ہے، اور اس پر انکار کے بعد اِلَّا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ الّا بہا مذکور ہے اس کا تفصیلی نقشہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ابنِ اسحٰق عن مکحول کی سند جس سے استدلال کیا جاتا ہے، سب کے مخالف اور شاذ ہے۔

مکحول کے دو شاگرد زید بن واقد اور یزید بن یزید اپنی سند مکحول عن نافع بن محمود عن عُبادۃؓ بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح دو متابع حرام بن حکیمؒ اور عثمان بن الاسودؒ یہی سند بیان کرتے ہیں اور ابن اسحٰق ان چاروں کے خلاف مکحول عن محمود بن الربیع عن عُبادۃؓ بیان کرتا ہے:

۱۔ زید بن واقد عن مکحول عن نافع بن محمود عن عُبادۃؓ	ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، نسائی ص۱۴۱، جزء القراءۃ۔
۲۔ یزید بن یزید عن مکحول عن نافع بن محمود عن عُبادۃؓ	بیہقی
۳۔ زید بن واقد عن حرام بن حکیم عن نافع بن محمود بن ربیعہ عن عُبادۃؓ	دارقطنی، نسائی ص۱۴۱، جزء القراءۃ، بیہقی
۴۔ یزید بن یزید عن عثمان بن الاسود عن نافع بن محمود بن الربیع عن عُبادۃؓ	دارقطنی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت نافع بن محمود عن عُبادۃؓ کے طریق سے تھی اور نافع بن محمود مجہول ہے۔ قال فی التقریب نافع بن محمود بن الربیع مجهول من ثالثة قال التهذیب ص۴۱۰ ج۱۰ نافع هذا مجهول۔ قال الذهبی فی المیزان ص۲۴۲ ج۴ نافع بن محمود لا یعرف بغیر هذا الخبر ولا هو فی کتاب البخاری وابن ابی حاتم وذکره ابن حبان فی الثقات لیکن ابن حبانؒ کا ثقات میں شمار کرنا ان کی اپنی اصطلاح کے مطابق ہے۔ ہر ایسے مجہول کو وہ ثقہ کر دیتے ہیں جس میں جرح معین نہ ہو۔

مکحول کی اسناد کا دوسرا طریقہ مرسل و منقطع ہے اس میں مکحول عن عبادۃؓ ہے نہ محمود کا ذکر نہ نافع بن محمود کا ذکر۔

۱۔ ولید بن مسلم عن ابن جابر (هو عبد الرحمن بن یزید بن جابر) عن مکحول عن عُبادۃؓ بن الصامت	ابوداؤد ص۱۰۹، بذل المجہود ص۵۲ ج۲

۲. ولید بن مسلم عن سعید بن عبد العزیز عن مکحول عن عُبادۃ۔ } ابوداؤد

۳. ولید بن مسلم عن عبد اللہ بن العلاء عن مکحول عن عُبادۃ۔ } ابوداؤد

۴. بقیۃ بن الولید عن الزبیدی (ھو محمد بن الولید بن عامر) عن مکحول عن عُبادۃ } بخاری شریف ص۱۰۳

۵. نعمان بن المنذر عن مکحول عن عبادۃ } بیہقی فی رسالتہ۔ بنحوھا فی الدارقطنی عن الزبیدی۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رواہ اھل الشام مرسلا یعنی شام والے حضرات اس روایت کو مُرسَل و منقطع نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہی پانچ حضرات کے نام لیے۔ ابنِ اسحٰق کی روایت ان ۹ حضرات کے مخالف ہے سات مکحول کے شاگرد ہیں۔ پانچ مُرسل نقل کرتے ہیں اور دو شاگرد نافع بن محمود کا واسطہ بیان کرتے ہیں۔ ابنِ اسحٰق ان سب کے مخالف عن مکحول عن محمود بن الربیع کہتا ہے۔ مکحول کے دو متابع بھی ان میں نافع بن محمود ہی ذکر کرتے ہیں۔ ابنِ اسحٰق ان ۹ حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف سند لاتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھذا الطریق شاذ ہی ہوگئی۔ شاذ اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں ثقہ اور ثقات کی مخالفت کرتا ہو۔ یہاں ابنِ اسحٰق راوی حدیث ۹ ثقات کی مخالفت سند کے بیان میں کر رہا ہے۔ ہر ایک ان میں ابنِ اسحٰق سے اگر بہتر نہ ہو تو کم بھی نہیں۔

پھر ایسی روایت پر اعتماد کرکے ایک فریضہ کا ثابت کرنا کون سا انصاف ہے؟ یہ بھاری چھت کے نیچے بانس کی بوسیدہ لکڑی کا سہارا دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب..... مختصر من ھذا۔ جس حدیث کی بیخ و بنیاد ہی صحیح نہیں اور در و دیوار میں شگاف ہیں اس سے مختصر بنانا اُلٹا نقصان دہ بنتا ہے۔ صرف یہ دیکھنا

کہ اس میں فجر کی نماز کا تذکرہ ہے اس کے بعد لا تفعلوا الا بام القرآن ..... الخ
آیا ہوا ہے کیا فائدہ مند بن سکتا ہے؟ اس میں ابن اسحٰق ثقات کے مخالف متن بیان
کر رہا ہے۔ اصل روایت مرسل و منقطع ہے جسے پانچ ثقات کا بیان ہے یا نافع
بن محمود میں شاذ ہے جسے چار ثقات بیان کرتے ہیں۔ وہ قابل احتجاج نہ قابل
متابعات۔ ابن اسحٰق اور مکحول دونوں مدلس ہیں۔ تاہم ان ضعیف راویوں کی کرم فرمائی ہو

حضرت امام ابن سیرینؒ کا فرمان ہے ان هذا العلم دين فانظروا عمن
تاخذون دينكم۔ یہ علم دین خداوندی ہے جس سے دین کی باتیں لیا کرو دیکھ لیا
کرو کہ وہ کیسا شخص ہے۔ اس کا مال کی آپ کے سامنے آچکا اور بالمقابل حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا جس
میں ابو خالد الاحمر صحیح بخاری کا راوی ہے اور دوسرا راوی محمد بن عجلان
ہے جس کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ثقة مامون في الحديث فرما
چکے ہیں اذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم صریح آ
چکا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق هو عندي صحيح بھی فرما چکے
ہیں۔ اس کے بعد فرمان الٰہی اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ کی ذمہ داری کو پورا
کیجئے، ورنہ مسئول ہوں گے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعيته کا فرمان بھی صحیح
ثابت ہے۔ باقی رہا حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت لا صلوٰة لمن لم
يقرأ بفاتحة الكتاب اس کو لے کر الجھنا بے کار ہے۔ اس کا جواب پہلے آچکا ہے
کہ یہ صحیح ہے مگر صریح بحق مقتدی نہیں اور بالمقابل مسلم شریف کی روایت اذا قرأ فانصتوا
جس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اخرجه مسلم في صحيحه فرما چکے
ہیں۔ یہ صحیح بھی ہے اور صریح بھی۔ یہ ناطق ہے وہ ساکت ہے مزید تفصیل گزر چکی ہے۔
ایک اور بات کو بھی یاد رکھیں کہ امام نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم نے مذہبی
حمایت میں فرمایا کہ سلیمان تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس اذا قرأ فانصتوا کی زیادۃ میں حضرت
قتادہ کے تمام شاگردوں کے خلاف یہ زیادۃ لائے ہیں (نووی ص۱۷۴)۔ اس لیے اس کو

قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کو شاذ بنا گئے اور جان چھڑا گئے۔ ان کی عبارت دیکھ لیں:
میں امام نوویؒ کے قاعدہ کے مطابق آپ کو بتا چکا ہوں کہ ابن اسحٰق، وہی حدیث ترمذی و نسائی اپنے شیخ مکحول کے تمام شاگردوں کے خلاف سند میں محمود بن الربیع نقل کر رہا ہے۔ ان کے چار شاگرد نافع بن محمود عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ دو بارسال طور سے مکحول عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ لہٰذا ابن اسحٰق کی یہ محمود بن الربیع کی زیادۃ اوروں کے مخالف مردود ہے۔ امام نوویؒ کی پوری تقریر یہاں جاری کر دیجئے لیکن یہاں سب حضرات شافعیہ خاموش گزر جاتے ہیں۔ دار قطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اسے صحیح بھی کر دیا۔ وہ حدیث مکحول کے اسناد کے استقامت کا دعویٰ بھی کر دیا جس کا تذکرہ گزر چکا۔ یہ بے سود باتیں ہیں۔ گزر چکا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے مدلس ہونے کا تذکرہ بھی نہ کیا، نہ اس کی چارہ جوئی کی۔ ہاں مخالف جانب کے راویوں پر تنقید فرما گئے کہ سلیمان تیمی اور قتادہ مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں لیکن اپنے گھر کو نہ دیکھا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ہم نے ان کا نقشہ آپ کے سامنے کر دیا ہے کہ ابن اسحٰق باقی راویوں کی مخالفت کرتا ہے یا نہیں ؟

بہرحال امام نوویؒ اور ان کے پڑھائے ہوئے سبق کو یاد کرنے والے غیر مقلدین کے علماء کرام سے سوال ہوگا کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کی مخالفت اذا قرء فانصتوا کی زیادۃ میں اگر سلیمان تیمی نے کی ہے اور آپ اس کو قبول نہیں کرتے بلکہ رد کرتے ہیں تو ابن اسحٰق کی یہ زیادۃ عن محمود بن الربیع جو مکحول کے کسی شاگرد نے بیان نہیں کی اس کو کیوں قبول کرتے ہیں ؟ وہاں (سلیمان تیمیؒ کی روایت میں) یہ زیادۃ شاذ ہے تو یہاں (ابن اسحٰق کی روایت میں) کیوں شاذ و مردود نہیں ؟ کیا ابن اسحٰق کا حال و مقام حضرت سلیمان تیمیؒ سے رفیع ہے ؟ یا صرف اپنی پرائی کا فرق ہے ؟ کیا عدل و انصاف کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی ؟

اور اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ وہاں سلیمٰن تیمی کی روایت میں ان کی زیادۃ لیتے ہو تو ابن اسحٰق کی روایت میں ان کی زیادۃ کیوں نہیں لیتے ؟ اسے کیوں شاذ کہہ کر رد کرتے ہو ؟

تو مطلب یہ ہے کہ یہ شعر مشہور ہے کہ لکل موطن مقالٌ۔ ہر جگہ مناسب مقام و حال بات کی جاتی ہے۔ ایک ہی بات ہر جگہ نہیں بیان کی جاتی۔ حضرت سلیمان تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیادتی کی تعلیل ایک قانون کے تحت کی گئی جس کو سب ہی مانتے اور جانتے ہیں کہ زیادۃ ثقہ کی قبول کی جاتی ہے۔ جہاں صحیح کی اتفاق ہوتا ہے اور زیادۃ میں منفرد ہو۔ اس کو سکوت اور ناطق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مخالفت منافاۃ کے معنوں میں نہیں ہوتی۔ جو زیادۃ ذکر بعض [illegible] یہ ذکر الآخر کے قبیل سے ہوتی ہے لیکن یہی تحقیق یہ ثابت ہے کہ نہیں دیا جاتا۔ یہاں [illegible] راستے کی تبدیلی ہے۔ چست سے پیچھے خون لگتا ہے۔ سابقہ کو بحال رکھ کر زیادہ نہیں کی گئی بلکہ اصل کے راستے کو چھوڑ دیا ہے۔ ثقہ راویوں کے مخالف اس پر چلے ہیں اور راوی مدلس بھی ہیں جو کبھی قصداً [illegible] کے ناموں [illegible] یا آخر کر دیتے ہیں کہ ضعفاء کے نام کو درمیان سے حذف کر کے جہاں ثقات کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ ابن اسحق انہی میں سے ہے۔ پھر ایسی حدیث جو کہ [illegible] خصوصاً کہ وہ اتنا معتمد علیہ بھی نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو [illegible] اور مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ بھی صرف متابعات میں اس کی روایت لائے ہیں۔ جیسے حوالہ گزر چکا ہے۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد میں ہے یہ فرمایا: فالحدیث معلول بثلاثۃ

توجیہ۔ یہ حدیث تین وجہ سے قابل اعتبار نہیں: انہ مدلس ورواہ معنعنا وقد اضطرب فی اسنادہ، وقد تفرد بذکر محمود بن الربیع۔ یعنی ابن اسحق مدلس ہیں عن عن سے روایت کرتے ہیں اور سند میں بھی اضطراب پایا گیا ساتھ محمود بن الربیع کے ذکر میں منفرد بھی ہیں کسی اور نے اس جگہ ان کا نام نہیں لیا۔

باقی اس حدیث کا یہ جواب کہ ابن اسحاق مدلس تو ہیں لیکن اس کے بعد مکحول کے متابعات ذکر کر دیں جن سے معلوم ہے متابعات ذکر کر دیتے ہیں۔ یہ بات محض جاہلوں کے دھوکہ دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ یہ جواب سندوں کی [illegible] پھینکنے کے قابل ہے۔ عنقریب [illegible] نظر ہو جائے گی۔ ابھی ہم نے کچھ اور باتیں کرنی ہیں۔

مصنف خیر الکلام نے کئی اوراق محمد بن اسحٰق کے ثقہ ثابت کرنے میں اور مخالف اقوال کی جواب دہی میں لکھے، خوب زور لگایا، لیکن ہم نے تو اس کے ثقہ ہونے کا انکار نہیں کیا۔ دگو اس پر کتب اسماء الرجال میں کڑی جرح موجود ہے۔) ہم نے تو فرق مراتب کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سلیمان تیمی جیسے تو نہیں، وہ مدلس ہے لیکن صحیح مسلم کا راوی ہے روایت میں اس کا متابع بھی موجود ہے۔ ابن اسحٰق ابو خالد الاحمر جیسا تو نہیں وہ بخاری شریف کا ثقہ راوی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا راوی ہے۔ کیا ابن اسحٰق راوی حدیث حضرت عبادۃ بن الصامت میں یہ وصف کمال ہے؟

یہ باتیں گزر چکیں اب مزید کہتا ہوں کہ حضرت زبیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ راوی حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحیح کا راوی ہے نقشہ میں حوالہ گزر چکا۔ وہ اس روایت کو مرسل طور سے مکحول عن عبادۃ بن الصامت نقل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ چار اور ثقات بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر محمد بن اسحٰق والی عن مکحول عن محمود بن الربیع کو لینا اور حدیث کو متصل السند بنانا کمال کی دیانت داری ہے۔ کیا آپ کے نزدیک حضرت زبیدی اور ابن اسحٰق ایک مرتبہ والے لوگ ہیں؟ اگر آپ ان کو ترجیح دے دیں تو آپ کے رویہ کو ہٹ دھرمی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ اعطاء کل ذی حق حقہ کے فریضہ کے ساتھ یہ غداری نہیں تو کیا ہے؟

اس کے بعد آپ حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بھی دیکھ لیں اور سن لیں جو انہوں نے شاذ کی تعریف میں فرمایا۔ نخبۃ الفکر ص۲۵ الشاذ لغۃ الفرد شاذ لغت میں فرد چیز کو کہتے ہیں۔ واصطلاحا مایخالف فیہ الراوی من ھو ارجح منہ۔ اصطلاح محدثین میں یہ ہے کہ کوئی راوی اپنے سے زائد شان والے راوی کی مخالفت کرے۔ ای فی العدالۃ والضبط مخالفۃ لم یمکن الجمع کذا فی الحاشیہ۔ یعنی ارجحیت سے مراد یہ ہے کہ راوی عدالت اور صفت ضبط میں جو اپنے سے اعلیٰ شان والا شخص ہو اس کی مخالفت کرے اسے شاذ کہتے

ہیں یعنی ثقہ راوی اپنے سے فائق ثقہ کی مخالفت کرے، یہ شاذ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کیا ابنِ اسحٰق سند میں مکحول کے اوپر محمود بن الربیع کے ذکر کرنے میں مکحول کے سات شاگردوں کی مخالفت نہیں کرتا؟ خاص کر زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو صحیح بخاری کا ثقہ راوی ہے جس نے مکحول عن عبادۃ مرسل سند ذکر کی ہے۔ کیا ابن اسحٰق اس کی مخالفت نہیں کرتا؟ کیا وہ اس سے ارجح نہیں ہے؟ اس مفصل بیان سے آپ کو دو فائدے حاصل ہوئے۔

الفائدۃ الاُولیٰ | مصنف خیر الکلام نے ابنِ اسحٰق کے ثقہ ثابت کرنے کے بعد صـ۲۱ پر لکھا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہے۔ بس اب تو شبہ رفع ہو جانا چاہیئے۔

الجواب | یا تو وہ خود نہیں سمجھے یا قوم کو دھوکہ دیا کہ ثقہ ہونے کے بعد شذوذ نہ رہا حالانکہ ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ شذوذ کا معنیٰ یہی ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے ارجح کی مخالفت کرے یا ثقہ من ھو اوثق منہ کی مخالفت کرے۔ اگر ثقہ نہیں اور مخالفت کرتا ہے تو اسے منکر کہتے ہیں۔ ثقہ ثابت کرنے سے شذوذ کیسے رفع ہو سکتا ہے؟ شذوذ تو انفراد کو کہتے ہیں خواہ ثقہ ہی ہو۔ ہاں اگر شذوذ فسق کو کہتے ہیں تو ثقہ ثابت کرنے سے رفع ہو سکتا اور ہو جاتا۔

الفائدۃ الثانیہ | میں نے گزشتہ عرض کیا تھا کہ ترمذی روایت کو اگرچہ حسن کہا گیا ہے لیکن یہ تو شاذ ہے۔ حَسَن ہونے کا حکم رعایتی طور سے کیا گیا ہے۔

آپ نے شاذ کا معنیٰ معلوم کر لیا اور یہ بھی کہ ابنِ اسحٰق محمود بن الربیع کے ذکر میں متفرد ہے ثقات کی مخالفت کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔ نہ حسن بن سکتی ہے نہ صحیح کہی جا سکتی ہے۔ اب حَسَن اور صحیح کا معنیٰ معلوم کیجیے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے اور مسئلہ سے غبار دُور ہو جائے۔

مقدمہ ترمذی صـ۱۴ میں سید شریف جن کو سید السند رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں حسن الترمذی ھُوَمَا لایکون فی اسنادہ متھم ولا یکون شاذاً

اسی طرح علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا گیا اشتھر راویہ بالصدق

والامانة وقصر عن درجة الصحة . (الی) ولابد فی القسمین من سلامتهما من الشذوذ والتعلیل . یعنی حسن اور صحیح دونوں میں ضروری ہے کہ شذوذ کے عیب سے سلامت ہوں . اسی طرح زیلعی ص۱۵۱ ج۱ میں ہے شرط الحدیث الثابت ان لا یکون شاذا ولا معللاً . جب ابن اسحٰق کی یہ روایت شاذ ہے جیسے معلوم ہو چکا تو یہ نہ صحیح بن سکتی ہے نہ حسن کہی جا سکتی ہے ۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا حسن کہنا صرف اس کے ذاتی احوال کو دیکھتے ہوئے ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا حکم حدیث کے بارے میں تساہل معروف ہے ۔ دیکھئے مسح علی الجوربین کی روایت کی حدیث کو حسن صحیح فرما گئے لیکن تمام محدثین کرامؒ اس کے خلاف ہیں ۔ یحییٰ بن سعید القطان ، علی بن مدینی ، امام مسلم ، عبدالرحمن بن مہدی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا گزشتہ تذکرہ گزر چکا ہے ۔

اس کے بعد ذرا ادھر بھی نظر کیجئے : مصنف خیر الکلام ص۲۰۴ میں عطاء خراسانی کے متعلق لکھتے ہیں "اگرچہ بعض علماء نے اس کی توثیق کی ہے مگر تدلیس کا عیب اس میں ضرور ہے " یہ اس کی روایت کو ساقط کرنے کے لیے لکھا ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں . مزید اسی صفحہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ عطاء خراسانی اس قسم کا راوی نہیں جو صحیح بخاری میں ذکر کیا جائے " سبحان اللہ ذی الجلال والاکرام . المرء اِذَا حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِیْهِ وَقَعَ فِیْهِ . کا کیا صحیح منظر ہے ؟ جناب من ! ذرا اپنے گھر کی طرف بھی دھیان کیجئے ۔ یہ گرد و غبار جو آپ اڑا رہے ہیں . آپ کے گھر پر پڑ رہی ہے . دیکھئے :

کیا آپ کے قرأت فاتحہ خلف الامام کے علمبردار جناب محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی حال نہیں ہے ؟ اپنے گھر یہ بات یاد نہ آئی ۔ بلکہ بتلانے والوں سے شاید ناراض ہی ہوں گے کہ ہماری عمارت میں شگاف ڈال رہے ہیں . کیا محمد بن اسحاق بخاری کا راوی ہے ؟ کیا اس میں تدلیس کا عیب نہیں ؟ آپ کا قول آپ پر حجت

بن گیا۔ ہم محمد بن اسحاق کی یہی دو باتیں کمزوری کی بتا رہے ہیں۔ آپ نے تسلیم کر لیا
کہ ہاں ایسی روایت ساقط ہوتی ہے۔ ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ وللہ الحمد
والمنۃ۔ سچ بات کی یہی علامت ہے کہ دشمن بھی اعتراف کرے۔ آپ بھی
ضد و عناد کو چھوڑ دیں اور اپنی کہی ہوئی بات پر عمل کریں۔ عطاء خراسانی کی روایت
ان دو عیبوں سے معیوب ہو کر حسن صحیح نہیں بن سکتی تو محمد بن اسحٰق کی یہ روایت کیسے
حَسَن بن سکتی ہے؟ آپ تو دارقطنی سے اس کی تصحیح بھی نقل کر رہے ہیں۔

یہ بات اسی طرح کی بن گئی جیسے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذہبی پاسداری
میں ص۱۷۵ فرمایا: قد خالف سلیمان التیمی فیہا جمیع اصحاب قتادۃ
یہ ان کی روایت کو ساقط کرنے کا حیلہ نکالا۔ سمجھے کہ ہم مقصد میں کامیاب ہو گئے۔
بمباری سے مخالف فریق کی عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اس کا جواب گزشتہ ہی دیا گیا
کہ گھر کی طرف بھی نظر فرمائیے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ: قد خالف ابن اسحاق فی بیان
سند الحدیث عن مکحول جمیع اصحاب مکحول السبعۃ۔ الحمد للہ
ہماری یہ بات بھی سچی بن گئی۔ فریقِ ثانی کے وکیل علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ یہی بات
کہہ رہے ہیں۔ یہ شکایات ضمنی طور سے مذکور ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور بات
مقصد کے ساتھ متعلق عرض کرتا ہوں۔ اس کو بھی گوشۂ خاطر میں رکھ لیجئے شاید کام آجائے۔

سوال ممکن ہے کہ الخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔
کسی کے دل و دماغ میں یہ شبہ ڈالے کہ اگر ابن اسحٰق کی یہ روایت شاذ
ہوتی تو علامہ حافظ ابن حجر، علامہ بیہقی، دارقطنی، حاکم وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ
کرتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتے۔ جب انہوں نے نہیں کہا تو اوروں
کا کیا حق ہے کہ ایسا دعویٰ کرے؟

جواب ان حضرات کے ذکر نہ کرنے سے شذوذ کا حکم رفع نہیں ہو سکتا۔ آخر
قواعد حدیث سب کے سامنے ہیں۔ قواعد اسی لیے لکھے جاتے ہیں کہ
ان کو اپنے مظان میں استعمال کیا جائے۔ ہم نے یہ حکم حدیث مسلمہ قواعد کے مطابق کیا

ہے. کہ ابن اسحٰق مکحول کے سات شاگردوں اور دو متابع ثقات کے خلاف سند نقل کر رہا ہے اور شاذ اسی کو کہتے ہیں. گزشتہ تفصیل گزر چکی ہے جس شخص پر فاعل مفعول کی تعریف صادق آ جائے اسکو فاعل مفعول کہا جائے گا کسی سے نقل کی کیا ضرورت ہے؟

ان حضرات کی خاموشی شاذ کہنے سے اسی طرح سمجھیے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ابن اسحٰق کے مدلس کہنے سے خاموش رہے ہیں۔ یہ حضرات ابن اسحٰق کی روایت کو قرأۃ فاتحہ خلف الامام کا پائیدار ستون بنانا چاہتے ہیں. حسن کی بجائے صحیح کہہ رہے ہیں۔ اب اگر مذکورہ وجوہ کو ملحوظ رکھ کر اس کو شاذ کہتے تو اپنے گلے پر چھری چلانی بنتی ہے۔ وہ کیسے اس کو شاذ کہہ سکتے ہیں۔ وہ تو شاذ کہنے والوں سے ناراض ہوں گے کہ انکی بنی بنائی عمارت اس سے گرتی ہے اور مسمار ہوتی ہے۔

یہ حضرات تو جو قرأت فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی دلیل نہیں ہوتی اس کو بھی پیوند لگا لگا کر دلیل بنا لیتے ہیں اور یہ حضرات خاموش رہتے ہیں کوئی تنقید نہیں کرتا۔ دیکھیے مصنف خیر الکلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو قرأت فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنایا اور تصدیق کے لیے دارقطنی کا حوالہ دیا۔ عَنْ جابرؓ قال کنا نقرء فی الرکعتین الاولتین بفاتحۃ الکتاب وما تیسر "ہم نماز کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور اس کے ساتھ قرآن کا کچھ حصہ اور ملایا کرتے تھے۔" اس میں حالات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ یہ پڑھنا انفرادی نمازیں کرتے تھے یا امام بن کر یا امام کے پیچھے ہو کر۔

لیکن حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پیوند لگایا کہ حالات کا تذکرہ نہیں ہے بظاہر ہر حال میں پڑھنا مراد ہے۔ خواہ امام کے پیچھے ہو یا منفردانہ نماز میں ہو یا امام ہو کر۔ اس ابہام کو انھوں نے عموم احوال پر محمول کر فاتحہ خلف الامام پڑھنے پر استدلال کر لیا۔ اوّل تو عموم احوال کا عبارت میں کوئی لفظ نہیں ہے اگر ہو بھی تو عمومات میں تخصیصات ہوتی ہیں۔ ایسی شکوک چیز دلیل نہیں بن سکتی۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ معنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صریح روایت کے خلاف ہے جیسے حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ

نے روایت کیا ہے۔ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ بحالتِ اقتدار فاتحہ کا پڑھنا وہ ضروری نہیں کہتے۔ اسی جگہ ترمذی ص۴۲ میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہے: ھٰذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ ھٰذَا اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکعتین اولیین میں فاتحہ پڑھنا انفرادی حالت میں یا امام بن کر پڑھنے میں بند سمجھتے ہیں ان کے صحیح وصریح قول اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کو دیکھ کر مقتدی کو بھی اس میں سے لینا توجیہہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے۔ لیکن حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں بند کرکے مطلب سازی فرمادی ہے اور مصنف خیر الکلام کو یہ مالِ غنیمت ملا تو توشہ دان میں رکھ دیا بھوکے کو سڑی گلی روٹی ملے تو وہ بھی کھالیتا ہے۔ تحقیق نہیں کرتا۔

نافع بن محمود کا تذکرہ

گزشتہ نقشہ سے آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے چار راوی مکحول کا شیخ نافع بن محمود بتا رہے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ اس کو محدثین کرام نے مجہول من الطبقۃ الثالثۃ فرمایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت ابنِ حبان نے اس کی توثیق کردی ہے چونکہ مصنف خیر الکلام کو اس کی ضرورت تھی نقل کرکے خوش ہوگئے ہیں۔ سند میں بعض راوی مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ کہہ جاتے ہیں اور بعض مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ بیان کرتے ہیں۔ اس اضطراب کا جواب امام دارقطنیؒ نے یہ دیا یحتمل ان یکون سمعہ منھما۔ یعنی مکحول نے باپ بیٹے دونوں سے سنا ہو۔ لہٰذا دونوں صحیح ہیں۔

اب ان دونوں حیلہ سازیوں کا حل سنیئے اور یہ بھی سمجھئے کہ اضطراب اگر

احتمالوں سے رفع ہو جاتا تو ہر جگہ یہی جواب کافی ہوتا. پھر اضطراب کی کچھ وقعت ہی نہ ہوتی۔ احتمالوں سے فریضہ کی دلیل بنانا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ لوگوں کو الجھن میں ڈالنا اور شکوں کا سہارا لینا کونسا معقول امر ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق | ۱ کا جواب حضرت مولانا محمد حسن صاحب مصنف "الدلیل المبین" کی زبانی سنیے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہٗ۔

"الدلیل المبین" ص ۳۹۹ قال الدارقطني بعد اخراج هذا الحديث (حدیث نافع بن محمود) هذا اسناد حسن ورجاله ثقات كلهم قد ذكره ابن حبان في الثقات۔ یہ اسناد حسن ہے راوی سب ثقہ ہیں۔ ابنِ حبان نے نافع بن محمود کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ پھر ص ۴ پر فرمایا مسلك الدارقطني الاحتجاج بالمجاهيل من الرواة والمستورين نص عليه في سننه في كتاب الحدود۔ في بيان مقبول ابراهيم عن ابن مسعود۔ یعنی امام دارقطنی کا مسلک یہ ہے کہ وہ مجہول راویوں اور مستور الحال اشخاص کی روایت کو لیتے ہیں اور اس کو دلیل بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب کے کتاب الحدود میں اس کی تصریح کی ہے فقال ارتفاع اسم الجهالة له ان يروي منه اثنان فصاعدا فاذا كان هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة وصار حينئذ معروفا۔ فرمایا کہ جہالت اس سے اٹھ جاتی ہے کہ اس راوی سے دو شخص روایت کریں یا اس سے زائد۔ جبکہ ایسی صورت ہو تو اس کی حدیث معروف اور قابلِ قبول ہوگی۔ اس لحاظ سے نافع بن محمود کے نیچے دو راوی پائے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کی حدیث مقبول ہوگی۔ یہ حضرت امام دارقطنیؒ کا مسلک ہے۔ (ملاحظہ ہو الدارقطنی ص ۳۶۱ ج ۲)

لیکن جمہور محدثین اس کے خلاف ہیں۔ عدالت دیانت داری اور امانت داری کی صفت ہے۔ اس کے نیچے دو راویوں کے ہونے سے شخص معروف تو بن جاتا ہے اور جہالت شخصی رفع ہو جاتی ہے۔ لیکن جہالتِ وصفی یعنی عدالت کا ثبوت اس سے نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے کئی ماسٹر درجنوں کر درجن اس کے شاگرد ہوتے ہیں

اس سے شخص کی معروفیت تو ہو جائے گی لیکن دیانت اور امانت میں دو کوڑی کے برابر قیمت نہیں رکھتا۔ اس سے ثقہ ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نافع بن محمود کو ثقہ کہنا امام دارقطنیؒ کی من گھڑت اصطلاح ہے جس کے نیچے دو راوی آجانے سے اس کی عدالت کیسے ثابت ہو سکتی ہے اس لیے وہ مجہول الحال اور مستور ہی ہوا۔ اسی طرح اس حدیث کو حسن کہنا یہ بھی ان کا اجتہاد و نظریہ ہے یہ کسی پر حجت نہیں بنتا۔ اسی طرح حضرت امام بیہقیؒ کا اس حدیث کو حسن فرمانا یہ بھی اسی نظریہ سے ہوا ہے۔ صرف ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا سے عدالت ثابت نہیں ہوتی کہ جس سے حلال و حرام فرض و واجب کے احکام ثابت ہو سکیں۔ اس کے لیے مضبوط ستون اور عادل و ثقہ اور معروف العدالت ہونا ضروری ہوگا۔ نافع میں یہ کہاں ہے؟ اسی لیے حضرات محدثین کرامؒ اسے مجہول من الثالثۃ کہتے ہیں مصنف خیر الکلام کے قلعہ کی دیوار کھوکھلی نکلی۔

اور سنیے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق ہدایت کی دعا کیجئے:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کندی کو غیر معروف فرما کر اس کی روایت کو قبول نہ کیا۔ جزء ص۶۵ کو دیکھئے: فرمایا یحییٰ هذا غیر معروف۔ حاشیہ میں فرمایا: ای غیر معروف العدالۃ والا فسم الجہالۃ ارتفع عنہ بروایۃ ہولاء۔ روی عنہ الثوری، وابو عوانہ، وشریک۔ جب یحییٰ کندی تین کبار کے اس سے روایت کرنے سے معروف نہ بنا۔ امام بخاریؒ اس کو غیر معروف فرما گئے تو نافع بن محمود دو کے ان روایت کرنے سے کیسے ثقہ و معروف بن سکتے ہیں؟

یہی بات گزشتہ عرض کی تھی کہ دو چھوڑ کر چار بھی اس سے روایت کریں اس سے عدالت کی وصف ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ناکافی ہے۔ اور سنیے! اسی جگہ بخاری جزء ص۶۵ میں حاشیہ پر لکھا ہوا ہے یحییٰ کندی ذکرہ ابن حبان فی الثقات کعادتہ فیما لم یجرح۔

یعنی یحییٰ کندی کو ابنِ حبانؒ نے ثقہ کہا ہے۔ اُن کی عادت ہی یہی ہے کہ جس شخص پر جرح معین نہ ہو اُس کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ مجہول اور مستور پر جرح معین نہیں ہوتی اس لیے وہ سب کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

میزان ص۲۲۳ میں فرمایا: لَا تَفْرَحْ بِذِكْرِ ابن حبان له في الثقات فانّ قاعدته معروفة من الاحتجاج بمن لم يعرف۔ یعنی حضرت امام ابنِ حبانؒ کے اسکے ذکر سے خوشی نہ کرنا کہ اس نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے کیونکہ اس کا مسلک مجہول راویوں سے استدلال کرنا مشہور و معروف ہے۔ یحییٰ کندی کے بارہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو نافع بن محمود مجہول کے بارہ میں بھی لے لیجئے۔ اسی مصنف خیر الکلام اور انکے پیشوا علامہ دارقطنیؒ لاتفرحا بذکر ابنِ حبانؒ نافع بن محمود فی الثقات فان قاعدته معرفعة من الاحتجاج بمن لم یعرف۔ محدثین کا اس کو مجہول کہنا بے معنی نہیں ہے۔ ابنِ حبانؒ سے وہ زیادہ محتاط تھے۔ ایسے شخص کی حدیث کو فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنانا شرم کی بات ہے اور اس پر بنیاد رکھ کر ترکِ قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام والوں کی نماز کو کالعدم قرار دینا خالص ظلم ہے۔ اسی لیے الدلیل المبین ص۲۱۶ میں فرمایا فما قال البیھقی بعد اخراجه قال ابوعلی الحافظ (دارقطنی) مکحول سمع ھذا الحدیث من محمود بن الربیع ونافع بن محمود ففیه سخافه بینة۔ معناه تعصبه المشھور من تصحیح الضعیف لمذھبه وتضعیف الصحیح لنصرة الشافعیة۔

وغرضه من ھذا الکلام ان الحدیث علی کلا الوجھین۔ وقد تبین بطلانه۔ یعنی علامہ بیہقیؒ نے اس حدیث کے ذکر کے بعد جو یہ کہا کہ دارقطنیؒ نے کہا ہے کہ مکحول نے یہ حدیث محمود بن الربیع اور ان کے بیٹے نافع بن محمود دونوں سے سُنی ہے یہ کھلی ہوئی غلط بیانی ہے۔ اس کہنے کا اصل منبع ان کا مذہبی تعصب ہے کہ وہ مذہبی چارہ جوئی کے لیے ضعیف حدیث کو صحیح کہدیا کرتے ہیں اور اسی طرح مخالف کی صحیح حدیث کی تضعیف کرجاتے ہیں۔ یہ بات ان کی مشہور و معروف ہے۔ اور ان کی

غرض اس بیان سے یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں طریقوں سے صحیح ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ہو چکا ہے۔

بطلان کی وجہ پہلے مفصل گزر چکی ہے کہ حدیث پہلے طریق سے مرسل و منقطع ہے۔ یعنی مکحول عن عبادۃ۔ مکحول نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ اور دوسرے طریقوں سے مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع عن عبادۃ ہے اور نافع بن محمود مجہول ہے۔ ابن حبان نے توثیق کی لیکن وہ بے معنی بات ہے جیسا بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسرا طریق ترمذی کا۔ مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ ہے اس میں مکحول کا سماع محمود بن ربیع سے ثابت نہیں۔ ترمذی شریف کا حوالہ گزر چکا کہ مکحول کا سماع صرف تین صحابہ کرام سے ہے ان میں محمود بن ربیع نہیں ہے نہ حضرت عبادۃ ہے۔ ترمذی نے اپنی اس حدیث کو حسن فرمایا اور دار قطنی نے اس کو صحیح بھی کہا لیکن ایسی بے بنیاد اور شاذ روایت کو صحیح کہنا سوائے مذہبی تعصب کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

آج کل کے غیر مقلدوں کو ان کے مذہبی تعصب نے اندھا بنا دیا۔ ان کی باتیں حنفیہ کے مقابل نقل کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات تو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں سوائے تعصب کچھ سرمایہ نہیں رکھتے ورنہ ان حضرات کی باتوں کو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے آپ نے کہ انکی باتوں کو حجت بنانے کے ساتھ جب اپنی نفی پڑتے ہیں تو تقلید کرنے کو شرک نالاں ہو اور بھی کہتے ہیں۔ پس یہ حضرات شافعی کہتے ہیں یہ نہیں دیکھتے تقلید تو حرام ہے اور مرتکب حرام کا فاسق بھی ہوتا ہے تو یہ سب حضرات شافعیہ آپ کے قول کے موافق فاسق ٹھہرے۔ پھر ان کی باتوں پر آپ اعتماد کیسے کر سکتے ہیں؟

ہاں تقلید کو کفر اور حرام کہتے وقت ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ صرف حنفی ہی ہمارے لوگ جو ہمیشہ کے لئے حنفیوں سے بیزار ہوں گے۔ کیا یہ حضرات جن کے یہ لوگ ممنون منت ہو کر آپ لوگ قراءت فاتحہ خلف الامام کی علامت بناتے ہو اور ڈنکے بجاتے ہو شافعی مذہب نہیں تھے۔ کیا یہ غیر مقلد تھے؟ معاذ اللہ تعالیٰ تمہیں شرم نہیں آتی کہ انہی کو تم حرام کا مرتکب بھی کہتے ہو اور انہی کی طرف دامن پھیلاتے ہو۔ سنئے ہو دار قطنی نے یہ فرمایا بیہقی نے

کہتے ہیں. کیا یہ دونوں حضرات امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقلد نہ تھے۔ اسی طرح حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ آپ کی جماعت غیر مقلدین نے تو انگریزی دَور میں جنم لیا اور جماعت بن گئی ۔ یہ شکایت ویسے ضمنی آگئی ہے کہ غیر مقلدین دورنگی چال چل کر رنگیلے ہو گئے ہیں۔

بات ہو رہی تھی کہ نافع بن محمود مجہول مستور کی روایت کو لینا اور اس سے فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے پر استدلال کرنا سوائے تعصب کے اور کیا ہے ؟ حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ جس کو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھل ترید احفظ من سلیمٰن فرما چکے ہیں اور صحیح مسلم کا معروف راوی ہے اس کی حدیث کو بانوں سے ٹھکرانا یہ بھی تعصب نہیں تو اور کیا ہے ؟ کیا امام دارقطنی اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو آپ نے ایک جیسا بنا دیا ؟ صحیحین میں حدیث کا آنا اور غیر صحیحین میں آنا اس کی آپ کے ہاں تمیز ہی نہیں ؟ کیا قواعد حدیثیہ دوسروں کے لیے ہیں یا حدیث کے قواعد سے بھی آپ بے خبر ہیں ۔ اس میں بھی غیر مقلدی چلا رہے ہیں۔ کیا یہ مذموم تعصب نہیں ؟ اعطا کُلَّ ذِی حَقٍّ حَقَّہٗ اسلامی اصول واجب العمل اور معقول بات ہے ۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ

مصنف خیر الکلام کے تعصب کی ایک اور مثال بھی سنتے جائیں کہ دوسروں کو قواعد یاد دلاتے ہیں اور گھر پر آئے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ خیر الکلام ص۲۷۹ پر لکھتے ہیں :

حافظ ابنِ حجرؒ نے لکھا ہے : "اگر تابعی مدلس نہ ہو تو عن کی روایت سماع پر محمول ہو گی "۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مدلس ہو تو عن سے روایت مشکوک ہو گی مقبول نہ ہو گی ، جب تک سماع ثابت نہ ہو جائے اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ بے شک حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فرمودہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ جانتے ہیں کہ مکحول تابعی مدلس ہے ۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مکحول کے متعلق فرمایا ہے یُدلس کثیراً ویرسل کثیراً ۔ آپ نے گزشتہ پانچ روایتوں میں ان کا ارسال دیکھا پایا۔ لیکن ترمذی ، ابوداؤد ، نسائی میں اس کی روایت مکحول

عَنْ مَحْمُوْد ہی نقل کی گئی ہے۔ اب جب تک اس کا سمعت محمودًا یا حدثنی محمودٌ آپ نہیں ثابت کریں گے اس سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ آپ نے گوشتہ نا تمام بات کہ کر دھوکہ دیا کہ ابن اسحٰق نے دارقطنی کی روایت میں حدثنی مکحول کہا ہے اب تو سند سے شبہ رفع ہو گیا مگر گزر چکا ہے کہ اس کے اوپر مکحول عَنْ محمود میں اندھیرا باقی ہے لیکن اس میں آپ خاموش گزر گئے ہیں اس کی نہ تو آپ نے چارہ جوئی کی اور نہ امام دارقطنیؒ اور حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کی۔ سبھی یہی یہ سمجھے کہ خاموشی ہی میں سلامتی ہے۔ ورنہ لوگ سوال کریں گے کہ مکحول مُدلّس ہے اور عَنْ سے روایت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم!

محمد بن اسحٰق اور مکحول کے متابعات کا تذکرہ

فاتحہ خلف الامام کے علم بردار اور معتمد علیہ رکن یہی دونوں حضرات ہیں لیکن دونوں میں تدلیس بیماری پائی جاتی ہے کہ ضعیف الحال شیخ یا شیخ الشیخ کو سند سے گرا کر اوپر عَنْ کے ذریعہ سے کسی معتمد علیہ کے طرف نسبت کر جاتے ہیں جس سے روایت مشکوک بن جاتی ہے اس لیے ایسی روایت کے لیے متابع کی ضرورت رہتی ہے۔ جس سے یہ شبہ رفع ہو جائے۔ متابع روایت میں تحدیث یا سماع کا لفظ ذکر کر جاتا ہے تو شبہ دُور ہو جاتا ہے لیکن اگر متابع بھی عَنْ۔ عَنْ سے روایت کرے تو ایسی متابعت کارآمد نہیں ہوتی۔ اس سے شبہ دُور نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں مصنف خیر الکلام نے ص۲۱۵ پر حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا: تابع محمد بن اسحاق عَلیٰ هٰذہ الروایۃ عن مکحول غیرہ من ثقات الشامیین۔ (کتاب القرأۃ ص۴۱) یعنی محمد بن اسحاق کی اس روایت کے بیان میں مکحول سے شام کے ثقہ حضرات نے متابعت کی ہے۔ مصنف خیر الکلام نے ان کی تقلید میں فرمایا۔ محمد بن اسحاق کی متابعت سُنیے۔ $\frac{1}{215}$، $\frac{2}{217}$، $\frac{3}{219}$ یہ تین محمد بن اسحاق کی متابعات بتائیں۔ اس کے بعد مکحولؒ کی ص۲۲۴ میں پہلی متابعت اور ۲۲۵

پر دو شری متابعت بیان کی ہے۔ تو ٹم پر احسان کیا مضبوط پیوند لگائے۔

الجواب ومن اللہ التوفیق والہدایۃ

ہمارے خیال میں ان متابعات کی وہی حقیقت ہے جو فرمانِ الٰہی میں ہے:
کَسَرَابٍ بِقِیعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْآنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا
انشاء اللہ عنقریب آپ پر اس کی پوری حقیقت کھل جائے گی۔ محمد بن اسحاق کی پہلی متابعت ص۲۱۵ پر علاء بن الحارث کی نقل کی۔

محمد بن ابی السری حدثنا یحییٰ بن حبان۔ حدثنا یحییٰ بن حمزہ عن العلاء بن الحارث عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب امام او غیر امام۔ (کتاب القرأت منہ مختصراً)
پھر ص۲۱۶ پر لکھتے ہیں: بعض حنفیہ نے کہا کہ محمد بن ابی السری علامہ ذہبی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اسی طرح علاء بن الحارث کو بھی امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ مصنف خیر الکلام نے اس کا جواب یہ دیا کہ "جو جرح میں ذکر ہوئیں ان سے کوئی جرح مفسر نہیں" سبحان اللہ! حالانکہ خود انھوں نے اسی جگہ ص۲۱۶ لکھا کہ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ علاء بن الحارث کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا" کیوں جناب! اگر یہ بھی جرح مفسر نہیں تو وہ کس جانور کا نام ہے؟

۲۔ یہ بھی بیان کرنا ہوگا کہ یہ حدیث حافظہ کے تغیر سے قبل زمانہ کی ہے۔ ایسے مختلف راوی کی حدیث معتبر جب ہوتی ہے کہ اختلاط سے قبل زمانہ کی ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر منکر الحدیث ہونا یہ جرح مفسر نہیں ہے تو آپ نے خیر الکلام ص۲۱۳ پر یہ کیوں لکھا "دوسری عبارت (یعنی منکر الحدیث) سے قابل اعتبار جرح ثابت ہوتی ہے" ان دونوں متناقضین باتوں میں کون سی بات سچی ہے؟
مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ مصنف خیر الکلام نے حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ

تعالیٰ کی یہ عبارت نقل کی۔ خیر الکلام ص۲۰۰ لا بد وان نفرق بین ان یروی حدیثًا منکرًا و فی حدیثہ نکارۃ و بین قولہم منکر الحدیث ونحو ذلک بان عبارات الاولی لا تقدح الراوی جرحًا معتدًا بہ و الاخری یجرحہ جرحًا معتدًا بہ۔

یعنی محدثین کی ان عبارتوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اول قسم کی عبارتیں جرح معتد بہ نہیں ثابت کرتیں۔ لیکن منکر الحدیث کسی کو کہنا یہ جرح معتد بہ ثابت کرتا ہے۔

آپ کا یہ قول خیر الکلام ص۲۰۶ والا کہ "ان کو منکر الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اس سے جرح نہیں ثابت ہوتی جیسے ابھی گزرا" یا تو نافہمی ہے۔ ورنہ تعصب پر مبنی ہے۔ کیا یہ مذکورہ اصولِ حدیث کے قواعد کی آپ کو اور حضرت امام بیہقی کو پابندی کرنا ضروری نہیں ہے یہ دوسروں کے لیے لکھے گئے ہیں۔ یہ لوگوں کی آنکھوں میں غبار ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ اس علاء بن الحارث کی متابعت سے کیا فائدہ جب کہ اس کی روایت میں بھی مکحول عن محمود عن عبادۃ ہی ہے اور مکحول مدلس ہے عن سے روایت کر رہا ہے۔ فائدہ تو جب ہوتا کہ اس میں مکحول حدثنی محمود ہوتا یا سمعت ہوتا۔ جیسے ابن اسحٰق کی روایت میں مکحول کے اوپر اعتراض ہے اس میں بھی وہی بات ہے۔ یہ تو خفتہ را خفتہ کے کند بیدار والا قصہ ہے۔ جیسے آپ نے گزشتہ کہا کہ دارقطنی کی روایت ابن اسحٰق حدثنی مکحول کہتا ہے۔ ایسے یہاں بھی بتائیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ اور حضرت ذہبی رحمۃ اللہ کے مذکورہ فرمانوں کے مطابق آپ کی اس دلیل کے دو ستون کھوکھلے بیکار ہو گئے۔ ایسی عمارت کو پختہ عمارت سمجھنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ خاص کر جب ایک فریضہ کا ثابت کرنا اور دوسروں پر الزام لگانا مقصود ہو۔ مزید سنیے! اور مصنف خیر الکلام کی عقلمندی کی داد دیجئے۔ خیر الکلام ص۲۱۰ پر لکھتے ہیں:

"علامہ ذہبی نے محمد بن السری کو منکر الحدیث نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ اس کی

چند حدیثیں ہیں جو منکر خیال کی جاتی ہیں۔ (سبحان اللہ!) چند حدیثیں ان کی جب منکر خیال کی جاتی ہیں تو ممکن ہے کہ ان چند میں سے ایک یہ بھی ہو۔ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ چند اور ہی ہیں؟ کچھ بھی ہو یہ بڑا معتمد ثقہ عادل تو نہ ہُوا۔ ایسے راوی کی روایت جاہلوں کے سامنے پڑھنا اور اس کو ثقہ ضعف للامام کی حجت بتانا اور اس کی جہالت پر پردہ ڈالنا یہ کس کی دیانتداری ہے؟ اور صحیح مسلم شریف کی حدیث ھَلْ تَرِیْدُ خَفَضَ مِن شَیْئٍ کو چھوڑنا اور ایسے تغیر حافظہ والے واہی تباہی روایت کرنے والے کی روایت کو لینا کیا انصاف اس کی اجازت دیتا ہے؟

بقول امام بخاری تابعین حارث تو منکر الحدیث ہُوا۔ ایسا راوی ضعیف غیر ثقہ ہوتا ہے جس روایت میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرتا ہے اسی کو منکر کہتے ہیں۔ اگر ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو اسے شاذ کہتے ہیں۔ اس وقت یہ روایت تو ابن اسحٰق سے بھی گرے ہوئے درجہ کی ہو گئی کیونکہ اس پر تو منکر الحدیث کا حکم نہیں دیا گیا۔ اسی لیے اس کی حدیث کو حسن کہا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مدلسین کی روایت عَنْ کے صیغہ سے مشکوک ہوتی ہے۔ ہاں صحیح بخاری اور مسلم میں اگر آ جائے تو اس کو قبول کیا جائے گا کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم کی جلالت شان کو دیکھتے ہوئے جب وہ ایسی حدیث کو صحیحین میں لائے تو ان پر اعتماد ہو گا کہ اس حدیث میں تدلیس سے کام نہیں لیا گیا۔ عَنْ کو سماع پر محمول کر لیا جائے گا۔ امام نووی شرح میں فرماتے ہیں وما فی الصحیحین عن المدلسین بعن ونحوہ فمحمول علی السماع من جهة أُخرى۔ صحیحین کی قید اس لیے لگائی کہ غیر میں مدلس کی روایت عَنْ والی مشکوک ہی رہے گی۔ اس کو دیکھتے ہوئے حنفیہ نے کہا کہ مسلم شریف میں جریر عن سلیمان التیمی عن قتادة عن یونس بن جبیر کی سند سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں زیادۃ واذا قرأ فانصتوا مروی ہے۔ اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سلیمان تیمی اور قتادہ کے تدلیس کا سوال کیا کہ عَنْ سے روایت کر رہے ہیں۔

اس کا اوّل جواب تو یہی دیا گیا کہ صحیح مسلم میں اس کا آجانا ہی صحت کی ضمانت ہے جیسے بخاری میں بھی ایسے مدلسین کی روایات عنعنہ سے مروی ہیں وہ صحیح اور قابلِ حجت ہیں تو امام مسلمؒ کی آمدہ وہ حدیث بھی جیسے نوویؒ کے کلام سے ابھی معلوم ہوا حجت ہے کیونکہ صحیح مسلم میں ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ابوداؤد میں جریرؒ کا متابع معتمر بن سلیمان التیمی اسی طرح سند نقل کر رہا ہے جیسے جریرؒ نے کی ہے لیکن ان کی روایت میں دونوں جگہ تحدیث کا لفظ مروی ہے لہٰذا جریرؒ کی روایت میں جو تدلیس کا شبہ تھا رفع ہو گیا۔ مُدلّس کی متابعت سے شبہ رفع ہونے کا یہی معنی ہوتا ہے کہ مُدلّس نے اگرچہ عَنْ کے لفظ سے روایت کی ہے لیکن دوسرے طریقہ سے سماع ثابت ہے۔ یہی مُراد ہے امام نوویؒ کے اس فرمان کی جو ابھی مذکور ہوا۔ محمول علی السماع من جهة الاخرٰی۔

حدیث معتمر بن سلیمان کی یہ ہے۔ ابوداؤد باب التشهد ص۱۴۰: حدثنا عاصم بن النضر حدثنا معتمر بن سلیمان قال سمعت ابی سلیمان التیمی ثنا قتادہ عن ابی غلاب (یہ یونس بن جبیر کی کنیت ہے) یحدثہ عن حطان الرقاشی عن ابی موسیٰ الاشعری: ... الخ۔ بذل المجہود ص۱۲۱ ج۲ یعنی سلیمان تیمیؒ فرماتے ہیں مجھے حدیث سنائی قتادہ نے اور اس کو حدیث سنائی ابوغلاب یونس بن جبیر نے .... الخ۔ امام بخاریؒ نے فرمایا: لم یذکر سلیمان فی هذه الروایة سماعًا من قتادہ ولا قتادۃ من یونس بن جُبَیر۔

بے شک امام بخاریؒ کی روایت عَنْ ۔ عَنْ سے ہے اور راوی دونوں مُدلّس ہیں۔ سوال امام کا صحیح ہے جواب بھی معلوم ہو گیا کہ ابوداؤد کی روایت میں تحدیث موجود ہے۔

آمدم برسرِ مطلب | اسی طرح حنفیہ کرام نے فرمایا کہ ابن اسحاق اور مکحول دونوں مدلس ہیں اور عَنْ ۔ عَنْ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کا جواب دینا ہوگا۔

اس سوال کا اوّل جواب تو دیا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ روایت صحیحین کی نہیں ہے مدلس کی روایت عَنْ والی بخاری اور مسلم میں آئے جب معتبر ہوتی ہے۔ اور یہ روایت صحیحین کی نہیں ہے۔

دوسرا جواب یعنی تحدیث یا سماع کا ثبوت۔ اس کا جواب دارقطنی کے طریقے سے دیا گیا کہ اس نے ابنِ اسحٰق سے حدثنی مکحول کہا ہے لیکن دوسرے قرین کا (مکحول عن محمود) ادھار ابھی تک باقی ہے۔ مصنف خیر الکلام اور البیہقی کا علاء بن الحارث کی روایت کو متابع بنانا بے سُود ہے کہ وہ بھی مکحول عَنْ محمود کہہ رہا ہے جیسے ابنِ اسحٰق نے نقل کیا تھا۔ اس سے شبہ تدلیس کا دفع نہیں ہوتا۔ ایسی حدیث پیش کریں جیسے حنفیہ کرام نے پیش کی کہ دونوں جگہ تحدیث یا سماع مروی ہو۔ لوگوں کو اندھیرے میں کیوں ڈالا جاتا ہے ؟ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ایک کمرے میں روشنی ہونے سے دوسرا کمرہ روشن نہیں ہوتا۔ دوسرے کی روشنی کا الگ انتظام کرنا ہوگا۔ ان باتوں میں کچھ طول ہوگیا ہے لیکن شاید یہ باتیں مفید ہی ہو جائیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

یہ باتیں تمہیدی راویوں کے متعلق تھیں۔ آگے متن حدیث کا بیان آرہا ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ امام او غیر امام (رواہ البیہقی عن العلاء)

۱۔ یہ علاء بن الحارث بفرمان ابوداؤد ان کا حافظہ خراب ہوچکا تھا اور بفرمان امام بخاری منکر الحدیث ہے اور ضعیف ہے۔ عنقریب دونوں باتیں گزر چکی ہیں ایسے ضعیف راوی کی حدیث سے فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کرنا بھوکے کا باسی روٹی کھانا اور اس کو غنیمت سمجھنا ہی ہے۔ خاص کر جب امام اور غیر امام کی زیادۃ نقل کرنے میں مکحول جملہ ثقات راویوں کے خلاف ہے اور یہ روایت شاذ اور مردود ہے۔ گزشتہ نقشہ میں ابنِ اسحٰق کے علاوہ نو (۹) کا تذکرہ گزر چکا ہے کسی نے حضرت عبادۃؓ سے امام او غیر امام کا جملہ نقل نہیں کیا۔

یہی علاء بن الحارث اس کے ذکر میں متفرد ہے اور ثقہ بھی نہیں بلکہ منکر الحدیث ہے اور اگر بالفرض ثقہ مان بھی لیا جائے جیسے خیر الکلام نے ص۲۱۲ میں لکھا کہ ابن معین نے ثقہ کہا پھر ان کی یہ حدیث شاذ اور مردود ہوگی۔

مقدمہ سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ ملحقہ ترمذی شریف کو دیکھیں ص۱۲۲ الشاذ ما رواہ الثقہ مخالفا لما رواہ الناس اور ابھی آپ نے دیکھا کہ حضرت عبادۃؓ کی روایت نقل کرنے والے جملہ رواۃ ثقات کے خلاف علاء بن الحارث روایت میں امام او غیر امام لا رہا ہے۔ اس کے علاوہ امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ تعالیٰ سے انھوں نے نقل کیا ہے: مَا خَالَفَ مُنْفَرِدُہٗ اَحْفَظَ وَاَضْبَطَ فشاذ مردود۔ یعنی جو راوی منفرد ہو کر اپنے سے زیادہ حافظ اور زیادہ ضابط کی روایت کے خلاف نقل کرتا ہے تو اس کی روایت شاذ اور مردود ہے۔ اور یہاں یہی بات پائی گئی ہے۔ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کی مذکورہ زیادۃ کے متعلق فرمایا: والزیادۃ التی فیہ مشہورۃ من اوجہ کثیرۃ لیکن حضرت مصنف بذل المجہود رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ص۵۵ ج۲ الحدیث ضعیف وان کان اسنادہ علی ما زعمہ البیہقی صحیحا لان زیادۃ قولہ خلف الامام لا یتابع علیہا۔ یعنی یہ حدیث علاء بن الحارث والی ضعیف ہے اگرچہ حضرت امام بیہقیؒ اس کو صحیح واسنادہ صحیح بتا رہے ہیں۔ یہ زیادۃ خلف الامام والی کوئی اور راوی حضرت عبادۃؓ کی حدیث کے اس کو روایت نہیں کرتے۔ اس لیے یہ شاذ اور مردود ہی ہے۔ دیکھیے مسلم شریف ص۱۶۹ میں فصاعدًا کی زیادتی حضرت معمر ثقہ راوی صحیحین نقل کر رہا ہے وہ زیادۃ اس حارث کی زیادۃ سے یقیناً فائق درجہ کی ہے اور خلف الامام والی۔ امام او غیر امام والی نہ صحیحین میں ہے نہ اس کا راوی صحیحین کا راوی ہے بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو منکر الحدیث فرما چکے ہیں۔ لیکن حضرت بیہقیؒ اس کو صحیح فرما رہے ہیں۔ یہی وہ تعصب ہے جس کا تذکرہ الدلیل المبین کے حوالے سے گزر چکا کہ حضرات شافعیہ کبھی حکم حدیث میں تساہل کر جاتے ہیں۔

مزید سنیے کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے بعد امام وغیر امام کی زیادت یا خلف الامام کی اگر صحیح ہوتی تو حدیث جابر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وراء الامام کی استثنا کیوں لیا ہے؟ ترمذی میں اس کو حسن صحیح فرما چکے ہیں اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ راوی حدیث اس کے بعد ھٰذَا اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ کیوں فرماتے ہیں؟ ابوداؤد دیکھیں۔ مسلم شریف میں اس کے بعد فصاعدًا کی زیادۃ اور بقیہ کتابوں میں اس کے بعد وما تیسر وما زاد۔ فصاعدًا مختلف اسانید سے مروی ہے اگر امام اور غیر امام یا خلف الامام کی زیادۃ صحیح ہو تو خلف الامام ما زاد کو بھی اسی حکم میں لینا ہوگا۔ کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ما زاد۔ فصاعدًا کی زیادۃ والی روایت کو حسن الاسناد فرمایا ہے اور فصاعدًا تو صحیح مسلم میں ہے۔ معمر کے تفرد کا بہانہ غلط ہے۔ ثقہ راوی کی زیادۃ معتبر ہے اور یہ بعض روایات کے منافی بھی نہیں کیونکہ وہ اس حصہ سے ساکت ہیں اور اس کے علاوہ اس کی متابعت بھی ثابت ہے۔ علاوہ ازیں علاء بن الحارث میں تدلیس کی مرض بھی پائی جاتی ہے۔ ترمذی شریف ص۳۸ کو دیکھیں عن العلاء بن الحارث عن مکحول عن عنبسۃ بن ابی سفیان عن ام حبیبۃ آخر میں فرمایا قال محمد بن اسمٰعیل یعنی امام بخاریؒ لم یسمع مکحول عن عنبسۃ بن ابی سفیان۔ وروی مکحول عن رجل عن عنبسۃ غیر ھٰذا الحدیث۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ او مکحول عن عنبسۃ میں شاید کوئی راوی گرا کر عن عنبسۃ کہا گیا ہے۔ یہ کارروائی شاید مکحول مدلس نے کی ہے اور ممکن ہے کہ یہ علاء بن الحارث کی کرم فرمائی ہو۔ دونوں صورتوں میں حدیث مشکوک بن گئی۔ اسی لیے ترمذی فرماتے ہیں کانہ لم یر ھٰذا الحدیث صحیحًا۔ یعنی امام بخاریؒ نے مکحول کی اس روایت کو صحیح نہیں قرار دیا۔

اسی طرح ہم متنازع حدیث میں کہتے ہیں کہ اس سند میں علاء بن الحارث عن مکحول عن محمود بن الربیع ہے۔ اور مکحول کا سماع محمود بن الربیع سے نہیں۔ (ترمذی کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے۔) معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں

کوئی راوی حذف کر کے عن محمود کہا گیا ہے۔ یہ کاروائی یا مکحول نے خود کی ہے کہ وہ مدلس ہے یا یہ کرم فرمائی علاء بن الحارث نے کی ہے کیونکہ وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ کما قالہ الامام البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

الحاصل، علاء بن الحارث یہ زیادتی جو امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے امام او ر غیر امام اور اس کو صحیح کہا ہے یقیناً صحیح نہیں جیسے بذل المجہود کے حوالے سے گزرا اور کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ صحیح ہونے کی شرط ہے کہ شاذ نہ ہو۔ پہلے بیان گزر چکا اور یہ یقیناً شاذ ہے۔ علاء بن الحارث اس زیادۃ کے بیان تمام ثقہ راویوں کے خلاف نقل کر رہا ہے۔ دس طرق روایت کے ابن اسحٰق کی روایت کے نقشے میں گزرے اور کئی طریقے صحیحین میں مروی ہیں ـــ عن عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ تقریباً درجن سے زائد ثقات کے خلاف شاذ نہیں تو اور کیا ہے؟ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یا شافعیہ حضرات نے تو شاذ کا حکم نہیں کرنا۔ کیونکہ اس سے ان کی دلیل کی جڑ کٹتی ہے۔ یہ ہم نے قواعد حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو بتایا۔ خُذ ما صَفَا وَدَعْ ما کَدَرَ۔

علاء بن الحارث نے وہ کام کیا جو مسح عَلَی الجوربین کی روایت میں راوی ابو قیس نے کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تمام محدثین مَسَحَ عَلَی الخفین نقل کرتے ہیں اور اس نے علی الجوربین نقل کر دیا ہے۔ گزر چکا کہ کبار محدثین اس کو شاذ کہتے ہیں۔ اگرچہ ترمذی نے ان کی روایت کی تحسین اور تصحیح بھی کر دی ہے۔

آپ کے اطمینان کے لیے ایک بات اور عرض کرتا ہوں۔ حدیث بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صلوٰۃٌ کے آخر میں حبان بن عبداللہ نے الا المغرب کی استثناء نقل کر دی۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اما روایۃ حبان فشاذۃ لانہ وان کان صدوقا عند البزار وغیرہ لکنہ خالف الحفاظ من اصحاب عبد اللہ بن بریدۃ فی

اسناد هذا الحدیث ومتنه ۔ (فتح الباری ص۲۰۴ ج۲) ۔ یعنی حبان کی روایت جس میں اِلّا المغرب کی زیادت انھوں نے کی، شاذ ہے ۔ اگرچہ وہ حضرت امام بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک صدوق ہے۔ لیکن اس زیادۃ میں اُس نے عبداللہ بن بریدہ کے اور شاگردوں کی مخالفت کی ہے۔ انھوں نے یہ زیادۃ نقل نہیں کی۔ یہ اس میں متفرد ہے۔ یہی بات میں نے علاء بن الحارث کی زیادۃ میں کہی کہ مکحول کے تمام شاگردوں کے مخالف نقل کر رہا ہے ۔ اماماً او غیر امامٍ اور خلف الامام کی زیادۃ اس کے سوا کسی نے ذکر نہیں کی، اس لیے یہ شاذ ٹھہرے گی۔ اسی طرح گزشتہ کہا تھا کہ ابن اسحٰق نے مکحول کے تمام شاگردوں کی محمود بن الربیع کے ذکر کرنے میں مخالفت کی ہے۔ لہٰذا یہ بھی شاذ ہے ۔ کیونکہ وہ یا تو نافع بن محمود کا واسطہ بیان کرتے ہیں اور یا مرسل و منقطع عن مکحول عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ صرف ابن اسحاق مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ اس لیے محمود کی زیادۃ شاذ ٹھہرے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

اس کے بعد یہ بھی دیکھیں کہ متابعت موافقت کو کہتے ہیں اور حضرت امام بیہقی نے نے علاء بن الحارث کی روایت کو ابن اسحٰق کی روایت کا متابع بنایا ہے اور غور کیجیے کہ اس میں تو موافقت کی بجائے مخالفت ہے ۔ ابن اسحٰق کی روایت میں فجر کی نماز کا تذکرہ ہے کہ آپؐ کے پیچھے کسی نے قرأت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرانی ہوئی۔ اس پر انکاری انداز میں اَرَاکُمْ تقرءون خلف امامکم فرمایا۔ آخر میں فرمایا: لا تفعلوا الّا بفاتحۃ الکتاب .... الخ اور علاء بن الحارث کی روایت اس قصہ کا ایک فرد نہیں۔ صرف عام عنوان کا بیان ہے۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اماماً او غیر امامٍ ۔ اس کو متابعت کہنا ہی غلط ہے ۔ یہ ایک جداگانہ روایت ہے اور تمام روایات جو حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس باب میں نقل کی گئی ہیں یہ سب کے مخالف ہے اس لیے یہ شاذ ٹھہری۔ ابھی حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے گزرا لکنہ خالف الحفاظ فی اسناد

الحدیث و متنہ ۔ کیا یہ متن حدیث کی مخالفت نہیں ہے ۔ کچھ تو انصاف چاہیئے ۔

مؤلف خیر الکلام ص۲۱۷ میں لکھتے ہیں :

محمد بن اسحٰق کی دوسری متابعت

مگر انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے ۔ پیتل پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے اور قوم کو دھوکہ دیا گیا ہے ۔ ایسے ہی موقع کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے : کَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَآءً حَتّٰى إِذَا جَآءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ۔ جیسے پیاسے کو دور سے سراب پانی کا چہ کارا سا نظر آتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں ہوتا " ۔ اسی کو خیالی پلاؤ کہا کرتے ہیں ۔ کسی شاعر نے ایسے ہی موقع میں یہ شعر کہا ہے :

ے وَسَوْفَ تَرٰى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ ۔۔۔ أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

" یعنی اے میرے مقابل بھائی تم گمان کرتے ہو کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور ضرور کامیابی ہوگی مگر یہ خواب و خیال ہے ۔ ابھی عنقریب جب میدان کا غبار ختم ہو جائے گا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا "

آپ بھی اس دوسری متابعت کو صحیح قرار دے کر یہی منظر دیکھیں گے ۔

آپ جانتے ہیں کہ متابعت موافقت کو کہتے ہیں مقتدی کہا کرتا ہے میں نماز پڑھتا ہوں متابعت میں اس امام کے ۔ اسی لیے بخاری ص۳ کے حاشیہ میں لکھا : اذا کان احد الراویین رفیقا للاٰخر من اول الاسناد الی اٰخرہ تسمی بالمتابعۃ التامۃ واذا کان رفیقا لا من الاول تسمی بالمتابعۃ الناقصۃ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کا اختلاف ہو جائے تو متابعت نہیں ہوگی ۔ بلکہ مخالفت کہی جائے گی ۔

خیر الکلام ص۲۱۷ میں اسکی سند یہ لکھی: ولید[۱] بن مسلم نے سعید[۲] بن عبد العزیز سے۔
اس نے مکحول[۳] سے، اس نے ابو نعیم[۴] سے، اس نے حضرت عبادۃ[۵] بن صامت
سے، اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ هَلْ تَقْرَءُوْنَ
فِي الصَّلٰوةِ مَعِيَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ
پھر ص۲۱۸ میں فرمایا (یہ روایت دار قطنی ص۱۲۱ ج۱۔ مستدرک حاکم ص۲۳۹ ج۱ اور سنن الکبریٰ
ص۱۶۵ ج۲ میں ہے۔ سب راوی ثقہ ہیں۔ صرف اس میں ابو نعیم کا وہم ہے۔ کیونکہ
ابو نعیم مؤذن تھے۔ دیکھو دار قطنی ص۱۲۱ ج۱ اور سنن الکبریٰ ص۱۶۵ ج۲)

اس کے بعد ولید بن مسلم راوی حدیث کے لیے توصیفی اقوال نقل کیے خیر الکلام
ص۲۱۸ اور یہ بھی لکھا کہ ابو مسہر کہتے ہیں کہ یہ مدلس ہے۔ اور تدلیس عیب کے رفع
کے لیے چارہ جوئی یہ کی کہ اس جگہ ولید سعید سے حدثنی کہہ کر روایت کرتا ہے
ص۲۱۹ پس یہ متابعت بھی ضعیف ہوئی۔

مصنف خیر الکلام کی باتیں آپ نے دیکھیں۔ غور سے پڑھیے اور جی چاہے
تو انکی اصل کتاب کو دیکھ لیجئے۔

اس کے بعد ہماری معروضات سنیے کہ منقولہ باتوں میں کتنی صداقت ہے۔
اِعْدِلُوْا۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا کو زیر نظر رکھ کر فیصلہ کیجئے۔

۱ ـــــ محمد بن اسحٰق کی دوسری متابعت کی سند میں مکحول عن ابی نعیم ہے اور اول
متابعت میں مکحول عن محمود بن الربیع ہے اور انکی اصل روایت خیر الکلام ص۲۰۹ ۲۰۰ پہ
لائے ہیں لیکن اسکی سند ذکر نہیں کی۔ متابعت اولیٰ اور دوم میں یقیناً اختلاف ہے
اگر اول متابعت صحیح ہے تو دوسری کو جو اسکے خلاف ہے کیسے متابعت کہہ سکتے
ہیں۔ اس میں مکحول عن ابی نعیم ہے پہلے بتایا گیا ہے کہ متابعت موافقت
کو کہتے ہیں نہ کہ مخالفت کو۔

۲ ـــــ مصنف خیر الکلام نے کہا کہ ابو نعیم کا ذکر وہم ہے لیکن یہ دعویٰ صرف
مطلب سازی کے لیے کیا گیا ہے تا کہ مخالفت رفع ہو جائے۔ لیکن یہ سود مند نہیں

بنا۔ کیونکہ اس وقت سند مکحول عن عبادۃ بن الصامت بن باقی ہے۔ اور یہ مرسل منقطع ہے اور ابن اسحاق کی سند مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت ہے۔ یہ متصل سند ہے یہ متابعت کیسے ہوگی؟ رات دن کا فرق ہے۔

امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ سے خیر الکلام ص۲۱۸ میں نقل کرنا کہ ابونعیم کا ذکر وہم ہے، بلا دلیل ہے۔ یہ کہنا کہ وہ تو مؤذن تھا اس کے منافی نہیں کہ وہ اس حدیث کے واقعہ کی روایت کرے۔ بہرحال ابونعیم ہو جب بھی متابعت نہیں اور نہ ہو تب بھی متابعت نہیں بنتی۔ متابعت کہنا لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ پیتل پر سونا ہونے کا نشان لگانا اسی کو کہتے ہیں۔ بڑے لوگوں کی شکایت کی گئی ہے جس سے ہمارے کرم فرما برہم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بے جا نہیں۔ دعویٰ فاتحہ خلف الامام کا فرض ہونا اور دلیل عنکبوت کے جالے سے بھی کمزور شکوہ اسی کا کیا گیا ہے۔ عنکبوت کا جالا کچھ نہ کچھ حقیقت رکھتا ہے، یہاں تو کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ صریح مخالفت کو متابعت کہہ رہے ہیں۔ کیا انصاف اسی کو کہتے ہیں؟ آپ کے مزید اطمینان کے لیے ایک اور بات عرض کرتا ہوں۔ بڑوں کے مقابل ان سے بڑے کی بات سُنیے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ص۹۴ ج۱ میں روایت لاتے ہیں:

یونس عن ابن شہاب عن حمزۃ بن عبد اللہ انہ اخبرہ عن ابیہ قال لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... الخ۔ اسکے آخر میں فرمایا: تابعہ الزبیدی وابن اخی الزہری واسحٰق بن یحییٰ الکلبی عن الزہری یعنی ان تینوں حضرات نے یونس کی متابعت کی ہے سند اسی طرح لائے جیسے یونس نے ذکر کی۔ پھر فرمایا وقال عقیل ومعمر عن الزہری عن حمزۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ دونوں عن حمزۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں۔ یہ عن ابیہ کا لفظ نہیں لائے۔ جیسے پہلے تینوں نے روایت میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے ان دونوں کی یہ روایت متابعت نہ بنی۔ اس لیے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے ان کو علیحدہ قال عقیل ومعمر سے

ذکر کر دیا۔ حاشیہ میں ہے: اشار بهذا الی ان عقیلاً ومعمراً خالفا یونس فارسلا الحدیث۔ عمدۃ القاری یعنی ان دونوں کی روایت مرسل ہے اور یونس کی متصل السند ہے اس لیے یہ متابعت نہیں بنتی مخالفت۔ بعینہٖ اسی طرح ابن اسحٰق کی روایت عن مکحول عن محمود عن عبادۃ کے طریقہ سے متصل السند مروی ہے اور اس روایت میں جسے حضرت امام بیہقیؒ اور حضرت امام دارقطنیؒ نے نقل کیا اور کہا کہ ابو نعیم کا وہم ہے تو یہ سند مکحول عن عبادۃ بن جاتی ہے یہ مرسل منقطع ہے، یہ متابعت نہیں ہے۔ (روایۃ عطف) یہی بات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ بھی فرما رہے ہیں۔

السر فی ترک عطف روایۃ عقیل ومعمر علیٰ روایۃ یونس ومن تابعہ انّھما ارسلا الحدیث واُولٰئک وصلوہٗ۔ ای انّھما خالفا یونس۔

تنبیہ مصنف خیر الکلام نے محمد بن اسحٰق کی روایت کا صرف ترجمہ ص۲۰۱ پر نقل کر دیا۔ اس کی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ متابعات ۱-۲-۳ میں اسنادیں ذکر کر گئے ہیں۔ شاید واللہ اعلم یہ کام اس لیے کیا کہ ابن اسحٰق کی سند مکحول عن محمود کے ذکر کرنے میں متابعات مذکورہ میں رکاوٹ کا خطرہ محسوس کیا ہوگا کہ اس میں مکحول کے اوپر ابو نعیم ہے۔ دوسری میں نافع بن محمود ہے اور اگر ان کو کاٹا جائے تو مکحول عن عبادۃ بنتا ہے۔ اس لیے سند ذکر کرنے کے ان خطرات سے بچاؤ کے لیے خاموشی کو پسند کیا۔ کیونکہ من صمت نجا۔ اگر آپ کی جماعت آپ کی اس بارہ میں تقلید کرتی ہے تو انکی مرضی لیکن اس کو آنکھیں بند کر کے چلنا کہا جاتا ہے ہم تو یہی کہیں گے کہ مکحول کے اوپر اندھیرا ہے بلکہ ولید کی روایت میں تو مکحول کے نیچے بھی اندھیرا ہے۔ سعید بن عبد العزیز عن مکحول سے خیر الکلام میں ترجمہ کیا ہے۔ (سعید بن عبد العزیز مکحول سے) اور نیچے راوی ولید بن مسلم ہے جو مدلس ہے۔ خیر الکلام ص۲۱۸ میں نقل کیا کہ ابو مسہر کہتے ہیں

کی روایت عَنْ والی مشکوک ہوتی ہے۔ ابنِ اسحاق بھی مدلس ہے لیکن اس نے دارقطنی کی روایت میں حدثنی مکحول کہہ دیا تھا۔ البتہ اوپر عن محمود سے روایت کرتا ہے اور ولید بن مسلم تو حدثنی سعید بن عبد العزیز عن مکحول کہہ رہا ہے۔ اس میں سعید اور مکحول کے درمیان بھی سقوط کا احتمال ہے کیونکہ مدلس راوی کبھی اپنے شیخ سے اوپر ضعیف راوی کو گرا کر عَنْ سے روایت کر دیتا ہے بلکہ مکحول کے اوپر بھی عن ابی نعیم ہے۔ اس لیے مکحول سے نیچے بھی ولید کی اس روایت میں شبہ ہے۔ اور مکحول کے اوپر بھی۔

گزشتہ گزر چکا ہے کہ ابنِ اسحٰق کی روایت میں تو مکحول کے اوپر اندھیرا ہے۔ لیکن ولید کی اس مذکورہ روایت میں مکحول کے نیچے اوپر دونوں جگہ اندھیرا ہے یہ نہ متابعت ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مصنف خیر الکلام کا ص ۲۱۹ میں یہ کہنا (پس یہ متابعت ٹھیک ہو گئی۔) کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی لیے گزشتہ بار بار کہا گیا کہ خیر الکلام کی دکان کا اکثر سامان کھوٹا ہے۔ آپ نے دیکھا اس متابعت ثانیہ میں کتنی فریب کاری کی گئی ہے۔ راوی ابو نعیم ہے مکحول عن ابی نعیم سے یہ روایت مروی ہے اور ابنِ اسحاق کی روایت میں یہ نہیں۔ اگر اس کو وہم بتا کر کاٹا جائے تو مکحول عن عبادۃ سند بن جاتی ہے جو مرسل ہے۔ بلکہ اگر اس کو وہم بتا کر کاٹا جائے تو بھی مکحول عن محمود نہیں بنتا۔ اور ابنِ اسحٰق کی روایت میں مکحول عن محمود ہے۔ یہ متابعت کیسے بن گئی؟

ولید بن مسلم راوی مدلس ہے اور شیخ سعید بن عبد العزیز کے اوپر عَنْ عَنْ سے روایت کرتا ہے عن مکحول عن ابی نعیم۔ اس میں تدلیسی شبہ کا حل نہیں کیا گیا۔ صرف یہ لکھ دیا: کہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ولید ثقہ ہے۔ پس متابعت ٹھیک ہو گئی۔ خیر الکلام ص ۲۱۹ یہ کچھ قیمت نہیں رکھتا۔ مدلس ثقہ ہو کر بھی تدلیسی کارروائی کر جاتا ہے۔ اس کا جواب دیکھیے۔ تحدیث اور سماع کا ثبوت ان

دونوں جگہ مطلوب ہے۔ ولا یمکن ذلک انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔ تن ہمہ داغ داغ شدہ پنبہ کجا کجا نہم والی بات ہے گزشتہ حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل ہو چکا ہے کہ متابعت میں سند حدیث اور متن حدیث دونوں کا توافق ضروری ہے۔ اس جگہ جیسے سند میں دونوں کا اختلاف ہے اسی طرح متن حدیث میں بھی اختلاف ہے۔ توافق نہیں۔ حضرت ابن اسحٰق رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت میں فجر کی نماز کا تذکرہ ہے کہ نماز کے بعد حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ شاید تم لوگ امام کے پیچھے پڑھا کرتے ہو؟ جواباً کہا گیا "ہاں" آپ نے فرمایا لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بفاتحۃ الکتاب .... الخ

اور ولید بن مسلم کی روایت میں نہ فجر کا تذکرہ ہے نہ جہری نمازوں کا یہ صرف تَقْتَرِءُوْنَ مَعِیَ ہے کہ آپ نے یہ کسی سری نماز کے بارے میں فرمایا ہو۔ اس طرح جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ ابن اسحٰق کی مذکورہ روایت کا ثمرہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کا ثبوت ملتا ہے۔ فتح الباری ص $\frac{۲۸۵}{۲}$ یہ بات ولید کی روایت کا ثمرہ ہرگز نہیں بنتی۔ جب یہ ہے تو توافق کیسے ہوا؟ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

الغرض اس کو متابعت کہنا یقیناً بے اصولی بات ہے۔ دھوکہ میں لوگوں کو ڈالنا ہے اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

خیر الکلام ص۲۱۹ میں ہے

محمد بن اسحٰق کی تیسری متابعت

اور ص۲۲ میں لکھتے ہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی مکحول سے زید بن واقد نے متابعت کی ہے۔ (سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ) لوگوں کو کیسے مغالطہ میں ڈالا گیا ہے۔ زید بن واقد کی سند بیان کردہ نہ مکحول کو

لوگ دیکھ لیں کہ واقعی موافقت کی ہے یہ صحیح متابعت ہے یا مخالفت کی ہے۔ مکحول کے اوپر محمد بن اسحٰق نے عن محمود بن الربیع کہا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی جزء القرأت) عن عبادۃؓ بن الصامت اور زید بن واقد نے مکحول کے اوپر نافع بن محمود عن عبادۃؓ کہا ہے۔ (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، نسائی ص۱۰۶ جزء القرأت) نقشہ کو پھر دیکھ لیں۔ کیا زید بن واقد نے محمد بن اسحٰق کی موافقت کی ہے یا مخالفت؟

مکحول سے اوپر دونوں میں اختلاف ہے یا نہیں؟ کیا لاکن بدلی جائے تو جب بھی موافقت ہوتی ہے؟ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ محمد بن اسحٰق کا مکحول عن محمود عن عبادۃؓ کہنا ہی غلط ہے۔ مکحول کے پانچ شاگرد محمد بن اسحٰق سے اعلیٰ شان والے مکحول عن عبادۃؓ مرسل طور سے روایت کرتے ہیں اور دو شاگرد مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ نقل کرتے ہیں۔ بلکہ مکحول کے اور دو ساتھی بھی یہی نافع بن محمود عن عبادۃ ہی روایت کرتے ہیں۔ نقشہ کو دیکھ لیں۔ ابن اسحٰق محمود بن الربیع کے ذکر میں متفرد ہے۔ یہ طریقہ ابن اسحٰق ثقہ مان کر بھی شاذ ہے۔ ابن اسحٰق کا ثقہ ہونا شذوذ کے مخالف نہیں۔ شذوذ تفرد کی وجہ سے ہے۔ گزشتہ بیان گزر چکا ہے۔

گزشتہ روایت میں مکحول عن ابی نعیم عن عبادۃؓ تھا اور اس میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ ہے۔ دونوں محمد بن اسحٰق کی سند کے خلاف ہیں پھر متابعت کیسی بن گئی۔ مؤلف خیر الکلام کا بیان مغالطہ ہی ہے، اگر ناواقف کہیں گے کہ ابن اسحٰق کے تین متابع ہیں جو خیر الکلام میں جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ مکحول بھی مدلس ہے گزشتہ بیان ہو چکا ہے اور روایت میں عن، عن سے روایت کر رہا ہے۔ مدلس کا عنعنہ مشکوک ہی ہوتا ہے اس لیے اگر متابعات میں تحدیث یا سماع کا تذکرہ آجاتا جب بھی کافی ہو جاتا لیکن تینوں کے تینوں متابعات اس سے خالی ہیں۔ پھر اس متابعت کا کیا فائدہ؟

اس کے بعد خیر الکلام ص۲۱۹ کی طرف نظر ڈالیں۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ کیسے غلط بیانی کی گئی ہے۔ چنانچہ مؤلف لکھتے ہیں۔ نافع کہتے ہیں کہ عبادۃؓ بن الصامت (جو اصل امام تھے) ایک دن صبح کی نماز میں پیچھے رہ گئے، ابونعیم جو مؤذن تھے امامت کرانے لگے۔ نافع بن محمود کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عبادۃؓ فاتحہ پڑھنے لگے۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے حضرت عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں نے آپ کو فاتحہ پڑھتے سنا۔ حالانکہ ابونعیم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ آپ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بعض جہری نمازوں میں امامت کرائی آپ پر قرأت دشوار ہوئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا..... الخ۔ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔

اوّلاً تو اس لیے کہ ابونعیمؒ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عبادۃؓ فاتحہ پڑھنے لگے، جب انھوں نے خود فاتحہ خوانی کی تو حضرت عبادۃؓ کو پڑھنے پر ٹوکنا کیسے صحیح ہوگا؟ کہ میں نے آپ کو فاتحہ پڑھتے سنا اور اگر ان کا ان کو ٹوکنا فاتحہ پر صحیح ہے تو انھوں نے خود کیوں پڑھی؟ جس چیز سے دوسرے کو روکتے ہیں وہ خود کر چکے ہیں۔

وثانیاً اس لیے کہ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے ہیں۔

هل تقرءون اذا جهرت بالقراءة۔ فقلنا انا نصنع ذلك۔ قال فلا تقرءوا بشيء من القرآن اذا جهرت الا بفاتحة الكتاب۔

یہ استفہام انکاری ہے کیونکہ درمیان میں ہے اِنّی اقول مالی انازع القرآن کا لفظ ہے۔ میں کہتا تھا کہ قرآن مجھ پر کیوں دشوار ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار نفس قرأت پر ہے، یہی سبب دشواری بنا۔ تو اس کے بعد لا تقرءوا بشیء من القرآن تو ٹھیک بن جاتا ہے لیکن الا بفاتحہ الکتاب کی استثنار غلط ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ انھوں نے صرف فاتحہ ہی پڑھی ہو ہاں اگر یہ فرماتے کہ کیا تم مازاد علی الفاتحہ بھی پڑھا کرتے ہو اور وہ جواب دیتے کہ ہاں! تو اس وقت آپؐ کا یہ فرمانا بجا ہوتا کہ صرف فاتحہ ہی پڑھا کرو، مازاد کے پڑھنے سے تو دشواری پیدا ہوئی ہے اور ہوتی ہے۔

یہی بات گزشتہ ھَلْ تَقْرَءُوْنَ مَعِیَ کی حدیث میں جاری کر لیجئے، جو عنقریب گزری ہے۔

مصنف خیر الکلام نے ابن اسحٰق کی متابعات ثلاثہ کے بعد مکحول کے متابعات کا ذکر کیا۔ خیر الکلام ص۲۲۴۔ لیکن اس سے قبل ص۲۲۳/۲۲۲ میں مکحول کی تدلیس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی، کیونکہ حضرات محدثین ان کو مدلسین میں شمار کرتے ہیں۔ جیسے ہم نے گزشتہ بارہا اس کا تذکرہ کیا ہے کہ مکحول کے اوپر اندھیرا ہے۔ وہ عن محمود سے روایت کرتا ہے اس میں شبہ ہے کہ شاید درمیان میں کسی ضعیف الحال راوی کو گرا کر اوپر نسبت کی ہو۔ تحدیث اور سماع کی روایت آئے جب شبہ رفع ہوگا۔

اور یہ بھی لکھا تھا کہ مکحول کا سماع محمود عن الربیع سے ثابت نہیں ترمذی ص۲۵۹ میں ہے کہ انھوں نے صرف تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے: انس رض بن مالک، واثلہ رض بن الاسقع، ابو ہند الرازی رض۔ لیکن مقدمہ فتح الملہم میں ہے ص۱۲/۳۷ الاصح ان مکحولاً انما سمع انساً وابا ھریرۃ و واثلۃ وام الدرداء۔ بہرحال محمود بن الربیع سے سماع کی پختہ شہادت نہیں ہے۔ درمیان میں راوی ہوگا، لیکن مذکور نہیں ہے اور مکحول مدلس ہے۔ مدلس راوی درمیان کے ضعیف راوی کو گرا کر اوپر ثقہ کی طرف عن سے نسبت کر دیتا ہے۔ اس لیے یہ روایت ابن اسحٰق والی معتمد علیہ نہیں بنتی مشکوک ہے۔ پھر اس سے فریضہ قرأت خلف الامام کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث نے اس شگاف کے بند کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔

انھوں نے ص۲۲۳ میں فرمایا صحت حدیث کے لیے استاذ اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہوتا ہے۔ (سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم)

امکان ملاقات سے شبہ تدلیس کا کیسے رفع ہو سکتا ہے۔ تدلیس تو اسی کو کہتے ہیں کہ جس شیخ سے ملاقات بلکہ سماع بھی ثابت ہو لیکن کوئی حدیث اس سے کسی اور واسطہ سے سنی ہو اور یہ واسطہ کمزور حال والا اور ضعیف ہو تو اس راوی کو گرا

کر اوپر کے شیخ کی طرف عنؒ سے نسبت کردے۔ جس سے گمان ہوتا ہو کہ یہ حدیث انھوں نے ان سے بلا واسطہ سنی ہے حالانکہ اس سے نہ سنی ہو، تو آپ کے امکانِ لقار سے یہ شبہ کیسے زائل ہوگا ؟ امکانِ لقار تو شبہ تدلیس کو مکمل کر دیتا ہے کیونکہ تدلیس وہی ہوتی ہے کہ ملاقات ہو لیکن خود حدیث ان سے نہیں سُنی واسطہ سے سنی ہو۔ اگر امکانِ لقار نہ ہو تو اسے ارسال کہا جاتا ہے اور کہتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے جیسے مکحول عن عبادۃ کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ پانچ راویوں نے اس طرح روایت کو نقل کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی اسکو ارسال کہہ رہے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ مزیدار بات اور سُنیے : جو فاضل اہلِ حدیث نے اس موقع پر کہی اور قوم پر بڑا احسان کیا کہ ان حنفیوں کے بالمقابل ان کے الزام کا جواب بتا گئے۔ قوم نے شاید شکریہ بھی ادا کیا ہو۔ خیر الکلام ص۲۲۲ میں فرماتے ہیں :

مکحول کی تدلیس کی حقیقت علامہ ذہبیؒ نے مکحول کے ارسال کو بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مقید کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ صغار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارسال نہیں کرتا۔

انھوں نے ان میں تدلیس کے عیب کو ارسال کرنے پر محمول کر دیا ہے ان کی عبارت آپ کے سامنے ہے۔ تدلیس کی حقیقت ارسال کرنا بتا کر بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارسال کرنا کہا۔ حالانکہ تدلیس کی حقیقت اور ہے اور ارسال کی اور ہے ارسال بڑے صحابہؓ سے کرنا تو ہم نے اسکی مثال بتا دی ہے کیا اس کو آپ تدلیس بڑے صحابہؓ سے کہیں گے ؟ جاہل ایسی بات کہہ دے تو ممکن ہے، مگر واقف فنِ حدیث تو اس کو غلط ہی کہے گا۔

لیکن مصنف خیر الکلام نے ایک حیلہ سازی کر دی کہ تدلیس کا اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں۔ (ص۲۲۲ مکحول اصطلاحی معنیٰ میں مدلس نہیں)

اور یہ کہنا بھی خالص غلط ہے ارسال کرنا اسکی الگ صفت ہے اور تدلیس سے اتصاف اسکی الگ شان ہے۔ دیکھیے تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۱/۱ میں ہے : یرسل

کثیرًا ویدلس ... الخ اور حافظ ذہبیؒ ہی فرماتے ہیں قال احمد ھو کثیر التدلیس جلد ۱ ۔ (میزان ص ۴۲ ج ۳)

اگر تدلیس کا معنی ارسال کرنا ہی ہے جیسے آپ نے کہا ہے تو ہر ایک کو واو عطف کے ساتھ الگ الگ کثیرًا کثیرًا کیوں کہتے ہیں ۔ اسی طرح بذل المجہود ص ۵۱ ج ۲ میں نقل کیا ہے ۔ ذکرہ ابن حجر فی طبقات المدلسین فی الطبقۃ الثالثۃ یہ تدلیس اصطلاحی معنی میں ہے ۔ آپ کا یہ قول کہ اس سے مراد ارسال کرنا ہے بالکل غلط ہے بمصنف خیر الکلام نے یہ غلط بیانی صرف اس لیے کی ہے کہ حنفیہ نے کہا کہ یہ مدلس ہے اور مدلس کبھی اپنے شیخ سے خود نہیں سنتا کسی واسطہ سے سنتا ہے لیکن وہ واسطہ معتمد علیہ نہیں ہوتا تو اس کا نام حذف کر کے بذریعہ عَنْ کے اپنے شیخ کی طرف منسوب کر جاتا ہے یہ ایک طرح کا مغالطہ ہوتا ہے اس لیے مکحول اگرچہ عَنْ محمود کہتا ہے سماع بھی ہو جب بھی راوی کے گرانے کا احتمال ہوگا مقبول جب ہوگی کہ حَدَّثنی محمود یا سمعت محمودا سے روایت پیش کرو اس سے بچنے کے لیے انھوں نے کہہ دیا کہ وہ اصطلاحی معنی میں مدلس نہیں ہاں ارسال کرتا ہے ۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ محض بہانہ اور غلط افسانہ ہے ۔ ایسا کرنے والا کبھی ثقہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کی معنعن روایت مشکوک ہو جاتی ہے اس لیے یہ کہنا کہ مکحول ثقہ ہے اور ابن اسحٰق کا ثقہ ہونا بھی ثابت ہو گیا ہے لہٰذا یہ روایت ٹھیک ہو گئی جیسے مصنف خیر الکلام نے کہا ہے ناکافی بات ہے کیونکہ دونوں مدلس ہیں اور ابن اسحٰق عند الجمہور ثقہ نہیں ہے ۔

علامہ سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کو سید السند بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں المدلس ان یروی عمن لقیہ او عاصرہ مالم یَسْمَعْہُ منہ علی سبیل یوھم انہ سمعہ منہ الٰی وربما لم یسقط المدلس شیخہ ولکن یسقط من بعدہ رجلا ضعیفا او صغیر السن لیحسن بذلک الحدیث آہ (ص ۳) یعنی کبھی مدلس اپنے شیخ سے اوپر بھی ایسی کارروائی کر جاتا ہے کہ کسی

[illegible]

بخاری کی روایات میں ایسا ہی ہے محدثین کرام نے ... کر کے اس پر عمل فرمایا ہے۔

اس بیان کو دیکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ مکحول کی یہ روایت جب مقبول ہوگی کہ محمود بن الربیع کے اوپر بھی حدثنی یا سمعت عبادۃ سے روایت پیش کی جائے مصنف خیر الکلام نے کہا کہ دارقطنی کی روایت میں حدثنی مکحول آیا مطلب ہے مثلاً اب تو روایت ٹھیک ہو گئی مگر یہ غلط بیانی اور مغالطہ ہے مقبول جب ہوگی کہ حدثنی مکحول ثنا محمود بن الربیع ثنا عبادۃ بن الصامت پیش کرو یا سماع کا لفظ دونوں بلکہ تینوں جگہ آئے اور یہ بات پہلے بھی آچکی ہے۔

اطلاع ہماری یہ معروضات غیر صحیحین کی روایات کے بارے میں ہیں صحیحین کی روایات جو مدلسین حضرات سے مروی ہیں اور عن عن کے طریقہ سے آئی ہوئی ہیں وہ بقیہ روایات کے مطابق مقبول ہوں گی۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے کہ انہوں نے صحت کا التزام احادیث میں کیا ہوا ہے وہ مدلسین کی روایات معنعن جب لاتے ہیں کہ خارج سے ان کو جزم صحت ہو جاتا ہے کہ ان روایات میں تدلیس سے کام نہیں لیا گیا یا دوسرے طرق سے ثابت ہے کہ یہ متصل السند اور بلا واسطہ ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں:

واعلم ان ما فی الصحیحین عن المدلسین بعن ونحوھا فمحمول علی ثبوت السماع من جھۃ اخری اھ۔ مقدمہ صحیح مسلم ص۱۸ (وکذا فی تدریب الراوی ص۱۴۴ وفتح المغیث ص۷۷)

اس قاعدہ کو دیکھتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ فرمایا: لم یذکر سلیمان فی ھٰذہ الروایۃ سماعاً من قتادۃ ولا قتادۃ من یونس۔ یعنی یہ دونوں مدلس ہیں اور عن عن سے روایت کرتے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح مصنف خیر الکلام کا اعتراض بھی رفع

ہو گیا جو ص۴۲ پر کیا ہے کہ اسکی سند میں قتادہ ہے جو تیسرے درجہ کے مدلسین سے ہے۔ اس طبقہ کی روایت بدون تصریح سماع قبول نہیں ہوتی۔

پھر لکھتے ہیں : بعض حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین میں جو مدلسین کی روایات ہیں۔ وہ سماع پر محمول ہیں۔ مگر یہ قاعدہ ان احادیث میں چلتا ہے جہاں تنقید نہ ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں ہوتا اور حدیث زیر بحث میں تنقید ہو چکی ہے۔" ص۴۲

اَلْجَوَابُ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَالْھِدَایَۃ

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ سب جگہ چلتا ہے جہاں بھی مدلسین کی روایت بخاری اور مسلم میں آئی ہو، وہ روایت معتمد علیہ غیر مشکوک سمجھی جائے گی۔ دارقطنی نے ایک جگہ قتادۃ عن سالم بن ابی الجعد عن معدان میں جو مسلم شریف کی روایت میں آچکا ہے انتقاد کیا ہے : قال الدارقطنی قتادۃ مدلس ولم یذکر سماعہ من سالم فاشبہ ان یکون بلغہ من سالم فرواہ عنہ۔

اس کے جواب میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں ص۲۰۹ قلت ھذا الاستدراک مردود لان قتادہ وان کان مدلساً فقد قدمنا فی مواضع من ھذا الشرح ان مارواہ البخاری ومسلم عن المدلسین وعنعنوہ فھو مجھول علی انہ ثبت من طریق اٰخر سماع ذٰلک المدلس ھذا الحدیث من عنعن عنہ الیٰ ولا شک عندنا فی ان مسلماً یعلم تدلیس قتادۃ فلولا ثبوت سماعہ عندہ لم یحتج بہ (نووی شرح مسلم ص۲۰۹)۔ یعنی دارقطنی نے قتادہ کے مدلس ہونے کا روایت میں شبہ کیا کہ اس نے سماع سالم سے بیان نہیں کیا۔ شاید اور کسی سے سن کر سالم کی طرف نسبت کر دی ہو۔ اس کی تردید علامہ نوویؒ نے کی کہ دارقطنی کا یہ کہنا مردود

ہے کیونکہ قتادہ اگرچہ مدلس ہے لیکن ہم نے بارہا ذکر کیا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلمؒ جب مدلسین سے روایت عن سے نقل کرتے ہیں تو وہ اس پر محمول ہوتی ہے کہ ان کو اس حدیث کا سماع دوسرے طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدلس نے اگر عنعنہ سے روایت کی ہے لیکن دوسرے طریقہ میں ان سے سماع مروی ہے اور ہم نے یہ اس لیے کہا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ قتادہ کا مدلس ہونا بھی جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ مدلس کی عَنْ۔ عَنْ والی روایت مقبول نہیں ہوتی۔ اگر حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ انکے سماع کو نہ جانتے تو کتاب میں اس سے احتجاج نہ کرتے اور ان کی حدیث نہ لاتے۔ اس لیے دارقطنیؒ کا اس حدیث پر اعتراض بیجا ہے کہ قتادہ مدلس ہے اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے۔

الغرض مدلس کی روایت کا صحیحین میں آجانا صحتِ حدیث کی ضمانت ہے۔ اسی لیے ساری دنیا صحیحین کے نام سے انہیں یاد کرتی ہے۔ اس بیان سے مصنف خیر الکلام کی بیان کردہ بات کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ صحت وہاں ہوتی ہے جہاں تنقید نہ ہوئی ہو۔ آپ نے دیکھا کہ قتادۃ عن سالم کی روایت ص۲۰۹ مسلم شریف کی ہے۔ دارقطنیؒ نے اسکی تنقید کی لیکن نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی۔ آپ یہ پوری بات سُلَیْمٰن التیمی عن قتادۃ میں بھی جاری کرلیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ تدلیس قتادہ اور سلیمان کا شبہ کیا ہے لیکن جواب واضح ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا صحیح میں لانا اس کو چاہتا ہے کہ جزم بالسماع کرتے ہیں۔ اسی لیے کتاب صحیح مسلم میں اس کو لائے۔

رہا اس کے بارے میں نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا لم یرو ھا مسندۃ فی صحیحہ فرمانا تو اس کا جواب گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ اَخْرَجَہٗ مُسْلِمٌ فِی صحیحہ فرما چکے ہیں۔ فتح الباری کما مرّ۔ خیر الکلام ص۴۲۱ میں سلیمان شاذکونی کا جو قول نقل کیا ہے مَنْ اراد التدین بالحدیث فلا یاخذ عن الاعمش ولا عن قتادۃ الا ما قالا سمعنا۔ مردود ہے جیسے امام نوویؒ

نے بیان کیا ہے اور خود شاذ کونی کے بارے میں خاصی جرح ہے ۔ اصل مقصد مکحول کے متابعات کا تذکرہ تھا لیکن ضمنی طور سے راستے کے کیل کانٹے بھی دور کرنے پڑ گئے آگے اصل مقصد عرض کرتا ہوں ۔

مکحول کی متابعت نمبر اوّل جو خیر الکلام ص ۲۲۴ میں لائی گئی

سُبْحَانَهٗ جَلَّ جَلَالُهٗ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

حضرت امام دارقطنی اور حضرت امام بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فاتحہ خلف الامام کی تعمیر کی ٹھیکہ داری لی ہے اور اس کے لیے خاصی محنت کی ہے لیکن ما کل یتمنّی المرء یُدرکہ دق سل کا بیمار ڈاکٹر کتنے ہی باکمال ہوں لیکن بعض دفعہ لاعلاج ہی رہ جاتا ہے جب کہ بیماری آخری درجات تک پہنچ چکی ہو ایسے وقت محنت سود مند نہیں بنتی ۔ محمد بن اسحٰق اور مکحول کی رِوایتوں کو مفید مطلب سمجھا گیا لیکن ان میں تدلیسی بیماری ایسی تھی کہ اس میں کامیابی نہ ہوئی ۔ ان کے متابعات بھی لائے گئے لیکن ان میں جان ہی نہیں تھی جن رِوایات کا سہارا لیا گیا وہ ایسی کھوٹی قسم کی تھیں کہ کسی قیمت پر ان کو قبول نہیں کیا جاتا ۔ ابنِ اسحاق کی تین متابعات کا تذکرہ گزر چکا ۔ اب مکحول کے متابعات کا بیان مصنف خیر الکلام کے الفاظ میں سُنیئے ان کو جہاں سے کوئی گری پڑی چیز ملی بلا بیان علّت عوام کے سامنے کھڑی کر دی کہ شاید کوئی بدنصیب شکار جال میں پھنس جائے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل حضرت امام دارقطنیؒ کی حدیث بیان کی جائے کہ اوّل جڑ انھوں نے لگائی ۔ پھر امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسکی آب یاری کی اور حضرات غیر مقلدین نے اس کا ثمرہ کھایا اور گلی کوچوں میں منادی کر کے پھیلایا اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل اور کالعدم ہے ۔

حضرت امام دارقطنیؒ نے احادیث کے جمع کرنے میں نہایت ہی غیر ذمہ دارانہ چال چلی ہے ۔ خاص مذہبی روایات میں کھرے کھوٹے کی تمیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ذخیرہ اندوزی کی ہے اسی کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات محققین نے اس کو مجمع الغرائب کا

لقب دیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ کا نماز میں جہر سے پڑھنا جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مختار ہے اس میں اتنی بے اعتدالی کی کہ حضرت زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ شارح ہدایہ نے اس کی شکایت کی۔ احادیث کے بیان میں ایسی بے احتیاطی من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار کا مصداق بن جاتی ہے۔ ترغیب و ترہیب میں اگر ایسی چال چلی جائے تو اتنی خطرناک نہیں جیسے بعض صوفیاء کا رویہ رہا لیکن حرام و حلال، فرض و واجب جیسی شرعیات میں یہ چال دین کا بگاڑ بن جاتی ہے عوام کو کیا خبر کہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ وہ تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اس کو لے لیتے ہیں اور اس پر اڑ جاتے ہیں۔

مصنف خیر الکلام نے متابعت اوّل کی پوری سند بیان نہیں کی۔ ہاں حدیث کا ترجمہ کر دیا۔ ص۲۲۴ عبداللہ بن عمر بن الحارث محمود سے روایت کرتا ہے وہ عبادۃؓ سے۔ محمود نے عبادۃؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھی، محمود نے عبادۃؓ کو پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: انہوں نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی۔ قرآن پڑھنے میں کچھ اختلاط ہو گیا۔ سلام کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ میرے ساتھ کسی نے پڑھا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا میں نے تعجب کیا کہ مجھ سے کون منازعت کرتا ہے۔ جب امام قرآن پڑھے تو تم میں سے کوئی آدمی سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھے۔ (کتاب القرأۃ ص۴۱)

الجواب ومن اللّٰہ الہدایۃ والاصابۃ

تعجب ہے کہ ایسے فاضل ہو کر اور نام اہلِ حدیث لیتے ہوئے اصولِ حدیث سے بے خبر کیسے ہو گئے ہیں؟

گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ متابعت موافقت کو کہتے ہیں اور حضراتِ محدثین نے اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ متابعت اس کو کہتے ہیں جہاں اصل اور تابع دونوں متحد اللفظ والمعنیٰ ہوں۔ گزشتہ حافظ ابنِ حجرؒ کے کلام سے تصریحاً حوالہ گزر چکا ہے۔ مزید سنیئے:

بخاری شریف ص۱۸۹ ج۱ کے حاشیہ میں ہے: قلت الاوّل متابعۃ لان اللفظ فیہ

بعینہٖ لفظہٗ۔

یعنی پہلی جگہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تابعہ فرمایا کہ وہ واقعی متابعت ہے دونوں اصل اور متابع متحد اللفظ والمعنی ہیں۔ والثالث روایۃ لا متابعۃ لاختلاف اللفظ وان اتحد المعنی۔ اور تیسری صورت مستقل روایت ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اگرچہ معنی میں اتحاد ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ متابعت میں پوری موافقت ماخوذ ہے۔ اس میں لفظی و معنوی اتحاد ہونا معتبر ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے منقول ہو چکی ہے۔

اب دیکھئے کہ مکحول کی گزشتہ حدیث بروایۃ محمد بن اسحٰق اس میں فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح فثقلت علیہ القرأۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرءون وراء امامکم ... الخ (ترمذی ص۲ج) اور عبداللہ بن عمرو بن الحارث کی روایت جس کو متابعت کہتے ہیں اس میں فجر کا قصہ ہونا نہ مذکور ہے اور نہ معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ کو دیکھ لیجئے جو مصنف خیر الکلام نے لکھا ہے جو ابھی ذکر ہو چکا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ مغرب یا عشاء کا واقعہ ہو کہ حضرت عبادہؓ نے آپؐ کے پیچھے قرأت کی ... الخ۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ سرّی نماز کا واقعہ ہو۔ اس طرح مکحول کے بیان سے یہ کیسے موافق ہو سکتی ہے اس میں صرف محمود کا تذکرہ دیکھ کر اس کو متابعت کہہ دیا۔ اگر فرض کیجئے کہ متابعت میں صرف معنی کا اتحاد ہی معتبر کیا جائے۔ اگرچہ لفظی اتحاد نہ ہو جب بھی یہ دونوں آپس میں متوافق نہیں ہیں۔ متابعت پھر بھی نہیں بن سکتی۔ اس کو متابعت کہنا دروغ گوئی ہے بلکہ دھوکہ دہی ہے اور خلاف اصطلاح محدثین ہے۔

اس کے علاوہ مطلب بھی صحیح نہیں بنتا۔ اوّل کلام میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میرے ساتھ کسی نے پڑھا؟ ہم نے کہا کہ ہاں! آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرآن پڑھے تم میں سے کوئی آدمی سوائے فاتحہ کچھ نہ پڑھے۔ اوّل کلام میں صرف کسی کا پڑھنا سبب انکار معلوم ہوتا ہے اور آخر میں

سوائے فاتحہ نہ پڑھے کہاگیا۔ کیا انھوں نے سوائے فاتحہ کے پڑھا تھا؟ شاید انھوں نے فاتحہ ہی پڑھی ہو اور وہی سبب اختلاط اور موجب گرانی ہوئی ہو۔ پھر الا بفاتحة الكتاب کی استثنار کیسے صحیح ہوگی؟ کیونکہ سوائے فاتحہ نہ پڑھے" کی بات تو پہلے بھی آچکی ہے۔

یہ باتیں سلیم المزاج اور منصف اشخاص کو سمجھنی آسان ہیں۔ ضدی طبائع کے لیے اور باتیں عرض کرتا ہوں۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان هذا العلم دين فانظروا عن من تأخذون دينكم۔ اس کو پیش نظر رکھ کر چلنا ہی دین کی سلامتی ہے۔ اسی لیے محدثین کرامؒ نے حدیث کے صحت کے لیے عدالت شرط کی ہے۔

عدالت یہ نہیں کہ اسکے نیچے دو اشخاص ناقل حدیث آجائیں جیسے کہ ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یحیٰی کندی کو غیر معروف قرار دیا ہے حالانکہ اس کے نیچے دو تین افراد ناقل حدیث ہیں۔

اسی طرح امام دارقطنیؒ تو ہر مجہول الحال کو ثقہ کہہ دیتے ہیں جس پر جرح معین نہ کی گئی ہو اسکی روایت کو صحیح کہہ دیتے ہیں مگر حضرات محدثین کرامؒ اسکے خلاف ہیں۔

فاتحہ خلف الامام فرض ہونے کی دلیل جو امام دارقطنیؒ نے نقل کی ہے

اور فاضل مصنف خیر الکلام نے ص۲۲۴ پر اس کا ترجمہ کیا ہے (عبداللہ بن عمرو بن الحارث محمود سے نقل کرتا ہے) اور اس کو انھوں نے مکحول کی پہلی متابعت کہلا ہے، ترجمہ کر دیا جو ابھی عنقریب گزر چکا ہے لیکن اسکی پوری سند بیان نہیں کی۔ شاید اس لیے اس کو چھوڑ گئے کہ لوگ اس روات کے اسمار گرامی دیکھ کر اور سن کر لا حول ولا قوۃ ہی پڑھ کر ہمیں ملامت کرنے نہ لگیں کہ فاتحہ خلف الامام فریضہ نماز کا جھنڈا ایسے سیاہ کار اور گمنام لوگوں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ مضبوط اور بھاری چھت کے نیچے تنکوں کا ستون لگانا کہاں کی دانش مندی ہے؟

سند یہ ہے سُنیے : اسحٰق بن سلیمٰن الرازی عن معاویۃ بن یحییٰ عن اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ عن عبد اللہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربیع الانصاری قال قام الیٰ جنبی عبادۃ (فذکر القصۃ بنحو ما مرّ عن نافع عن محمود) ۔ اس کا ترجمہ خیر الکلام ص۲۲۴ میں مذکور ہے ہم نے گزشتہ نقل کیا ہے ۔

اس وقت اس کی سند کے متعلق آپ کو بتانا ہے کہ کیسے کیسے صالحین بزرگانِ دین اس کے ناقل ہیں ۔ اہلِ حدیث حضرات اپنے کو سلفی کہتے ہیں ۔ یہی بزرگوار ان کے اسلاف ہیں اور انہی کے ہاتھوں میں جھنڈا فاتحہ خلف الامام کا دیا گیا ہے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان کی دینی شہادت کس طرح دے رہے ہیں ؟ فَانظُرُوا عَمَّن تَأخُذُونَ دِینَکُم ابھی نقل ہو چکا ہے کہ دین کی باتیں جن سے سنتے ہو اور سیکھتے ہو تم ان کو دیکھ لیا کرو ۔

اوّل رکنِ اعظم مُعاویۃ بن یحییٰ کا حال ملاحظہ کیجئے

الدلیل المبین کے ص۴۰۹، ۴۱۴ پر پوری تفصیل انکے حالات کی مذکور ہے چند باتیں اسکی نقل کرتا ہوں ۔ خلاصہ ص۳۸۲ حافظ مزیؒ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو زرعہؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لیس بشیئ فرمایا ۔ یعنی یہ کوئی معقول و معتبر شخص نہیں ۔ امام داؤدؒ ۔ نسائیؒ ، ابو حاتمؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف الحدیث فرمایا ۔ امام بخاریؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی امام زہریؒ والی روایات تو مستقیم ہیں لیکن جو عیسیٰ بن یونس اور اسحٰق بن سلیمان سے نقل کرتا ہے وہ مناکیر ہیں ۔ الدلیل المبین ص۴۰۷ میں فرمایا یہ حدیث اسحٰق بن سلیمٰن سے ہی ہے آپ جانتے ہیں کہ منکر اسی کو کہتے ہیں کہ ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرتا ہو ۔ منکر حدیث مردود کے اقسام سے ہے ۔ میزان ص۲۸۵ میں ہے حضرت ابنِ معینؒ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو لیس بشیئ کہتے ہیں ۔ حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں اس کی احادیثِ مقلوبہ (یعنی اُلٹی پلٹی) ہیں ۔ دار قطنیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے ۔ ابنِ حبانؒ نے کہا یہ کتابیں چوری کرتا تھا

اور ان سے حدیثیں نقل کرتا تھا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۲۱۹ میں فرمایا: معاویہ بن یحییٰ الصدفی کو ابن معین نے ہالک کہا ہے اور اس کی عیسیٰ بن یونس اور اسحٰق بن سلیمان سے روایات مناکیر ہیں اور یہ روایت اسحٰق بن سلیمٰن کے طریقہ سے ہی ہے۔

اس حدیث کا رکن ثانی اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروۃ ہے جو معاویہ بن یحییٰ سے بھی گیا گذرا ہے

امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی حدیث کے بعد کہا۔ معاویۃ بن یحییٰ واسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیفان ۔ میزان ص۸۵ میں ہے کہ اسحٰق بن ابی فروہ سے حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سنا کہ وہ کہتے تھے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمانے لگے خدا تجھے تباہ کرے کس قدر دلیری کرتا ہے۔ حدیث کی سند نہیں بیان کرتا اور ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جن کی باگ ڈور نہیں ہوتی۔ ترمذی ص۵۶۴ میں یہ مذکورہ بات مروی ہے۔ سمع الزہری اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الزہری قاتلک اللہ یا ابن ابی فروہ تجیئنا باحادیث لیس لہا خطم ولا ازمۃ حاشیہ میں ہے، خطام کے کتاب مہار (رجع المغرب ص۱۶۲ ج۱) الخطام حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی فی خطمہ ای انفہ۔)

آپ نے دیکھا کہ حدیث فاتحہ خلف للامام کا ناقل راوی اسحٰق بن ابی فروہ محدثین کرامؒ کی نظروں میں کس قدر متہم ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نظریہ تو ان کے بارہ میں یہ ہے لا تحل الروایۃ عنہ ۔ یعنی اس سے روایت کرنا ہی حرام ہے۔ حضرت ابن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا یکتب حدیثہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے ابن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا یحتجون بحدیثہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ترکوہ۔ ابن عمارؒ فرماتے ہیں ضعیف ذاہب امام عمروؒ بن علیؒ، امام ابو زرعہؒ، امام ابو حاتمؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں لا یحتج بحدیثہ۔ امام دارقطنیؒ اور برقانیؒ فرماتے ہیں متروک۔

امام خلیلؒ فرماتے ہیں ضعفوہ جدا، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اس کو ترک کر دیا
تھا۔ امام عقیلیؒ، دولابیؒ، ابو العربؒ، ساجیؒ، ابن شاہینؒ اور ابن حبانؒ سب اس کو
ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۲، خلاصہ)۔
یہ ہے مختصر تذکرہ دارقطنی ص ۱۲۱ کی حدیث فاتحہ خلف الامام کی دلیل کا۔ اس کے
راوی ایسے ناکارہ حضرات ہیں جن کا تذکرہ مصنف خیر الکلام نے ص ۲۲۴ میں بحوالہ بیہقی
مکحول کی پہلی متابعت کے نام سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن الحارث محمود بن ربیع
سے نقل کرتے ہیں وہ عبادہؓ سے۔ محمود نے حضرت عبادہؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز
پڑھی ..... الخ۔ یہ وہی مضمون ہے جو نافع بن محمود مجہول کی روایت میں گزرا۔ یہ سب
انہی راویوں کی کرم فرمائی ہے جو محض غلط بیانی ہے۔ اس کے دو راوی معاویہ بن یحییٰ
اور اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ جن کا ابھی آپ نے ذکر سنا۔ ان کو متروک
کہا گیا ہے اور لا تحل الروایۃ عنہ فرمایا گیا۔ لا یکتب حدیثہ کا ارشاد
وارد ہوا۔ وغیر ذلک۔ ان کے سہارے پر اہلِ حدیث حضرات نے فاتحہ خلف..
کا پڑھنا فرض کہا اور منبروں پر چیخیں لگائی جاتی ہیں۔ بازاروں میں ڈنکے بجائے جاتے
ہیں۔ مناظرے کے چیلنج دیئے جاتے ہیں۔

بے چارے عوام کو کیا خبر کہ اسکے راویوں میں ایسے ایسے حضرات ہیں کہ جن کو
محدثین کرام لاشیٔ کہہ فرما گئے ہیں۔ جب اس کے بارے میں مذہبی جنون سے
کہا جاتا ہے تو وہ جیسے تراشتے ہیں کہ ہم نے تو ان کو دلیل نہیں بنایا۔ ہم نے متابعات میں
ذکر کیا ہے۔ متابعت میں ضعیف اکتساب ہے یہ نہیں جانتے کہ یہ ضعیف ہی نہیں محض
بے جان اور ہالک لوگوں کی روایات ہیں۔ لا تحل روایتہ عنہ وغیرہ کے الفاظ
ائمہ دین ان کے متعلق فرما چکے ہیں۔ یہ تنکوں کا سہارا ہے۔ فریضہ کے اثبات کے
مقام میں ان کا ذکر کرنا شرم کی بات ہے اور عجز کی نشانی ہے۔

ترمذی ص ۳۰۷ کو دیکھیں باب ماجاء فی ابطال میراث قاتل۔ حدثنا
قتیبۃ نا اللیث عن اسحٰق بن عبداللہ عن الزہری ... الخ کی سند سے

القاتل لا یرث کی حدیث نقل کی پھر فرمایا: هٰذا حدیث لا یصح لا یعرف الا من هٰذا الوجه واسحٰق بن عبد اللّٰه بن ابی فروہ قد ترکه بعض اهل العلم منهم احمد بن حنبل رحمة اللّٰه تعالیٰ۔

جب یہ حدیث اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کی وجہ سے لا یصح ہوئی تو ان کی روایت متنازعہ صورت میں بھی لا یصح ہی ہوگی جس میں ہے کہ محمود نے حضرت عبادہؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کو قرأت پڑھتے سنا جس کے آخر میں ہے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ یہ حدیث انہی عبد اللہ بن فروہ کی ہے۔ لا یصح بلکہ موضوع ہے۔ الدلیل المبین ص ۱۱-۱۲۔

اس حدیث کا تیسرا راوی عبد اللہ بن عمرو بن الحارث بھی مجہول ہے

عبد اللہ بن عمرو بن الحارث تیسرا راوی ہے جو خیر الکلام ص ۲۲۴ میں مذکور ہے اور بحوالہ تقریب اس کو مجہول کہا گیا ہے لیکن مصنف خیر الکلام ص ۲۲۵ میں فرماتے ہیں کہ کتاب القرأۃ ص ۴۲ میں ہے کہ اس کے نیچے دو شاگرد ہیں۔ سبحان اللہ! دو شاگردوں سے اس کا ثقہ ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ یحییٰ کندی کے نیچے تین شاگرد ہیں سفیان ثوری، ابو عوانہ، شریک اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معروف فرما کر رد کر دیا۔ (بخاری ص ۶۵ ج ۲) حاشیہ میں فرمایا: ای غیر معروف العدالۃ۔ نافع بن محمود مجہول کا بھی یہی حال ہے۔

الغرض فاتحہ خلف الامام کا فریضہ ان مجہول راویوں کے مرہون منت ہے مصنف خیر الکلام مجہول کے بجائے مستور کا لفظ بولتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں مستور کی روایت متابعت میں معتبر ہوتی ہے۔ جناب من یہ صرف مستور کی روایت نہیں بلکہ هالک۔ لیس بشیء، لا تحل الروایة عنه، لا یکتب حدیثه وغیرہ القاب والے کی حدیث ہے اسی وجہ سے اس کو موضوع کہا گیا ہے۔

مصنف خیر الکلام کی نافہمی یا کجروی

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

مزید افسوس بلکہ صد افسوس اس بات کا ہے کہ مؤلف خیر الکلام نافع بن محمود مجہول اور عمرو بن الحارث مجہول دونوں کے خصوصی تذکرہ کو جس سے ان کا تزکیہ ہو جائے اور صفائی کے گواہوں کی طرح ان کو پیش کر سکیں۔ ذخیرۂ حدیث میں نہ پاتے ہوئے الٹی چال چل گئے۔ مشہور قول کے مطابق (چور کو توال کو ڈانٹے) کہتے ہیں کہ ایسے راوی توصحیحین میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا خصوصی تذکرہ اور تزکیہ ہمارے سامنے نہیں ہے تو پھر ہم سے ان دونوں (نافع اور عمرو بن حارث) کا کیوں پوچھتے ہو؟

خیر الکلام ص۲۲۵ میں ہے: علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: وفی رواۃ الشیخین عدد کثیر ما علمنا ان احداً نص علی توثیقہ۔ آہ یعنی امام بخاریؒ اور مسلمؒ کی احادیث کے کثیر التعداد ایسے راوی ہیں کہ کسی نے ان کی توثیق کا خصوصی تذکرہ نہیں کیا۔

گویا یہ قوم کو تسلی دے رہے ہیں کہ ہمارے فاتحہ خلف الامام کے راوی گو مجہول اور غیر معروف ہیں تو غم نہ کرو ہم ایسا غبار اڑائیں گے کہ فریق مخالف کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ مگر ہم ان سے سوال کریں گے کہ کیا صحیحین کے کثیر التعداد راوی اسی طرح کے ھالك، متروك، لا تحل الروایۃ عنہ اور لا یصح حدیثہ کی مد کے لوگ ہیں جن کا خصوصی تذکرہ نہیں پایا جاتا کہ جب وہ معتبر ہیں تو یہ بھی ہو سکتے ہیں؟ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

سنبھل کر قدم دشت خار میں مجنوں ۔۔۔ یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

ہمارا جواب سنیئے اور اپنے جواب کی فکر کیجئے۔ جناب من آنکھیں کھولیے

اگر آپ کی پیش کردہ اسامیاں صحیحین کی احادیث میں آئی ہوتیں تو ہم آپ سے

ان کا نہ پوچھئے کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لیکن قرآن کریم میں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ آچکا ہے۔ صحیحین کے راویوں کا ثقہ ہونا تو ایک مسلم حقیقت ہے ۔ سب جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الجامع الصحیح میں صرف وہی احادیث لاتے ہیں جو قطعی صحیح ہوں اور صحیح کا معنی ہی یہی ہے :۔ ما ثبت بنقل عدل تام الضبط متصل السند ۔ اسی طرح حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی التزام کیا ہوا ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اذا قرء فانصتوا جس کو امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اس کے متعلق امام مسلم سے پوچھا گیا تو فرمایا : ھو عندی صحیح وہ میرے نزدیک صحیح ہے ۔ پھر کہا گیا کہ پھر آپ اس کو اپنی کتاب میں کیوں نہیں لائے ؟ تو آپ نے فرمایا میں اس کتاب میں وہ حدیث لاتا ہوں جو مجمع علیہ صحیح ہو اور اس میں اختلاف ہو چکا ہے ۔ بہر حال حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ صحیحین میں جو روایات لاتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں ۔ عادل راویوں کی حدیثیں ہوتی ہیں ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کے راویوں کے حالات سے بخوبی خبردار ہوتے ہیں کہ یہ ثقہ اور عادل ہیں جبھی ان کی احادیث کو لیتے ہیں اور اسی طرح حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ۔

محدثین کرام کو کسی راوی کے متعلق خصوصی حال معلوم نہ ہو لیکن بخاری مسلم کا راوی ہونا جانتے ہوں تو یہی فرما دیتے ہیں کہ یہ راوی رجال بخاری میں سے ہے اور رجال مسلم میں سے ہے ، یہ متفق علیہ بخاری مسلم کا راوی ہے ۔ اس سے اسکے ثقہ ہونے کا پتہ دیتے ہیں ۔ کیا آپ کے فاتحہ خلف الامام کے راوی نافع بن محمود اور عمرو بن الحارث کو یا ابن اسحٰق کو یہ رتبہ حاصل ہے یا امام دار قطنیؒ اور امام بیہقیؒ کو آپ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے درجہ میں جانتے اور مانتے ہیں ؟ یا ان کی کتابوں کو صحیح کا لقب دیا گیا ہے کیا انھوں نے کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے ؟

اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کے مستور ، مجہول الحال راوی غیر معتمد علیہ لوگ

ہیں۔ ان کی عدالت کی کوئی شہادت نہیں پائی جاتی اور صحیح بخاری اور مسلم کے ایسے رجال جن کا خصوصی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔ ان کے عادل ہونے کی شہادت موجود ہے کیا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ان کی احادیث کو صحیحین میں لانا اس کی شہادت نہیں کہ وہ ثقہ اور عادل ہیں۔ آپ نے پیتل اور سونے کو ایک ہی بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی دانشمندی ہے! کھرے کھوٹے کو پہچانیے۔

فائدہ گزشتہ بیان کو غور سے پڑھیں اس سے وہ بات بھی واضح ہو جائے گی جو گزشتہ گزر چکی ہے کہ مدلس کی روایت معنعن اگر بخاری و مسلم میں آئی ہو تو اسکو مشکوک نہ سمجھا جائے۔ امام دارقطنیؒ نے ایک جگہ مسلم شریف کی حدیث قتادة عن فلان پر اعتراض کیا تھا کہ قتادہ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے اور لعلہ بلغہ فرواہ فرمایا تو حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب صحیح مسلم میں روایت مروی ہے تو یہ تنقید بے جا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ قتادة مدلس ہے اور قاعدہ بھی جانتے ہیں کہ مدلس کی عن والی روایت مشکوک ہوتی ہے۔ لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس کو کتاب میں لانا اس کی دلیل ہے کہ اس میں تدلیسی کارروائی نہیں کی گئی۔

اسی قانونِ مسلم اور سوال و جواب کو بخاری کی اس روایت میں جاری کر لیجئے جو ص۵ میں سلیمان التیمی کی حدیث میں ہے حدثنا قتیبة قال حدثنا یزید بن زریع عن سلیمان التیمی عن ابی عثمان الھندی اس میں حضرت سلیمان تیمیؒ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے اور اس کا متابع بھی مذکور نہیں۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس کو کتاب میں لانا اس کی دلیل ہے کہ اس میں تدلیس نہیں کی گئی۔ اگرچہ عن ابی عثمان ہے لیکن یہ سمعت کے درجہ میں ہوگا۔

اس کو دیکھتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وہ اعتراض رفع ہو جائے گا

جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بروایت سلیمان تیمی عن قتادۃ عن یونس بن غلاب پر کیا۔ لم یذکر سلیمان فی هذه الروایة سماعًا عن قتادة ولا قتادة عن یونس اگر امام بخاریؒ کی سند سلیمان التیمی عن ابی عثمان جو ابھی مذکور ہوئی حکمًا متصل اور سمعت کے درجہ میں ہے تو مسلم شریف کی روایت میں سلیمان عن قتادة میں اس کو کیوں معتبر نہ کیا جائے؟ ورنہ بخاری کی یہ روایت سلیمان التیمی عن ابی عثمان بھی تدلیسی شبہ سے مشکوک کہنی پڑے گی۔

تنبیہ: مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث ص۲۲۴ میں مکحول کی پہلی متابعت میں عبداللہ بن عمرو بن الحارث کو جو راوی حدیث ہے، مجہول تسلیم کرتے ہوئے اور اس کو مستور کہہ کر یہ کہتے ہیں کہ ایسی روایت ضعیف نہیں ہوتی۔ لکھتے ہیں ص۲۲۵: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجہول الحال مستور کو ساتویں مرتبے میں داخل کیا ہے۔ اس کے بعد آٹھویں مرتبہ کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ مجہول الحال کی روایت ضعیف نہیں ہوتی۔ یہ مطلب سازی اس لیے کی کہ عمرو بن الحارث کی روایت مجہول ہونے کے باوجود ضعف سے بچ جائے۔ حالانکہ خود ص۵۶۱ میں لکھتے ہیں جس میں راوی مجہول ہو ضعیف ہوتی ہے۔ یہ دو رنگی باتیں ہیں انہی کو مطلب سازی کہا گیا ہے۔

اور ص۲۲۴ پر لکھا کہ بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن الحارث مجہول ہے جواب یہ ہے کہ کتاب القرأت ص۴۱ میں اس کے دو شاگرد بیان کیے ہیں یعنی دو شاگرد ہوں تو وہ مجہول نہیں ہوتا لیکن یاد رہے کہ:

یہ امام دارقطنیؒ کا مسلک ہے مگر جمہور محدثین کے خلاف اور مردود ہے۔ ابھی قریب گزرا کہ یحییٰ کندی کے تین شاگرد ہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو غیر معروف فرما رہے ہیں۔ یعنی غیر معروف العدالة۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو راوی نیچے ہوں تو اس سے راوی ثقہ نہیں بن جاتا۔ پھر لکھتے ہیں جو محدث

مجروح نہ ہو وہ عادل ٹھہرے گا ص۲۲۵۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن الحارث مجہول الحال ہے لیکن اس پر جرح معین نہیں کی گئی اس لیے یہ عادل ہوا۔ ان کا یہ کہنا بھی مردود ہے یہ صرف امام ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے کہ ہر مجہول کو وہ ثقہ عادل کہہ دیتے ہیں اس کی روایت کو صحیح بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن گزشتہ گزر چکا ہے کہ یہ قول جمہور محدثین کے خلاف ہے۔ یحییٰ کندی کو ابن حبان نے ثقہ کہہ دیا۔ حالانکہ وہ غیر معروف اور مجہول ہے۔ حاشیہ بخاری ص۶۴۵ ج۲ میں فرمایا: ذکرہ ابن حبان کعادتہ فیمن لم یجرح۔ میزان ص۳۲۲ میں ہے: لاتفرح بذکر ابن حبان لہ فی الثقات فان قاعدتہ معروفۃ من الاحتجاج بالمجاھیل۔ یعنی ابن حبان کے یحییٰ کندی کو عادل کہنے سے خوش نہ ہونا ان کا مذہب یہی ہے کہ جس راوی پر معین و مخصوص طور سے جرح نہیں کی گئی اس کو وہ عادل کہہ دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو ہر مجہول عادل بن جاتا ہے مگر یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

اسی طرح دارقطنیؒ کا مسلک بھی جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے الدلیل المبین ص۴۰ میں ہے: مسلک الدارقطنی الاحتجاج بالمجاھیل والمستورین یعنی دارقطنی مجہول و مستور راویوں سے روایت کو معتبر سمجھتے ہیں اور ان سے مسئلہ پر استدلال کر لیا کرتے ہیں۔ نص علیہ فی سننہ فی کتاب الحدود اس بات کی انہوں نے تصریح کی ہے اپنی کتاب کے کتاب الحدود میں۔ فی بیان قبول ابراھیم عن ابن مسعود فقال ارتفاع اسم الجھالۃ ان یروی عنہ اثنان فصاعداً۔ اذا کان ھذہ صفتہ کان حدیثہ معروفاً۔ یعنی دو شخص کسی سے روایت کریں تو جہالت نہیں رہتی اس کی حدیث معروف ہو جاتی ہے۔ پہلے بھی یہ بیان گزر چکا ہے۔

اطلاع | یہ عبداللہ بن عمرو بن الحارث کی روایت میں کلام ہے جو دارقطنیؒ کی سند سے مروی ہے لیکن مصنف خیر الکلام نے اس کو بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اس کے بعض راوی بدلے ہوئے ہیں۔ دیکھئے: سند دارقطنی

حدثنا محمد بن مخلد ثنا ابراهیم بن محمد بن مروان العتیق ثنا اسحٰق بن سلیمان الرازی عن معاویۃ بن یحیٰی عن اسحٰق بن عبد اللّٰہ بن ابی فروۃ عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربیع الانصاری قال قام الی جنبی عبادۃ .... الخ (الدارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱)

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سند کا ایک حصہ یہ ہے: محمد بن حمیر ثنا شعیب بن ابی حمزۃ عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربیع عن عبادۃ ۔ ان محمودا صلی الی جانبہ فسمعہ یقرء .... الخ (کتاب القراءۃ ص ۴۷)۔

اس روایت میں محمود بن حمیر اور عبداللہ بن عمرو بن الحارث دونوں مجہول ہیں۔ مصنف خیر الکلام ص ۲۲۴ پر ان کا مجہول ہونا تسلیم کرتے ہوئے جواب یہ دیتے ہیں کہ دحیم نے محمد بن حمیر کو ثقہ کہا ہے۔ بے شک بعض محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق کی ہے لیکن امام ابو حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ اور امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں: لیس بالقوی۔ (تہذیب ج ۹ ص ۱۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ وہ معمولی درجہ کا راوی ہے۔ اس کی حدیث سے کسی اہم مسئلہ پر استدلال کرنا نہیں لا یحتج بہ۔

اس روایت کا ایک راوی عمرو بن عثمان حمصی ہے۔ وہ محمد بن حمیر کے انداز کا متکلم فیہ ہے اس کا جواب فاضل مصنف خیر الکلام نے یہ دیا کہ عمرو بن عثمان کو اگرچہ نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترک کر دیا ہے مگر ابن عدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ثقہ آدمی ان سے روایت کرتے ہیں۔

افسوس بار بار ذکر کیا ہے کہ یہ محض غلط بیانی اور دھوکہ بازی ہے۔ دو آدمیوں کے نقل کرنے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہوتی ہے۔ یحییٰ کندی کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے کہ اس کے نیچے تین راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو معروف نہیں کہتے اور ثقہ نہیں جانتے۔ مصنف خیر الکلام ص ۲۲۵ میں لکھتے ہیں بہر حال

متابعت میں مستور کی روایت تقویت کے لیے ذکر ہو سکتی ہے۔ کیا آپ یقین رکھتے ہیں کہ ایسی گری پڑی روایتوں سے ایک فریضہ کا اثبات ہو سکتا ہے۔ فریضہ کے لیے قوی حجت اور صریح و صحیح احادیث پیش کرنی چاہئیں۔ آپ نے جو ٹکڑے لگائے ہیں اس سے گاڑی نہیں چلتی، صحیح اور صریح روایت پیش کرنی ہوگی اور فرض ثابت کرنے کے لیے تو نص قطعی یا متواتر حدیث درکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کو متابعت کہنا ہی غلط ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے یہ ایک مستقل روایت ہے پہلی الگ اور یہ الگ ہے اور اس میں کمزور اور ضعیف راوی ہیں جن کا حال آپ نے سنا ہے مگر آپ متابعت بنا کر اس کو قبول کر رہے ہیں۔ آپ نے گزشتہ مکحول کی روایت کو ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں دیکھا کہ اس میں فجر کی نماز کا خصوصی تذکرہ ہے کہ اس میں آپ کے پیچھے کسی نے قرأت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی ... الخ۔

اور آپ کی یہ پیش کردہ روایتیں ان میں فجر کی نماز کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ کسی جہری نماز کا تذکرہ نہیں کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی نے قرأت کی۔ صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کسی نے پڑھا اور یہ آپؐ پر گراں گزرا۔ حالانکہ ترمذی والی روایت میں حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اس میں جہری نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ نکلتا ہے؟ کیا آپ کی اس مذکورہ روایت میں جہری نماز کی تخصیص ہے؟ پھر اسکو متابعت کیسے کہہ سکتے ہیں؟

اس کے علاوہ یہ کہ محمد بن عمیر راوی حدیث جہالت حال کے باوجود جیسا ابھی مذکور ہوا اس کی سند حزم شعیب عن عبد اللہ بن عمرو بن الحارث سے نقل کرتا ہے۔ یہ بشر بن شعیب کی سند کے خلاف ہے جو حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے اس میں شعیب کے اوپر اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ عن عبد اللہ بن عمرو بن الحارث ہے۔ اور محمد بن عمیر کی روایت میں اس اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کا ذکر نہیں پایا گیا۔ شاید اس کو ضعف حال کی وجہ سے

ہو گیا ہے جن کا تذکرہ گذر چکا ہے کہ اس کو کذاب تک کہا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ محمود کا حضرت عبادہؓ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونے کا قصہ اسی کذاب کا گھڑا ہوا ہے ان دونوں روایتوں میں بھی تامل ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سند بشر والی یہ ہے

ثنا محمد بن حمدان بن اللخمی جمحی ثنا بشر بن شعیب عن ابیه عن اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ حدثنی عبد اللہ بن عمرو بن حارث عن محمود بن ربیع عن عبادۃ بن صامت ...... الخ

(کتاب القراءۃ ص ۷۳)

یہ ہے محمود کی متابعت امام بیہقی رحمہ اللہ نے پیش کی کہ عبد اللہ بن عمرو بن الحارث محمود بن ربیع سے روایت کرتا ہے۔ جو خود بھی مجہول ہے اور مجہول کے تدلیس کے شبہ والے بیان میں اور محمد کے بیان میں نظر آتا ہے اور کہتے ہیں کہ متابعت ہو گئی۔ سبحان اللہ عن ذلک۔

خلاصۃ البیان

حدیث مذکور میں یہ قصہ پڑھنے کا بعد محمود کی زبانی بیان ہے یا محمود بن الربیع سے نقل کرنے والے کذاب راویوں کا بیان ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن الحارث معاویہ بن یحییٰ۔ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ۔ اسحاق بن سلیمان، محمد بن نمیر، عمرو بن عثمان۔ ان سب کے حالات پڑھ چکے ہیں۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ہم نے انکے چند ایک روایات آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ ائمہ حدیث کا ان راویوں کے متعلق یہ فیصلہ ہے۔

ان میں معاویہ بن یحییٰ کو امام احمد، نسائی اور ابو حاتم نے ضعیف الحدیث کہا ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کی روایات کو منکر فرما گئے ہیں۔ مزید بیان گزر چکا ہے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کے بارے امام احمد لا تحل الروایۃ عنه فرما گئے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ان کے متعلق بہت تیکھے الفاظ میں نقل کیا ہے۔ قاتلک اللہ۔ مزید بیان گزر چکا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن الحارث کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ مجھول من الثالثۃ فرما گئے ہیں۔ اور محمد بن عمیر کو دار قطنیؒ لا اعرفہ فرما گئے ہیں۔ یہ مجھول ہونے کا حکم ہے۔ محمد بن عثمان کو امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترک کر دیا تھا۔ خیر الکلام ص۲۲۴۔ مزید مفصل بیان گزشتہ گزر چکا ہے۔

ایسے دق وسل کے شدید بیماروں سے فاتحہ خلف الامام کے فریضہ کو ثابت کرنا ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ کی ذمہ داری اسلامی فریضہ اور قرآنی حکم ہے؟ اس کے علاوہ یہ محمد بن اسحٰق اور مکحول دونوں مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں۔ عن محمود عن عبادۃؓ کے طریقہ سے روایت ہے۔ ایسی روایت مشکوک ہوتی ہے اور متابعات میں بیان کردہ متابعات سے تدلیس کا شبہ رفع نہیں ہوتا۔ بیان گزر چکا ہے۔

نافع بن محمود بھی مجھول ہے۔ ابن حبانؒ کا ان کو ثقہ کہنا گزر چکا ہے کہ وہ مفید نہیں بنتا وہ ان کی خاص اصطلاح ہے کہ مجھول کو ثقہ کہہ دیتے ہیں: انّ مذھبہ تعدیل من لم یجرح گزر چکا ہے۔ ان حالات میں کہا جائے گا کہ محمود بن ربیع کے حضرت عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا قصہ ان مذکور غلط کار اور غیر معتمد راویوں میں سے کسی کا خود ساختہ بیان ہے۔ یا نافع بن محمود مجھول کی تصور پسندی ہے اور انہی کا بیان ہے کہ سوائے فاتحہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ خاص مقتدی کے بارہ میں یہ کہہ رہے ہیں حالانکہ صحیح طریقہ سے مقتدی کے بارہ میں اس کا ہونا ثابت نہیں ہے۔ صحیح حدیث صرف لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ہے۔ اندرونی اور خارجی دلائل بتاتے ہیں کہ یہ فرمان منفرد کے بارہ میں ہے جیسے کہ فصاعدًا کی زیادت جو مسلم میں ہے اور امام ابوداؤد میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ راوی حدیث بیان کر رہے ہیں کہ یہ منفرد کے بارے میں ہے۔ ان وجوہ کو دیکھتے ہوئے مصنف الدلیل المبین رحمۃ اللہ تعالیٰ

میں فرماتے ہیں: فما قال البیہقی سمیع مکحول هذا الحدیث من محمود بن الربیع ونافع بن محمود ومحمود سمعه عن عبادة بن الصامت ففیه سخافة لا یخفی. مبناه تعصبه المشهور. وهو تصحیح الضعیف، وتضعیف الصحیح کما هو دأب شیخه الدارقطنی الی عبد الله الحافظ. انتهی۔

اب حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہبی تعصب کی مثال سن لیجئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں رفع یدین عند الرکوع و عند الرفع من الرکوع مروی ہے۔ کان یرفع یدیه کے عنوان سے حدیث ہے اور اس میں ہے۔ وکان لا یفعل ذلک فی السجود. لیکن اس حدیث سے استدلال ناتمام بنتا ہے کیونکہ یہ دوام عمل پر دلالت نہیں کرتی۔ صرف فی الجملہ ہونا۔ اس سے پتہ چلتا ہے اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخر میں رفع یدین کا عمل ترک کر دیا تھا جس کو بخاری شریف کے حواشی میں ذکر کر دیا ہے ص۱۰۲ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ کان کی خبر فعل مضارع ہو تو دوام و تکرار پر دلالت نہیں کرتی اور یہ بالکل صحیح فرمایا۔ حدیث میں ہے: کنت اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم لحله قبل ان یطوف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لیے طواف (زیارت) سے پہلے میں خوشبو تیار کرتی تھی۔ (راجع نووی شرح مسلم ص۲۵۴ ج۱)۔ اُطیب مضارع کا صیغہ ہے لیکن واقعہ ایک دفعہ کا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے بعض روایات میں طیّبتُ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ہے جو اصل حقیقت کے مطابق مروی ہے۔ اس قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے رفع یدین کا استدلال کان یرفع یدیه عند الرکوع ناتمام بن جاتا ہے کہ فی الجملہ کرنے کا انکار تو کوئی نہیں کرتا۔ ہاں اگر ہمیشہ اور مستمراً

رفع یدین کا کرنا کہا جائے تو یہ حدیث اس پر دال نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عصمت بن محمد انصاری کی روایت نقل کردی تاکہ استدلال میں جان پڑجائے اور اس روایت کے آخر میں ہے فما زالت تلک صلوتہ حتی مات۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رفع والی تمام عمر یہی رہی۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے۔

اس سے ان کا مقصد حضرت مجاہدؒ کی روایت کی جواب دہی ہے۔ جس میں آتا ہے کہ آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رفع یدین ترک کر دیا تھا جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے جیسے حاشیہ بخاری میں ہے ص۱۰۲ ج۱ عصمت بن محمد انصاری امام مسجد بغداد کی روایت سے امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلک کے لیے استدلال کیا ہے اور اسی کو غیر مقلدین نے لیا ہے اور خوشی منائی ہے۔

لیکن ان کا ذکرِ خیر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ کیسے جلیل القدر اور صادق بزرگ تھے نصب الرایہ ص۴۲ ج۱ میں ہے۔ قال یحیی کذاب یضع الحدیث۔ یعنی وہ محض جھوٹا شخص ہے۔ حدیثیں گھڑ کر بیان کرتا تھا۔ مزید فرمایا: قال العقیلی یحدث بالاباطیل عن الثقات۔ یعنی ثقہ لوگوں سے محض باطل حدیثیں نقل کرتا تھا۔ قال الدار قطنی متروک (میزان)۔ زیلعی ص۴۲ ج۱ کے حاشیہ میں ہے قال یحیی بن معین ھو من کذب الناس۔ یعنی یحییٰ بن معین امام الجرح والتعدیل فرماتے ہیں کہ یہ عصمت بن محمد بہت ہی جھوٹے لوگوں میں سے ہے۔ کان کذابا یروی الاحادیث کذبا۔ یہ کذاب شخص تھا جھوٹی حدیثیں بنا کر روایت کرتا تھا۔ قال ابو حاتم لیس بالقوی۔ زیلعی ص۴۲، میزان الاعتدال ص۹ ج۲، لسان المیزان ص۱۶۸ ج۴ اور تاریخ بغداد ص۲۸۶ ج۱۲ میں یہ حوالے ملاحظہ کریں۔

فیصلہ کیجئے کہ ایسے دروغ گو شخص کی حدیثیں کتاب میں لانا بہتر ہے یا کتاب کو ان سے پاک رکھنا عقلمندی ہے اور اسی میں امت کی خیر خواہی ہے بعض لوگ

غریب روایات کالانا پسند کرتے ہیں لیکن یہ اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا والی بات ہے بعض ناواقف کتاب کا نام دیکھ کر اس کی حدیثیں نقل کر دیتے ہیں مگر حقیقت حال آپ کے سامنے ہے۔ یہ بات ضمنی طور پر آگئی ہے۔ مقصد سے دُوری کا اندیشہ ہے۔ اصل مقصد کی طرف رجوع کا مناسب وقت ہے۔

مکحول کی دُوسری متابعت خیر الکلام ص۲۲۵ میں ہے

زہری محمود بن ربیع سے وہ عبادہؓ بن الصامت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا صلوٰة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الامام" كتاب القراءة للبيهقي۔ وهذا اسناد صحيح والزيادة التي فيها كالزيادة في حديث مكحول وغيره۔ (كتاب القراءة ص۴۷)

پھر لکھتے ہیں اس پر بعض حنفیہ نے اعتراض کیا کہ زہری مُدلّس ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام زہریؒ واقعہ میں مُدلّس ہیں مگر متابعت سے شبہ رفع ہو جاتا ہے ــــ خیر الکلام ص۲۲۶، ص۲۲۷۔

اَلْجَوَاب وَمِنَ اللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَالْهِدَايَة

مشہور تو یہ ہے کہ "ملاں آں باشد کہ چپ نشود" لیکن بعض جگہ چپ ہو جانا ہی عقل مندی ہوتی ہے جب راستہ بند ہو جائے تو خاموشی سے کام لیا جاتا ہے اور اسی میں سلامتی رہتی ہے۔ دیکھیے لکھتے ہیں کہ متابعت سے شبہ رفع ہو جاتا ہے مگر یہ نہ بیان کیا کہ متابعت کس نے کی ہے؟ اور کس نے بیان کی ہے۔ حوالہ دیتے تو سچ معلوم ہو جاتا۔ جناب من! ہوائی فائروں سے کام نہیں بنا کرتا۔ کامیابی کے لیے اور فتح کے لیے گولہ بارود درکار ہوتا ہے۔ آپ کے مقلدین اہل حدیث اگر اس بات پر اعتماد کرتے ہیں کہ بلا تحقیق آپ کی باتوں پر ایمان مجمل رکھتے ہیں تو ان کی مرضی، ہم تو آپ سے اس دعویٰ کی صحت کی معقول

دلیل دریافت کرتے ہیں۔ یہ اجتہادی چیز تو نہیں کہ آپ کا کہنا مان لیا جائے یہ تو نقل کی
چیز ہے۔ بلا دلیل یہ دھوکہ ہی کہا جائے گا۔
متابعت موافقت کو کہتے ہیں ص۴۲ میں حضرت بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس زیادت (خلف الامام) کو صحیحۃ مشھورۃ مِنْ اَوْجُہٍ کَثِیْرَۃٍ فرماتے ہیں آپ نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ لوگ تصدیق کر لیں گے۔ ہم حضرت بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی محمد بن محمد کی روایت میں بے اعتدالی آپ کے سامنے ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت میں خلف الامام کی یہ زیادہ مشہور روایات کے خلاف شاذ اور مردود ہے۔ جب ان کا مدلس ہونا آپ تسلیم کر چکے ہیں اور اوپر عن محمود سے روایت ہے تو شاید درمیان کے راوی کو گرا کر عَنْ محمود کہہ دیا ہو، بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ محمود کے اوپر بھی عَنْ عبادۃؓ ہو اور یہاں بھی یہی شک ہے۔ مدلس کبھی شیخ سے اوپر بھی تدلیس کا کام کر جاتا ہے ان دونوں جگہ سماع اور تحدیث کا لفظ پیش کرنا ہوگا۔ ہاں اگر ان کا متابع یعنی بعینہا یہی روایت نقل کرنے والا ان دونوں جگہ تحدیث نقل کر دے تو کافی ہو جائے گا۔

مُدلّس کی متابعت کا یہی معنیٰ ہوتا ہے۔ دیکھئے بخاری شریف ص۸۲ میں ھشام عن قتادۃ عن ابی العالیۃ عن ابن عباسؓ کے طریقہ سے سند مذکور ہے اس میں قتادہؒ مدلس ہے اور عَنْ سے روایت کرتا ہے۔ اس لیے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد شعبۃ عن قتادۃ سَمِعْتُ ابا العالیۃ کے طریقہ سے متابعت نقل کی ہے جس میں سَمِعْتُ مذکور ہے۔ تدلیس کا شبہ رفع ہو گیا۔ اسی طرح آپ کو زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی متابعت میں سَمِعْتُ مَحْمُوْدًا سَمِعْتُ عبادۃؓ یا حدثنی کے طریقہ سے روایت پیش کرنی ہوگی یہ شبہ تدلیس جبھی رفع ہوگا اگر گزشتہ مکحولؒ کی روایات کو اس کا متابع بنائیں تو بالکل صحیح نہیں کیونکہ ان میں بھی عن محمود عن عبادۃؓ وغیرہ الفاظ ہیں۔ سماع اور تحدیث ان میں مروی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس مذکورہ روایت میں خلف الامام کا لفظ ہے اولاً

میں نہیں۔ اُن میں فجر کی نماز میں یا اور نمازوں میں حضرت محمود کا حضرت عبادہؓ کے ساتھ نماز پڑھنے کا قصہ مذکور ہے اور وہ اس میں نہیں تو پھر یہ متابعت کیسے بن سکتی ہے کہ یہ موافقت ہے یا مخالفت؟ آنکھیں کھولیے!

آپ تو یہ زیادت خلف الامام کی من اَوْجُہٍ کَثِیْرَۃٍ مروی ہونا بتا رہے ہیں ہمیں اس کا صرف دو ہی صحیح طریقے سے مروی ہونا بتا دیجئے۔ گزشتہ محمود کا حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر نماز پڑھنا اِلٰی اٰخرہٖ قصہ متعدد طریقوں سے مروی گزر چکا ہے لیکن اس میں کذاب اور وضاع، ولا تحل الرواية عنه، کے قبیلہ کے لوگ تھے۔ بیان گزر چکا ہے کہ ان کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس کے باوجود موافقت نہیں بلکہ راوی کی مخالفت ہے۔ پھر متابعت کیسے ہو سکتی ہے؟

الحاصل یہ دعویٰ بلا دلیل ہی ہے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰب کے بعد خلف الامام کی زیادۃ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں یہ کسی حذف کیے ہوئے اور ضعیف و متروک راوی کی کارستانی ہے۔ ھَلُمَّ شُھَدَاءَکُمْ۔ اثباتِ فریضہ کے لیے ایسی ناکارہ روایت کا سہارا کون سا انصاف ہے؟ بالخصوص جبکہ مقابل میں صحیح مسلم کی روایت وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا ثابت ہو چکی ہے اور اخرجہ مسلم فی صحیحہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم قواعد سے نہیں نکلتے۔ آپ کو قواعد پر چلنے کی کہتے ہیں۔ دیکھئے خیر الکلام ص۲۹ میں لکھا ہے۔ بسیر نیؒ نے کہا اگر صحابی سے عَن کے ساتھ روایت کرے تو مقبول نہیں۔ اگر سماع کی تصریح کرے تو مقبول ہے۔ عراقیؒ نے کہا یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں: حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تابعی مدلس نہ ہو تو عَن کی روایت سماع پر محمول ہو گی۔

اب فرمائیں کہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ جب تابعی مدلس ہیں اور آپ نے

اس کو تسلیم کر لیا ہے تو اس کی روایت عَنْ مَحْمُوْد عَنْ عُبَادَۃ کیسے مسموع و مقبول ہو سکتی ہے؟ جب تک تصریح سماع کی نہ ہو۔ اسی لیے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ صحیح روایت پیش کریں اور خلف الامام والی یہ روایت جو حضرت امام زہریؒ سے آپ نقل کر رہے ہیں اور روایت عَنْ۔ عَنْ کے طریقہ سے مروی ہے مقبول نہیں۔ اگرچہ عنا وجدہ کثیرہ بھی مروی ہو جب تک آپ اس کا سماع ثابت نہ کریں گے قابلِ احتجاج نہیں ہو سکتی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ ۔

مزید سُنیے: خیر الکلام ص۲۲۷ میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قولہ فانتھی الناس عن القرأۃ .... الخ۔ یہ حضرت امام زہریؒ کا قول ہے۔ بے شک امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور اسی کی تابعداری میں ترمذیؒ میں کہا قال الزھری فانتھی الناس عن القرأۃ اور یہی نقل در نقل شافعیہ حضرات کر رہے ہیں اور غیر مقلدوں کو بھی یہ لقمہ مل گیا ہے۔

لیکن ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راویٔ حدیث کا فرمان ہے۔ اسی لیے ابوداؤد کے ایک طریقہ میں قال ابوھریرۃ فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مروی ہے۔ لیکن حضرت امام زہریؒ جب یہ روایت بیان کر رہے تھے اور اس جگہ پہنچے تو آواز پست ہو گئی تو شاگرد نے اپنے پاس والے سے پوچھا: ماذا قال الزھری؟ اس نے جواب دیا: قال الزھری فانتھی الناس... الخ یہ زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اپنا مقولہ نہیں ہے بلکہ بیان کردہ حدیث کے غیر مسموع الفاظ کا بیان تھا، اس طرح کبھی ہو جاتا ہے۔

بخاری شریف ص۱۰۷۲ ج۲ میں ہے: سَمِعْتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول یکون اثنا عشر امیرا فقال کلمۃ لم اسمعھا فقال ابی انہ قال کلھم من قریش۔ یہ آخری جملہ اصل حدیث کا تتمہ تھا جو سنا نہیں گیا تھا۔ پھر پوچھنے پر بتایا گیا۔ یہاں ماذا قال الزھریؒ؟ میں بھی اسی طرح ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ فانتھی الناس اصل حدیث کا ٹکڑا تھا جو حضرت ابو ہریرہؓ سے

مروی ہے اور یہ سُننے میں نہ آیا تھا، دریافت کیا گیا تو اس پر بتایا گیا اور قال الزھریؒ .... الخ کہا گیا۔

فائدہ بعض حضرات محققین کرام کا جن میں حافظ ابنِ تیمیہؒ بھی ہیں فرمان یہ ہے کہ فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ اگر حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی مان لیا جائے جیسے امام بخاریؒ کا خیال ہے اور امام ترمذیؒ بھی اسی کو اختیار کر رہے ہیں جب بھی مقصد تمام ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس فرمان میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل بیان کر رہے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل اس کے بعد ترک قرأت خلف الامام بن گیا وہ آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے رُک گئے اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کثیر التعداد صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور پایا کہ ان کا یہی معمول تھا، تو یہ بھی ترک قرأۃ خلف الامام کی قوی دلیل ہے۔ الغرض یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائیں جب بھی حجت ہے کہ خلف الامام قرأت نہ کرنی چاہیئے اور اسی طرح اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھنے اور پانے والے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس بیان میں صادق و مصدوق مانے جائیں گے۔ تعامل ایک دن کا معمول نہیں ہوتا بلکہ رواج کو کہا جاتا ہے یہ تو اور قوی حجت ہو جائے گی کہ انھوں نے مذکورہ روایت بھی بیان کی اور اس پر جاری وساری تعامل بھی ذکر فرما گئے۔ ان کا بیان کوئی جھوٹ نہیں بلکہ حقیقتِ حال کا تذکرہ ہے۔ سنداً حدیث نقل میں کبھی ضعیف بھی ہو جاتی ہے لیکن اگر اس پر تعامل خیر القرون میں پایا گیا ہو تو وہ قابلِ اعتبار اور حجت بن جاتی ہے۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس نکتہ پر متنبہ کیا ہے۔ حدیث پر کبھی حسن بلکہ ضعیف ہونے کا حکم کر جاتے ہیں لیکن اس کے بعد عمل حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ کا اسی پر ہونے کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔ دین اسی تعامل کا نام ہے: ما انا علیہ واصحابی کا فرمان بھی یہی بتاتا ہے۔ ترمذی کو دیکھیں آپ کو یہی بات نظر آئے گی۔ مثلاً ترمذی مطبع مصطفائی ص ۳۶/۵۴، ص ۶۷/۷۷، ص ۱۸۰/۱۸۴، ص ۲۲۱، ص ۶۵ وغیر ذلک۔ ان سب جگہ حدیث

... کی بات ہے اور یہی بات حضرت امام شافعی رحمۃ ...
... کی بیان کی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ...
... اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ثابت کرنا ... کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ نہیں۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ... ہے۔ یہ بات بجائے مفید ہونے کے اُلٹی ان کے لیے مضر بن گئی ہے۔ ہم نے بھی ... بھی گزشتہ کہا تھا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأت سے رک گئے آپ لوگوں (غیر مقلدین) کو بھی رُک جانا چاہیئے۔ مصنف خیر الکلام ایک جگہ حیلہ سازی کر گئے کہ وہ مع الامام پڑھنے سے رُکے تھے سکتوں میں پڑھنے کی نفی نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ لوگ بھی مع الامام کے تعامل کو چھوڑ دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی اس کو چھوڑ رہے ہیں۔ سکتوں کا معاملہ بعد کو طے کیا جائے گا۔ انشاء اللہ عنقریب اس کا بیان آنے والا ہے۔

ایک اور بات مناسب مقام بھی سنتے جائیے۔ داشتہ آید بکار

حضرات غیر مقلدین ایک رکعت کے دو سجدوں کے بعد تھوڑی مقدار بیٹھ کر اُٹھا کرتے ہیں اسی طرح تیسری رکعت کے دو سجدوں کے بعد بھی۔ اس کی اصل بنیاد حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے دیکھا۔ بخاری شریف ص ۱۱۳ میں ہے: کان مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا کان فی وتر من صلاتہ لم ینہض حتی یستوی جالسًا۔

... اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف ... پھر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بخاری ...

ص۲۳۶۔ بخاری شریف ج۱ میں بھی ہے کہ اسی طرح شیخ عمروؓ بن سلمہ بھی کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی صاحبؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ فرمایا: علیہ العمل عند بعض اهل العلم اور اکثریت کے خلاف تھی۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حدیث ابی هریرۃ علیه العمل عند اهل العلم يختارون ان ينهض الرجل على صدور قدميه یعنی اہل علم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل اسی ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر ہے کہ نماز میں وہ پسند کرتے ہیں کہ آدمی پنجوں پر زور دیتے ہوئے سیدھا اُٹھ کھڑا ہو اور نہ بیٹھے۔ حدیث اگرچہ اس میں ضعف ہے لیکن تعامل اسی پر ہے۔ اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ یہی بات بخاری شریف ص۱۱۳ میں ہے قال ایوب كان شيخنا عمروؓ بن سلمه يفعل شيئا لم ارهم يفعلونه۔ یعنی حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کیا کرتے تھے کہ میں نے کسی اور کو ایسے کرتے نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت کے بعد اٹھتے ہوئے بیٹھ کر کھڑا ہونا قلیل اور نادر کے درجے میں تھا۔ جب کہ اکثریت اس کے خلاف تھی۔

لیکن غیر مقلدین کا معمول جس کو مسلک اہل حدیث کہتے ہیں وہ بھی مالک بن حویرث اور عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا طریقہ ہی ہے۔ ان کو حنفیہ کے خلاف میں ہی مزہ آتا ہے ان کا مسلک ہی اختلاف پیدا کرنا معلوم ہوتا ہے ورنہ عام اکثریت کے خلاف کیوں چلتے؟ ابھی آپ نے تراویح کے بارہ میں حوالہ دیکھا کہ دنیا میں سب ائمہ دین اور ان کے متبعین بیسؔ ہی کے قائل ہیں چودہ سو سال سے حرمین شریفین میں بھی بیسؔ ہی کا رواج چلا آرہا ہے لیکن یہ سب دنیا کے مخالف ہی ہو کر نکلے جاتے ہیں۔ یہی حال طاق رکعت سے اُٹھنے کے وقت ابھی آپ نے بخاری شریف میں دیکھا کہ لم ارهم يفعلونه۔ لیکن غیر مقلدین يفعلونه ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف ص۱۱۳ کے حاشیہ کو دیکھیں کہ فرمایا حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی معمول و مختار تھا۔ پھر لکھا: فقد اتفق اكابر الصحابة الذين كانوا اقرب

الیہ صلی اللہ علیہ وسلم من مالک بن الحویرث فوجب تقدیمہ ویحمل ماروٰہ علی حالۃ الکبر۔ یعنی اکابرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے اور حالات کو زیادہ بہتر سمجھتے اور جانتے تھے انہی کی بات کو اور انہی کے عمل کو لیا جائے گا اور جو حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور نقل کیا وہ آپؐ کے ضعف کے زمانہ کی بات ہوگی۔ اور یہ کچھ بعید نہیں۔ بخاری شریف صفحہ ۱۰۳ ج ۱ میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ سمع اللہ لمن حمدہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے اور نیچے کو جھکتے ہم لوگ کھڑے رہتے تھے جب آپؐ سر مبارک زمین پر رکھتے جب ہم نیچے جھکتے تھے اور یہ کرنا اسی لیے تھا کہ آپؐ ضعیف ہو چکے تھے آہستہ آہستہ نیچے جھکتے۔ اگر لوگ ساتھ ہی جھکتے تو شاید تقدم علی الامام کی نوبت آجاتی۔ قاموا قیاما حتی یروہ قد سجد۔ (بخاری صفحہ ۱۰۳)

مزید اطمینان کے لیے فتح الباری صفحہ ۲۵۲ ج ۲ کی طرف مراجعت فرمائیں۔ مالک رضی اللہ عنہ بن الحویرث قدم المدینۃ حین التجہز للتبوک فاقام عندہ عشرین لیلۃ۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ کو آئے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگِ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔ وہ بیس (۲۰) دن رات رہے۔ اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ یہ ضعف کا زمانہ ہی تھا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سہارے سے اُٹھنے کو ضعف پر محمول کیا۔ اس کو سنت نماز نہیں بنایا لیکن نو وارد مالک رضی اللہ عنہ بن الحویرث نے اسے قصدی عمل سمجھا۔ ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ (نماز پڑھا کرو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا) فرمایا تھا۔ اس لیے انھوں نے اس طرح کی نشست کو بھی حکایت صلوٰۃ میں لے لیا اور اس کو جلسۂ استراحت کہا کرتے ہیں جس پر غیر مقلدین حضرات خاصے مُصر ہیں۔ علاوہ ازیں اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلسہ استراحت کیا ہے تو یہ آپ کا فعل ہے اور حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت کے لیے قول یہ ہے: ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی قائما. الحدیث (بخاری ص۱۰۹ج۲) یعنی دوسرے سجدہ کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اصول حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب قول اور فعل حدیث کا تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ وہ امت کے لیے قانون ہوتی ہے۔ (دیکھئے نووی شرح مسلم ص۲۵۲ج۱، کتاب الاعتبار ص۱۵ ونیل الاوطار ص۱۰۱ج۱)

بہرحال اعتبار اختلافی مسائل میں اہل العلم کی اکثریت کا ہوتا ہے۔ اکثریت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نہوض علی صدور قدمیہ کی ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل بھی مروی ہے: کان ینہض علی صدور قدمیہ امام ترمذی کا فرمان گزر چکا ہے کہ بیٹھ کر کھڑا ہونا اقل قلیل کا عمل ہے۔ امام بخاری شریف کی روایت میں بعض سلف کا عمل لم یرفعوا ثم یفعلونہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ اسی طرح ہوا جیسے عصر کے بعد نفل پڑھنا بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل تھا لیکن جمہور صحابہ کرامؓ اس کا انکار کرتے تھے۔ آپ ہی فیصلہ کیجئے۔ ہمیں تو انما معترۃ للتکاثر ہی اصل معلوم ہوتا ہے۔

خلاصۃ الکلام

محمد بن اسحٰق کی روایت ترمذی ص۴۱، ابوداؤد وغیرہ میں عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت کی سند سے مروی ہے غیر مقلدین کے نزدیک اس میں ابن اسحٰق اور مکحول دونوں ثقہ ہیں لیکن دونوں مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں۔ صحیحین کے علاوہ مدلس کی روایت مشکوک ہوتی ہے، کیونکہ مدلس اپنے اور شیخ کے درمیان ضعیف راوی کو بھی گرا کر اوپر ثقہ کے طرف نسبت کر دیتا ہے۔ دارقطنی اگرچہ ابن اسحٰق کے بعد حدثنی مکحول نقل کرتے ہیں لیکن ان کے اوپر

عَن۔ عَن ہی ہے جب تک ان دونوں جگہ سماع یا تحدیث مذکور نہ ہو روایت مشکوک ہی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ خیر الکلام ص۲۱۷ میں جو لکھا ہے علا بن الحارث نے محمد بن اسحٰق کی اس سند کے ذکر کرنے میں متابعت کی ہے، یہ ناکافی ہے کیونکہ اس کی سند ص۲۱۵ پر لکھی ہے۔ عن العلاء بن الحارث عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ بن الصامت۔ اس میں بھی مکحول کے اوپر عَن۔ عَن سے روایت ہے۔ اس میں بھی تدلیس کا شبہ موجود ہے یہ شبہ جب رفع ہوتا کہ مکحول سمعت محمودًا سمعت عبادۃؓ ہوتا۔

(۲) اس کو متابعت کہنا بھی غلط ہے کیونکہ ابن اسحٰق کی روایت میں فجر کی نماز میں حضرت عبادۃؓ کا امام کے پیچھے قرأت کرنے کا قصہ مذکور ہے اور وہ علا بن الحارث کی اس روایت میں نہیں۔ متابعت تو موافقت کو کہتے ہیں اسی طرح علا بن الحارث کی روایت میں امام او غیر امام کا لفظ مروی ہے وہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں نہیں ہے۔

(۳) ص۲۱۵ پر لکھا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قد تابع محمد بن اسحٰق علی ھذہ الروایۃ عن مکحول غیرہ من الثقات الشامیین۔ یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ ہے اور مغالطہ دیا گیا ہے۔ خود انھوں نے بیان کیا کہ پانچ شامی حضرات نے روایت مرسل بیان کی ہے۔ رواہ اھل الشام مرسلا فرمایا ہے۔ یعنی پانچ شام کے راویوں نے روایت مکحول عن عبادۃؓ مرسل طور سے بیان کی ہے اور محمد بن اسحٰق مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ بن الصامت بیان کر رہے ہیں۔ یہ سند متصل ہے پھر متابعت کیسے ہوئی؟ مرسل بیان کرنے والے حضرات میں ایک ابن جابرؒ ہیں۔ (ابوداؤد ص۱۱۹۔ بذل المجہود ص۵۲ ج۲)۔ دوسرے شعیبؒ بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ (ابوداؤد) اور عبداللہؒ بن العلاء۔ یہ سب مکحول عن عبادۃؓ روایت کرتے ہیں۔ (ابوداؤد ص۱۱۹ ج۱)۔ اسی طرح زبیدیؒ محمد بن الولید بن عامر (دارقطنی ص۱۲۱ ج۱) اور نعمانؒ بن المنذر بھی مرسل بیان کرتے ہیں۔ (کتاب القرأۃ ص۴۴)۔ ان سب حضرات کی

سند محمد بن اسحٰق کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ وہ مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ کہتے ہیں اور وہ محمود کے ذکر میں منفرد ہیں۔ یہ پانچ حضرات مرسل نقل کرتے ہیں اور مکحول کے دو شاگرد زید بن واقد اور یزید بن یزید بن جابر عن مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ اسی طرح مکحول کے دو ساتھی متابع حرام بن حکیم اور عثمان بن ابی سودۃ بھی مکحول عن نافع بن محمود روایت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب القرأت ص۴۲ و دارقطنی ج۱ ص۱۲۱) مگر محمد بن اسحٰق ان ثقات کے خلاف مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ اس لیے اس کی روایت کو شاذ کہا گیا ہے۔

تنبیہ

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ ان نو حضرات کی روایتیں، ایک بھی ابن اسحٰق کی متابعت نہیں ہے۔ خیر الکلام میں ان کو متابعت کا نام دے کر مغالطہ ہی دیا گیا ہے اور اس کی جڑ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لگائی۔ کہ فرمایا: تابع محمد بن اسحٰق علی ھذہ الروایۃ عن مکحول غیرہ من الثقات الشامیین۔ کیا کسی ایک روایت میں بھی ان حضرات نے مکحول عن محمود کہا ہے؟ اصل بات اسی میں ہے کہ یہ حدیث یا نافع بن محمود مجہول کے ذریعے ہے یا مکحول عن عبادۃؓ کے طریقہ سے، جو مرسل ہے۔ درمیان کے راوی نہ معلوم کون ہیں؟

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عن مکحول کے بعد عن محمود کا لفظ ذکر نہ کیا تاکہ بات کچھ بن جائے۔ کہ یہ سب بھی مکحول سے روایت کرتے جیسے ابن اسحٰق نے کی ہے۔ حالانکہ یہ محلِ بحث نہیں۔ محل عن محمود ہے۔

نقشہ (۱)

۱۔ محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع ۔ عن عبادۃ بن الصامت
مُدلِّس مُدَلَّس تدلیس

علاء بن الحارث عن مکحول ۔ عن محمود بن الربیع ۔ عن عبادۃ الخ

ابن جابر ۔ سعید بن عبد العزیز
عبد اللہ بن العلاء ، زبیدی ، نعمان بن المنذر } عن مکحول ——— عن عبادۃ الخ

۲۔ زید بن واقد ۔ یزید بن یزید ۔ عن مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ

۲۔ زید بن واقد عن حرام بن حکیم .... عن نافع بن محمود ۔ عن عبادۃ
یزید بن یزید عن عثمان بن الاسود .... عن نافع بن محمود ۔ عن عبادۃ

اطلاع : علاء بن الحارث کی سند میں بھی شبہ تدلیس کا ہے رفع نہیں ہوتا۔ اس لیے اسکو نظر انداز کیا گیا ہے اور یہ لے گو دبے مکحول عن محمود عن عبادۃ ابن اسحٰق کی طرح ہے اس لیے اس کی سند تو ثقات کے مخالف کہی گئی ہے ۔ د مرسل نقل کرتے ہیں اور ۲ نافع بن محمود کا واسطہ بیان کرتے ہیں ۔ محمود بن الربیع کا ذکر ایک میں بھی نہیں ہے اور علاء بن الحارث والی متابعت تو خفتہ را خفتہ کے کند بیدار والی بات ہے ۔

فیہ قصۃ قرأ عبادۃ
فی صلوۃ الفجر مع قولہ
لَا تَفْعَلُوْا .... الخ

فیہ کراہیۃ القرأۃ مطلقاً
مع قولہ امام او غیر امام
لا متابعتہ

زبیدی ہو محمد بن الولید
بن عامر (حاشیہ بخاری ص۱۰۳۶/۲۲)

زید بن واقد ، ابوداؤد ، دارقطنی
بیہقی ، نسائی ، جزء القرأت

یزید بن یزید بیہقی

زید بن واقد القرشی الدمشقی
ابو عمرو عن جبیر بن نفیر
وبشیر بن عبید اللہ وعنہ
صدقۃ وسوید بن
عبد العزیز ویحیی بن حمزہ
وثقہ احمد مات ۱۳۸ھ
حاشیہ نسائی ص۱۰۱

حرام بن حکیم بن خالد الانصاری الشامی
ویقال ہو حزام بن معاویہ ۔ حاشیہ نسائی ص۱۰۶ ۔
وثقہ رحیم اخذ عن عمہ عبد اللہ بن سعد
وابی ہریرۃ وعنہ العلاء بن الحارث وعبد اللہ
بن العلاء ۔ حاشیہ نسائی ص۱۰۶

اور خیر الکلام ص۲۲۰ میں جو لکھا کہ محمد بن اسحٰق کی زید بن واقد نے متابعت کی یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ نافع بن محمود سے روایت کرتے ہیں اور ابن اسحٰق محمود بن ربیع سے۔ یہ مخالفت ہے نہ کہ متابعت۔

۲۔ محمد بن اسحٰق کی متابعت ثانیہ میں مصنف خیر الکلام کی فریب کاری

سند حدیث یہ ہے۔ ص۲۱۷

سند: ولید بن مسلم عن سعید بن عبد العزیز عن مکحول عن ابی نعیم عن عبادۃ بن الصامت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دیکھئے ابن اسحٰق مکحول عن محمود بن الربیع نقل کرتا ہے اور سعید بن عبد العزیز مکحول عن ابی نعیم کہتا ہے یہ صاف اور صریح مخالفت ہے۔ یہ متابعت کیسے ہوئی؟ خیر الکلام ص۲۱۸ میں دار قطنی، مستدرک حاکم اور سنن الکبریٰ للبیہقی کے حوالے دیئے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ ابو نعیم وہم ہے کہ وہ مؤذن تھا۔ لیکن اگر اس کو وہم بنا کر کاٹا جائے تو مکحول عن عبادۃ بن الصامت ہو جائے گا۔ پھر بھی متابعت نہ ہوگی۔ کیونکہ ابن اسحٰق مکحول عن محمود عن عبادۃ کہتا ہے۔ یہ سند متصل ہے اور وہ مرسل اور منقطع ہے۔

(۲) اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس روایت کا متن یہ ہے: ھل تقرؤون فی الصلوٰۃ معی؟ قلنا نعم۔ قال فلا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتٰب۔ اس ابن اسحٰق کی روایت میں فجر کی نماز کا قصہ مذکور ہے اور ابو نعیم والی میں وہ نہیں تو متابعت یہ کیسے بن گئی؟ یہ تو مخالفت ہے نہ کہ متابعت۔

۳۔ ابن اسحٰق کی تیسری متابعت میں مصنف خیر الکلام کی غلط بیانی ص۲۱۹

ص۲۱۹ پر لکھا کہ نافع بن محمود کہتے ہیں کہ حضرت عبادۃ بن الصامت ایک دن صبح کی نماز میں پیچھے رہ گئے۔ ابو نعیم مؤذن نے امامت کرائی .... الخ

آپ معلوم کر چکے کہ ابن اسحٰق کی روایت جو ترمذی ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں ہے۔ محمود بن الربیع کا حضرت عبادہؓ سے نماز میں جمع ہونے کا قصہ ہے اور اس میں نافع بن محمود کا ان کے ساتھ جمع ہونا مذکور ہے۔ دونوں میں صریح تخالف ہے۔ یہ متابعت کیسے بن گئی؟ بقیہ وجوہ فساد کے گزشتہ گزر چکے ہیں مراجعت فرمالیں۔ اس کو متابعت کہنا محض دھوکہ بازی ہے۔

مصنف خیر الکلام و ترجمان جماعت اہلِ حدیث صلا میں فرماتے ہیں: مکحول کی پہلی متابعت۔ اس کے بعد لکھا کہ: "امام بیہقیؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن عمرو بن الحارث محمود بن الربیع سے روایت کرتا ہے وہ عبادۃؓ بن الصامت سے۔ محمود نے عبادۃؓ بن الصامت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھی .... الخ"

غالباً واللہ اعلم مصنف خیر الکلام نے جان بوجھ کر اس کی سند بیان نہیں کی شاید یہ خطرہ محسوس کیا کہ راویوں کے نام ذکر کرنے سے حدیث کے اعتبار کرنے میں لوگ شک میں پڑ جائیں گے۔ بلکہ اس کو ناکارہ سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں گے اس لیے صرف حدیث کا بیان کردہ ترجمہ کر دیا اور متابعت کا بہانہ بنا کر اور اس کو مقبول بنانے کی کوشش میں اس کو بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا۔

اس حدیث کی بنیادی کارروائی امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کی۔ اسے مفید مطلب سمجھ کر امام بیہقیؒ نے ذکر کیا۔ فوراً غیر مقلدین کے ہاتھ آیا۔ اس کے راوی بعض ایسے ناکارہ ہیں کہ لا تحل الروایة عنه حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرما گئے ہیں۔ لا یصح حدیثه امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گزشتہ تفصیل گزر چکی ہے مراجعت فرمالیں اس میں من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار کا خطرہ پایا جاتا ہے۔ دارقطنی کی سند جس کو چھپایا گیا ہے یہ ہے:

اسحٰق بن سلیمان الرازی عن معاویة بن یحیی عن اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروة عن عبد اللہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربیع الانصاری قال قام الی جنبی عبادة ..... الخ

اس کے بعد قصہ بیان کیا گیا ہے۔

اصل کلام ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ وہ عن مکحول عن محمود عن عبادہؓ کہتا ہے اور مکحول ارسال بھی کرتا ہے۔ جیسے گزشتہ نقشے میں پانچ شاگردوں سے عن مکحول عن عبادہؓ نقل کرتے ہیں اور تدلیس بھی کرجاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کی عن۔ عن کی روایت مشکوک بن جاتی ہے ایسی روایت قابل احتجاج نہیں بنتی۔ محمود سے اس کا سماع یقیناً نہیں۔ جیسے ترمذی کے حوالے سے گزرا۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول سمع مکحول من محمود ونافع بن محمود دعوٰی بلا بینہ ہے۔ جو مقبول نہیں۔ اس کے لیے اکابر محدثین کرام کی شہادت پیش کرنی ہوگی۔ کسی پچھلے کا قول بھی معتبر نہیں ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ انہی کی پیروی میں کہہ گیا ہو۔ اگر بالفرض سماع ثابت بھی ہوجائے اور ملاقات کا ذکر بھی آجائے جب بھی شبہ تدلیس کا رفع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مدلس ہوتا ہی وہی مدلس ہے کہ جس شیخ سے ملاقات ہو اور سماع ہو لیکن کوئی حدیث اس سے خود نہیں سنی کسی واسطہ سے سنی ہو اور اس کو حذف کرکے اوپر شیخ کا نام لیا جائے۔ ایسا شخص جب تک سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِیْ نہیں کہے گا مشکوک رہو گا۔ اس لیے ابن اسحٰق کی روایت مشکوک ہی ہے۔ کیا علاء بن الحارث کی اس روایت میں مکحول کے محمود سے سماع کا تذکرہ ہے؟ یقیناً نہیں پھر فائدہ وہ متابعت کیسے بن سکتی ہے؟ اس کو متابعت کہنا ہی بے اصولی بات ہے۔ متابعت کا مقصد شبہ تدلیس کا رفع کرنا ہوتا ہے، اس طرح کے متابع کے بیان میں سماع یا تحدیث کا ذکر آجائے۔ اس روایت کے راویوں کی خامی گزشتہ بیان ہوچکی ہے۔ اعادہ کا مزید فائدہ نہیں۔

عمرو بن الحارث کی حدیث بروایت بیہقی کی سند یہ ہے:

محمد بن حمیر ثنا شعیب بن ... بن حمزۃ عن عبد اللہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت

اس میں بھی عن محمود عن عبادہؓ ہے۔ اس میں سماع کا تذکرہ نہیں

بقیہ رواۃ کا حال گزشتہ گزر چکا ہے۔

مکحول کی دوسری متابعت خیر الکلام ۲۲۵ | زہری محمود بن الربیع سے د. عبادۃؓ سے۔ الخ مصنف خیر الکلام نے تسلیم کیا ہے کہ زہری مدلس ہے۔ (ص۱۰۴، ص۲۲۷) اور عن عن سے روایت کرتا ہے۔ مکحول کی طرح اس کی روایت بھی مشکوک ہے۔ پھر اس متابعت سے شبہ تدلیس کا کیسے رفع ہو سکتا ہے۔ خود کہتے ہیں کہ متابعت سے شبہ تدلیس کا رفع ہو جاتا ہے۔ (ص۲۲۷)

حقیقت حال یہ ہے کہ خیر الکلام میں جو ابن اسحٰق اور مکحول کی متابعات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں ایک بھی حقیقی معنوں میں متابع نہیں۔ جیسے آپ نے ان کو غور سے دیکھا۔ ہاں ہر ایک مستقل حدیث ہے لیکن چونکہ ایک بھی قابل اعتماد نہیں بنتی۔ اس لیے ان کو متابع کے نام سے ذکر کر رہے ہیں اور اقرار کرتے جاتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ متابع بن سکتی ہے۔ یعنی اگر کسی نے پوچھا کہ اس میں تو فلاں فلاں راوی ناکارہ ہے تو ہم کہہ دیں گے کہ اس کو متابع کے طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے استدلال نہیں کیا گیا۔

دیکھئے ص$\frac{۲۲۴}{۱۲۵}$ میں عمرو بن الحارث کی روایت مکحول کی پہلی متابعت کے نام سے لائے ہیں اور کہا کہ بعض حنفیہ نے عمرو بن الحارث کو مجہول کہا ہے اور کہا کہ اگرچہ اس کے نیچے دو راوی ہیں لیکن مجہول الحال ضرور ہے۔ یعنی صرف عدالت معلوم نہیں۔ مصنف خیر الکلام اس کو مستور کہہ کر فرماتے ہیں کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے حرج نہیں یعنی ہم نے عمرو بن الحارث مجہول کی روایت کو دلیل نہیں بنایا متابع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے مجہول کی روایت کو حسن بھی نہیں کہہ سکتے۔ خاص کر یہ کہ اس کے نیچے راوی اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرما چکے ہیں لا تحل الروایۃ عنہ "اس سے روایت کرنا حلال نہیں" اور حضرت ابن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لا یکتب حدیثہ" اس کی حدیثیں نہ لکھی جائیں۔ مزید تفصیل گزر چکی ہے،

مراجعت فرمالیں۔ ایسے مجہول کی متابعت سے کس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کو متابعت کہنا بھی غلط ہے۔ ابنِ اسحٰق عن مکحول کی روایت میں فجر کی نماز بالخصوص قصہ مذکور ہے اور اس میں وہ نہیں۔ لیکن خیر الکلام کے مصنف نے اس کو متابعت کا نام دے کر شبہ میں ڈالا ہے اور راویوں کا تذکرہ بھی نہ کیا کہ شاید ان کے حالات کوئی پوچھے گا۔ اور اگر کسی واقف کار نے ان کی بیماری کا تذکرہ کیا تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے تو یہ روایت متابعت میں ذکر کی ہے۔

متابعات خمسہ کا اجمالی تذکرہ اور ان کا مناسب حال تبصرہ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ

مصنف خیر الکلام جماعت اہل حدیث کے فاضل وکیل نے فاتحہ خلف الامام کے فرض ثابت کرنے کے لیے جو ان کا مسلک ہے۔ محمد بن اسحٰق کی حدیث جو مکحول عن محمود بن الربیع یا ربیعۃ عن عبادۃؓ بن الصامت کے طریقہ سے مروی ہے، نقل کر دی ہے۔ پوری سند اگرچہ ذکر نہیں کی لیکن محمد بن اسحٰق اور مکحول کی توثیق و تعدیل کا ذکر خیر بھی کر دیا۔ ان میں تدلیس اور ارسال کا نقص جو بتایا جاتا ہے اس کی اپنی سوابدید کے مطابق چارہ جوئی بھی کر دی۔ اس کے بعد ابنِ اسحٰق کے تین متابعات اور مکحول کے دو متابعات بھی ذکر کیے تاکہ یہ حدیث قابلِ قبول بن جائے، جن کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ گزر چکا ہے۔ اس وقت نظر ثانی میں اجمالی انداز کی بعض باتوں کا تذکرہ مقصود ہے۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یَفْتَحُ بِہٖ قُلُوْبًا غُلْفًا وَّاَعْیُنًا عُمْیًا وَّآذَانًا صُمًّا۔ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان متابعات مذکورہ خمسہ میں ایک بھی متابع بالمعنی الصحیح نہیں۔ اگر کوئی قسم کھائے تو ان شاء اللہ العزیز حانث نہیں ہوگا۔ آپ حقیقت حال کو غور سے سوچیں گے تو تعجب ہوگا کہ ان کو متابعات کیسے کہا گیا؟ نہ سند میں موافقت نہ متن حدیث میں مطابقت اور نام اس کا متابعت کہتے جاتے ہیں۔ پیتل کو سونا کہہ کر دوسروں کو تسلی دے رہے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جماعت والے لوگ تو میری عقیدت میں ہماری بات مان کر خوش ہو جائیں گے۔ لیکن مشہور ہے کہ جھوٹے کی منزل تھوڑی

ہوتی ہے حقیقت واضح ہونے کے بعد رسوائی ہی رسوائی اور رُوسیاہی ہوتی ہے۔

۱۔ خیر الکلام ص۲۲۰ میں ہے "محمد بن اسحٰق کی زید بن واقد نے مکحول سے متابعت کی ہے" سُبْحَانَ اللہ! آنکھیں بند ہیں۔ محمد بن اسحٰق کی سند عن مکحول عن محمود عن عبادۃؓ اور زید بن واقد کی سند مکحول عن نافع بن محمودؓ عن عبادۃؓ ہے۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارقطنی۔ گزشتہ نقشہ کو دیکھ لیجئے، صداقت معلوم ہوجائے گی۔ یہ متابعت کیسے بن گئی؟

۲۔ خیر الکلام ص۲۲۵ میں ہے مکحول کی دوسری متابعت: "زہری محمود بن الربیع سے وہ عبادۃؓ بن الصامت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ خلف الامام" (کتاب القرأۃ للبیہقی)

اس کو مکحول کی متابعت کہنا صاف دروغ گوئی اور غلط بیانی ہے۔ متابعت موافقت کو کہتے ہیں۔ مکحول کی مذکورہ روایت میں فجر کی نماز میں کسی کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے کا قصہ مذکور ہے کہ آپ نے اس کی قرأت پر ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا..... الخ۔ اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس روایت میں اس کا ایک حرف بھی مذکور نہیں۔ پھر موافقت کیسے ہوئی؟ دوم حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس بیہقی والی روایت میں لفظ خلف الامام کا پایا جاتا ہے اور وہ مکحول کی روایت میں نہیں ہے۔ پھر متابعت کیسے ہوئی؟ یہ تو مباینت اور مخالفت ہے ۔۔۔۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اصل روایت صحیح وہی قصہ ہے جو بخاری شریف ص۱۰۴ میں ہے: زھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ بن الصامت کے طریقہ سے لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اس میں خلف الامام کا لفظ نہیں ہے۔ یہ کسی ناکارہ راوی کی زیادت ہے جو ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت امام زہریؒ مدلس ہیں۔ خود مصنف خیر الکلام نے ص۲۲۷ میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ پھر عَنْ۔ عَنْ سے روایت مروی ہے۔ غیر صحیحین میں ایسی روایت

مشکوک ہی ہوتی ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس زیادت کو صحیح بھی کہا لیکن یہ محض مذہبی حمایت سے کہا ہے۔ حضرت عبادہؓ کی روایت میں یہ لفظ شاذ اور مردود ہے۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کو معنعن طور سے روایت میں ذکر کیا ہے لیکن جب کہ وہ خلف الامام قرأت کے بالخصوص جہری نمازوں میں قائل ہی نہیں کیونکہ ان کا قول فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروی اور ثابت ہے کہ لوگ جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے، تو وہ خلف الامام قرأت کے قائل کیسے ہو سکتے ہیں۔ باقی اس جگہ مصنف خیر الکلام کا صـ۲۲۹ میں یہ کہنا کہ "اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ امام کے پیچھے سکتات میں پڑھے" مقبول نہیں ہے آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سکتات میں پڑھا کرتے تھے اور وہ صرف معیت میں پڑھنے سے رکے تھے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جب منقول ہے کہ وہ یکفیھم قرأۃ الامام فرماتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر صـ۲۲) یعنی مقتدیوں کے لیے امام کی قرأت کافی ہوتی ہے تو سکتوں میں قرأت کے قائل ان کو کیسے بتایا جاتا ہے جیسے مصنف خیر الکلام صـ۲۲۹ میں لکھتے ہیں۔ گزشتہ بیان گزر چکا ہے۔ جیسے مکحول عن محمود عن عبادۃؓ تدلیس کے شبہ سے مشکوک ہے، ایسے ہی زھری عن محمود عن عبادۃؓ زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس بیان میں تدلیس کا شبہ موجود ہے تو مصنف خیر الکلام کا صـ۲۲۷ میں یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (امام زہریؒ بھی مدلس ہیں مگر متابعت سے شبہ تدلیس کا رفع ہو جاتا ہے) اوّل تو یہ متابعت ہی نہیں۔ دونوں کے مضمون الگ الگ ہیں دیکھ لیا جائے۔

دوم شبہ تدلیس کا سماع کے ذکر سے رفع ہوتا ہے خواہ اصل روایت میں ہو۔ یا متابع میں۔ یہاں دونوں میں عَنْ۔ عَنْ سے روایت ہے۔ یہ شبہ کیسے رفع ہو

سکتا ہے۔ یہ کوئی مخفی بات نہیں تعصب کو چھوڑ کر عقل سے کام لیجئے۔ اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ سمجھ نصیب کرے۔ اور راہ راست پر چلنے کی توفیق بخشے۔

۴ ـــــ عقل مندی اس کو کہتے ہیں کہ دوست دشمن اور اپنے پرائے کی تمیز کرے انزلوا الناس منازلہم کا مقولہ بھی یہی سبق دیتا ہے۔ تمیز نہ کرنے والے لوگ غلط کار کہا کرتے ہیں۔ آپ بھی اس قاعدہ کو حق جانتے اور مانتے ہوں گے آپ کے سامنے مصنف خیر الکلام کی بعض باتوں کا تذکرہ آتا ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے اس قاعدہ کو کیسے پامال کیا ہے: دیکھئے خیر الکلام ص۲۰۸ میں ابن اسحق عن مکحول کی روایت میں ہے کہ فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی نے قرأت کی۔ آپ پر گراں ہوئی۔ آپ نے انکار فرمایا۔

اور ابن اسحق کی پہلی متابعت علاء بن الحارث عن مکحول والی میں ان سب باتوں میں سے ایک بھی مذکور نہیں۔ ص۲۱۰ کی طرف رجوع کیجئے۔ پھر متابعت کیسے بن گئی: اس میں صرف لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب امام او غیر امام مذکور ہے۔ جو ابن اسحق عن مکحول میں نہیں۔ یہ متابعت کیسے ہو گئی: ایسی صورت کو کس نے متابعت کہا ہے:

دوسری متابعت ص۲۱۰ میں ہے مکحول عن ابی نعیم عن عبادۃؓ ہے۔ ابن اسحق مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ کہتا ہے۔ یہ متابعت کیسے ہوئی: دارقطنی نے ابو نعیم کا ذکر وہم بتایا۔ اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو مکحول عن عبادۃؓ رہ جاتا ہے۔ یہ بھی ابن اسحق کی سند کے خلاف ہے۔ وہ مکحول عن محمود عن عبادۃؓ کہتا ہے۔ یہ متصل سند بتاتا ہے اور مکحول عن عبادۃؓ مرسل ہے۔ اس صورت میں متابعت کیسے ہو گئی:

اس کے علاوہ اس ابو نعیم والی روایت ص۲۱۰ میں ان سب باتوں کا ذکر نہیں جو ابن اسحق کی روایت میں ہیں۔ یہ متابعت کیسے بن گئی: جس طرح ابن اسحق اور مکحول کا

میں تدلیس کر جاتے ہیں اسی طرح اس متابعت میں ولید بن مسلم بھی مدلس ہے۔ اور عن عن سے روایت کرتا ہے یہ بھی مشکوک ہوگئی یہ نہ متابعت ہے نہ ویسے صحیح ہے۔

تیسری متابعت صفحہ ۲۱۹/۲۲ میں نافع بن محمود کا حضرت عبادہؓ سے ملنا اور روایت کرنا مذکور ہے لیکن نافع بن محمود کا ذکر ابن اسحٰق کی روایت میں نہیں ہے تو یہ متابعت کیسے ہوگئی۔ پھر کہتے ہیں کہ: "میں اور حضرت عبادہؓ فاتحہ پڑھنے لگے" یہ ابن اسحٰق کی مذکورہ روایت میں کہاں ہے؟ بلکہ اس میں تو ان سب باتوں کا تذکرہ نہیں جو ابن اسحٰق کی روایت میں ہے مزید تعجب یہ ہے کہ خیر الکلام صفحہ ۲۲۴ میں مکحول کی پہلی متابعت میں لکھتے ہیں: "محمود نے عبادہ بن الصامت کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ محمود نے عبادہؓ کو پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا.... الخ"

غور کیجئے! کہ پہلی روایت میں نافع بن محمود کا حضرت عبادہؓ سے ملنا اور دونوں کا پڑھنا مذکور ہے اور اس صفحہ ۲۲۶ والی روایت میں محمود بن ربیعہ کا حضرت عبادہؓ سے مل کر نماز پڑھنا اور حضرت عبادہؓ کا پڑھنا مذکور ہے۔ دونوں باتیں مختلف ہیں۔ اگر وہ مکحول کی متابعت ہے تو یہ نہیں اور اگر یہ متابعت ہے تو وہ نہیں۔ یہ دونوں متخالف ہیں متوافق کیسے بن گئیں؟ اور حقیقت میں نہ تو یہ متابعت ہے اور نہ وہ۔ کیونکہ اصل روایت ابن اسحٰق عن مکحول میں نہ نافع بن محمود کا حضرت عبادہؓ کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا پایا جاتا ہے نہ محمود بن ربیع کا ان کے ساتھ نماز پڑھنا مذکور ہے نہ حضرت عبادہؓ کا قرأت کرنا اور محمود کا ان پر انکار کرنا مروی ہے۔

الغرض یہ سب خرابیاں اس سے پیدا ہوئیں کہ ان کو متابع بنانے کا جھوٹ بولا گیا۔ جھوٹ کی منزل چھوٹی ہوتی ہے اور ٹھوکریں ہی لگتی ہیں۔

"ممکن ہے کہ کوئی جہالت سے کہے کہ تعارض نہیں کبھی محمود نے حضرت عبادہؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہوگی اور کبھی نافع بن محمود نے۔"

جواب یہ ہے کہ ہم واقعہ کا تعارض بیان نہیں کرتے۔ ہمارا کلام متابعات میں ہے اور متابعات کلام کی موافقت کو کہتے ہیں نہ کہ مخالفت کو مضمون دونوں کے

الگ الگ ہیں۔ اس لیے کہا گیا کہ اگر یہ متابعت ہے تو وہ نہیں اور اگر وہ متابعت ہے تو یہ نہیں۔

اس کے بعد ص ۲۲۵ / ۲۲۶ خیر الکلام کو دیکھیں کہ مکحول کی دوسری متابعت لکھ کر حدیث لکھی لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام (کتاب القراءۃ للبیہقیؒ) یہ حدیث بھی حضرت عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی ہے۔ گزشتہ اس حدیث کے متعلق کلام گزر چکا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ اگرچہ اسنادہ صحیح فرماتے ہیں لیکن یہ انکی ایک بے اصولی بات ہے۔ محض مذہبی عمارت کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ حکم کیا گیا ہے۔ نہ یہ حکم صحیح ہے اور نہ اس کو متابعت کہنا درست ہے۔ دونوں باتیں آنکھیں بند کر کے کی گئی ہیں۔ متابعت بنانا تو اس لیے غلط ہے کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ابن اسحٰق عن مکحول عن محمود عن عبادۃؓ کی سند سے جو روایت مروی ہے اس میں فجر کی نماز کا مفصل قصہ مذکور ہے جس کا گزشتہ خمسہؓ باتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ اس مذکورہ زہریؒ کی اس روایت میں نہیں ہے۔ پھر یہ متابعت کیسے بن سکتی ہے؟ اور زہریؒ کی اس روایت میں خلف الامام کا لفظ ہے وہ مکحول کی روایت میں نہیں ہے۔ یہ موافقت ہوئی یا مخالفت؟ اسی کو ہم نے کہا تھا کہ دوست دشمن کا پہچاننا عقل مندی ہے۔ بے تمیزی صحیح نہیں ہوتی۔ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ مصنف خیر الکلام نے حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور ہی نہیں کیا ورنہ یہ غلطی نہ کرتے۔ انھوں نے لفظ یہ ذکر کیے۔ والزیادۃ التی فیہ کالزیادۃ فی حدیث مکحول ص ۲۲۶۔ یعنی وہ زیادت جو اس زہریؒ کی حدیث میں ہے (خلف الامام کی) وہ مثل اس کے ہے جو مکحول کی حدیث میں ہے۔ (یعنی الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ الا بہا) وہ تو متابعت نہیں بنا تے بلکہ اس کو اس کے مماثل کہتے ہیں۔ ایسے وقت ایک کو دوسرے کا شاہد کہہ کرتے ہیں۔ یہ تشبیہ ہے۔

اس پر بولا جاتا ہے۔ شاہد مستقل حدیث ہوتی ہے جو اول کی تائید کرتی ہے۔ متابعت جب کہتے ہیں کہ پوری موافقت ہو۔ ایسے موقع پر تابعہ فلانٌ کہا جاتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ اس کو متابع بنانا اور حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نقل کرنا نافہمی کی دلیل ہے۔

لیکن مصنف خیر الکلام نے دُور اندیشی یہ کی کہ اگر میں اس کو مستقل حدیث بناؤں تو لوگ اعتراض کریں گے کہ اس کا راوی زہری مدلس ہے اور عَنْ۔ عَنْ سے روایت نقل کرتا ہے۔ یہ حدیث جب مقبول ہوگی کہ دونوں جگہ سماع یا تحدیث کا ذکر آئے اور یہ ثابت کرنا مشکل ہے۔ بات نا تمام رہ جائے گی۔ اس لیے اس اشکال سے بچنے کے لیے اس کو متابع کہہ دیا اور خیال کیا کہ کسی نے سوال کیا تو میں کہہ دوں گا کہ ہم نے اس کو متابع بنایا ہے اور متابع ایسی مشکوک روایت بن سکتی ہے۔ ہاں ایسی روایت سے استدلال نا تمام ہوتا ہے۔ اسی کے طرف شاید مصنف خیر الکلام اشارہ کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص۲۲۷: الجواب: امام زہری واقعی مدلس ہیں مگر متابعت سے تدلیس کا شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ یعنی ہم نے اسے متابع بنایا ہے۔ (مکحول کی دوسری متابعت ص۲۲۷) اس لیے ہم پر یہ سوال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم اس کو دلیل مستقل بناتے جب اشکال پڑتا۔ یہ مصلحت واقعی صحیح تھی اس سے ایک طرح کا فائدہ ہو گیا۔ لیکن یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں کہ: فرّ عن المطر وقام تحت المیزاب "بارش سے بھاگا اور پرنالہ کے نیچے کھڑا ہو گیا۔"

جنابِ من! یہ متابعت بھی نہیں یہ محض کھوٹا سکہ ہے کار آمد نہیں بن سکتا۔ مدلس کی روایت غیر صحیحین میں آجائے وہ قابلِ اعتبار جب بنتی ہے کہ تحدیث یا سماع کا اس میں تذکرہ آجائے۔ جیسے مکحول عن محمود عن عبادۃ مشتبہ ہے اسی طرح یہ روایت زہری عن محمود عن عبادۃ بھی۔

مشہور ہے کہ کسی عورت نے کہا، تمام رات روتی رہی مرا ایک بھی نہیں یہی بات یہاں ہے۔ چکی پیستے رہے ہاتھ میں کچھ نہ آیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث درجن سے زائد طریقوں سے مروی پائی جاتی ہے۔ صحیحین اور غیر صحیحین میں موجود ہے لیکن یہ لفظ "خلف الامام" کسی نے نہیں بیان کیے۔ شاذ او منفرد ہی کیے جائیں گے۔ خاص کر جب روایت میں مدلس راوی عن عن سے روایت کرتا ہے اسی حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت صحیحین میں عن محمود عن عبادۃؓ میں صرف لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ مروی ہے۔ خلف الامام کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ اور صحیح بھی یہی قدر ہے۔ بخاری ص ۱۰۴ ج ۱ کو دیکھیں۔ نیز مسلم شریف ص ۱۶۹ ج ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

باقی رہا یہ کہ حضرت بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں تو اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حکم اجتہادی درجہ میں ہوتا ہے اس کو نص قطعی نہیں کہا جاتا یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث کے بارے بعض صحیح کہہ دیتے ہیں۔ بعض اس سے کم درجہ حسن کا حکم کر دیتے ہیں اور بعض حضرات کچھ عیوب اور نقائص پر نظر ڈالتے ہوئے اسے ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اس کو تناقض نہیں کہا جاتا کیونکہ قائل اور حیثیت ایک نہیں ہوتی۔ بلکہ اسے اختلاف آراء کہا جاتا ہے ہر ایک اپنی صوابدید کے مطابق حکم کر دیتا ہے لیکن اس میں کبھی مذہبی تعصب بھی کارفرما ہوتا ہے۔

دیکھئے! حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رفع الیدین عند الرکوع کے بارہ میں عصمت بن محمد کی حدیث سے مذہبی جارحیت کی جس کی شکایت گزر چکی ہے اسی طرح فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں ان کا زھری عن محمود عن عبادۃؓ کی حدیث میں خلف الامام کا لفظ لانا اور اس کی تصحیح کرنا اور اسناد صحیح کہنا یہ سب اسی ذہنیت کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ بتائیں کہ جیسے مکحول مدلس ہے اور محدثین حضرات فرماتے ہیں یدلس کثیرا ویرسل کثیرا۔ اسی طرح حضرت زہریؒ بھی مدلس ہیں۔ مصنف خیر الکلام تسلیم کر رہے ہیں ص ۲۲۷۔ اور اوپر سند دونوں کی ایک طرح ہے: عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت۔ اور حضرت ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مکحول والی مروی حدیث ص۲۷ کو حَسَن فرما رہے ہیں اور حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہی سند ہے جو بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان کی اور وہ اس کو صحیح فرما رہے ہیں اور اس کو اونچی شان والا بتا رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں والزیادۃ التی فیھا (یعنی خلف الامام) کالزیادۃ فی حدیث مکحول۔ یعنی اس کو قبول کرو اور مانو مگر یہ محض سینہ زوری ہے۔

ہم دونوں کے متعلق ایک ہی بات کہتے ہیں کہ مدلس کی روایت غیر صحیحین میں عَنْ۔ عَنْ والی مشکوک ہوتی ہے جب تک سماع بالحدیث مذکورہ ہو آپ ان دونوں جگہ اس کا ثبوت پیش کریں۔ مدلس کی عَنْ۔ عَنْ والی روایات اس جگہ آجائے تو اس سے شک رفع نہیں ہوتا۔ شک جب رفع ہوگا کہ سماع کی روایت سے متابعت پیش کی جائے۔

میں آپ کی تسلی کے لیے ایک اور بات عرض کرتا ہوں۔ حضرت امام زہری کی یہ روایت جو بحوالہ بخاری ص۱۰۴ و مسلم ص۱۶۹ ذکر کی گئی ہے۔ یہ عَنْ۔ عَنْ کے طریقہ سے مروی ہے اور حضرت زہریؒ مدلس ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی بیچارہ جوئی صحت کی نہیں کی۔ کوئی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں سوال بھی نہیں کرتا کیونکہ صحیح بخاری میں آجانا ہی اس کی صحت کی ضمانت ہے جیسے گزشتہ امام نوویؒ سے یہی بات مقدمہ ص۱۷ سے نقل کی گئی حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ روایت اوّل معنعن طریقہ سے لائے ہیں لیکن بعد میں اس کے متابعات بھی لائے ہیں۔ جن میں سماع اور تحدیث کا تذکرہ ہے تدلیس کے شبہ کے رفع کرنے کے لیے انھوں نے اور روایات بھی پیش کی ہیں۔ اس روایت کا راوی سفیان بن عیینہ بھی مدلس ہے۔ سفیان بن عیینہ عن زھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ص۱۶۹ لیکن وہ ان کے متابع یوں لائے ہیں: اخبرنی یونس۔

عن ابن شہاب قال اخبرنی ..... الخ اس کے بعد یونس کی متابعت میں صالح عن ابن شہاب لائے ہیں۔ صالح عن ابن شہاب ان محمود بن ربیع اخبرہ ان عبادۃ بن الصامت اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن پھر فرمایا: اخبرنا معمر عن الزہری بہذا الاسناد مثلہ۔

یہ متابعات مفید ہیں ان میں عن فلاں کی جگہ اخبرنی فلان ہے اس سے شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ یہی بات ہم مصنف خیر الکلام اور حضرت امام بیہقیؒ سے پوچھتے ہیں اور بار بار اس کا تذکرہ کیا ہے کہ مکحول مدلس ہے اور وہ عن عن سے روایت کرتا ہے۔ اس کی تحدیث اور سماع کا پتہ دیا جائے۔ یہی زہریؒ کی مذکورہ متنازع فیہ روایت میں عن محمود عن عبادۃ ہے۔ ان دونوں جگہ تحدیث یا اخبار کا ثبوت پیش کیجئے۔ جیسے امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام زہریؒ کی مذکورہ روایت میں پیش کیا ہے۔ آپ کی اس روایت میں خلف الامام کا لفظ ہے متابع میں بھی خلف الامام کا لفظ ہو اور سند میں بھی زہری اخبرنی محمود بن الربیع اخبرنی عبادۃ ابن الصامت فرمائیں تب بات بنتی ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ کی روایت زہری والی معنعن ہے نہ دو متابعت ہے اور نہ فی نفسہٖ مقبول ہو سکتی ہے اس میں اخبار یا تحدیث کا ثبوت پیش کیجئے۔ ورنہ سعی بے کار ہو گی۔

فائدہ بخاری ص ۱۰۴ کی روایت میں زہری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ کے طریقہ سے سند مروی ہے۔ اس میں زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ مدلس ہیں اور عن عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اسی طرح حنفیہ کرامؒ نے مسلم شریف کی روایت سلیمان التیمی عن قتادۃ عن یونس بن غلاب میں اذا قرأ فانصتوا کی زیادت نقل کی ہے۔ امام بخاری

رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جزا القرأت میں اعتراض کیا کہ قتادہ مدلس ہے اور عنٰ سے روایت کرتا ہے۔ لیکن گزر چکا کہ صحیحین کی روایت مدلس کی عنٰ سے محمول ہوگی۔

مگر افسوس کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس دلیل میں (زھری عن محمود) میں یہ خیال نہ آیا۔ ہم نے دونوں کا جواب دے دیا ہے۔ علامہ نووئی نے ملت؟ میں اذا قرء فانصتوا سے مخلص یہ بیان کیا کہ اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ صحیح مسلم میں نہیں لائے۔ لم یروھا مسندۃ فی صحیحہ فرما گئے۔ گزشتہ جواب دیا گیا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اخرجہ مسلم فی صحیحہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ دونوں کے حوالے گزر چکے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات حضرت علامہ نووئی کی یہ مذکورہ بات ہر شخص کو پڑھاتے اور سکھاتے رہتے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فرمودہ بات چھپا لیتے ہیں۔ مصنف خیر الکلام ایک جگہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بات کی توجیہ کرتے ہیں لیکن وہ بے کار سی بات ہے ان کے گھر والوں کے نزدیک اس کی اگر کوئی قیمت ہے تو وہ جانیں۔

میں اس وقت ایک اور بات عرض کرتا ہوں کہ مشکوٰۃ ملت؟ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مفصل روایت لائی گئی اور مسلم شریف کا حوالہ دیا۔ رواہ مسلم فرمایا اس کے بعد سلیمان التیمی عن قتادۃ کے طریقہ سے جو زیادۃ اس میں مروی ہے وَاِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوا اس کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں وَلَہٗ عَنْ قتادۃ اذا قرء فانصتوا۔ لہٗ کی ضمیر مسلم کی طرف راجع ہے جو رواہ مسلم میں ہے۔ یعنی امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم ملت؟ میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اذا قرء فانصتوا بھی روایت کیا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ صاحب مشکوٰۃ بھی اس اذا قرء فانصتوا کو صحیح مسلم میں مروی ہونا فرما رہے ہیں جیسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ کوئی حنفی نہ تھے کہ اپنے لیے توجیہ کی بلکہ

انصاف کی راہ پر چلے اور حق گوئی کر گئے ؛" کوئی غیر مقلد اگر امام نووی کی بات کہے تو اس کو مشکوٰۃ کھول کر بتادیا جائے۔ مشکوٰۃ تو سب کے پاس ہوتی ہے۔

بہر حال حضرات حنفیہ کرام کی دلیل وَاِذَا قُرِئَ فَانْصِتُوْا صریح بحق مقتدی بھی ہے اور صحیح بھی ہے اور فریق ثانی کی دلیل عام عنوان والی لَا صَلٰوۃَ اِلَّا لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب۔ صحیح ہے لیکن صریح بحق مقتدی نہیں ہے اس میں کئی مستثنیات ہیں، مقتدی کی استثنار بھی قوی دلائل سے کی گئی ہے اور جو روایات وہ مقتدی کے بارہ قراءۃ کرنے کی نقل کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں آپ نے مکحول کی روایات کو دیکھا۔ یہ مدلس ہیں ارسال بھی کر جاتے ہیں پانچ طریقوں سے روایت مکحول عن عبادۃؓ مرسل نقل کی جاتی ہے اور چار طریقوں سے مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ مروی ہے جن میں نافع بن محمود مجہول ہے (اور جس میں راوی مجہول ہو وہ ضعیف ہوتی ہے خیر الکلام ص۱۵۶) اور ایک طریقہ سے مکحول عن محمود عن عبادۃؓ ہے لیکن مکحول مدلس کی روایت عن سے مشکوک ہے قابلِ اعتبار بات نہیں بنتی۔

خود مصنف خیر الکلام نے ص۲۷ پر لکھا "حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تابعی مدلس نہ ہو تو عن کی روایت سماع پر محمول ہوگی" لیکن یہاں مکحول مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے۔ اسی طرح بیہقی کی خلف الامام والی روایت کا راوی تابعی زہریؒ بھی مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے۔ ان دونوں میں سماع کی تصریح پیش کرنی ہوگی۔ ہاں یہ روایت صحیح بخاری یا مسلم میں آئی ہوتی تو قبول ہو جاتی۔ غیر صحیحین کی روایت مدلس کی مشکوک رہتی ہے۔ ابن اسحٰق کے تین متابع مصنف خیر الکلام نے نقل کیے ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی صحیح معنوں میں متابع نہیں ہے اسی طرح مکحول کے دو متابع بھی اصولِ حدیث کے لحاظ سے غیر معتبر ہیں۔

حدیث منازعت فی القراۃ

مصنف خیر الکلام نے ص ۴۳۶ / ۴۴۷ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ترجمہ لکھا، اور موطا مالک کا حوالہ دیا اور یہ ترمذی شریف ص ۷۱ میں بھی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَاءَۃِ فَقَالَ ھَلْ قَرَءَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ اٰنِفًا؟ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ. قَالَ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ ..... الخ. یعنی "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں. کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز سے جس میں جہر سے قرأت کی جاتی ہے، فارغ ہوئے تو فرمایا یعنی پوچھا کیا کسی نے تم میں سے میرے ساتھ قرأت کی ہے تو ایک شخص نے کہا ہاں میں نے کی ہے. اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ قرآن کے پڑھنے میں کیوں مجھ کو منازعت ہو رہی ہے معلوم ہوا کہ اس کے پڑھنے سے یہ باتھا پائی کی خرابی اور کش مکش ہوئی. اس ناراضگی کے الفاظ کو سن کر لوگ آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے رک گئے یہ واقعہ چونکہ جہری نماز کا تھا اس لیے روایت میں ہے کہ لوگ جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے رک گئے؛

یہ روایت فریقِ ثانی کے لیے دردِ سر بن گئی یہ ان کے نظریہ کے خلاف سبق دے رہی ہے. اس لیے اس کو ٹالنے کی کوشش کی اور مختلف بہانے بنائے گئے. ایک جگہ مصنف خیر الکلام نے لکھا کہ اس حدیث میں ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے سکتات میں پڑھنے کی نفی نہیں کی گئی. اس کی تردید پہلے گزر چکی ہے.

اب خیر الکلام ص۲۳۲ میں لکھتے ہیں: یعنی اس طرح پڑھنے سے رُک گئے جس طرح پڑھنے سے آپ کے ساتھ منازعت ہو جو جہراً پڑھنا ہی ہو سکتا ہے۔ پھر لکھا کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی صرف منازعت پر انکار کیا۔ قرأت سے نہیں روکا اگرچہ حدیث میں لفظ مطلق قرأت ہے مگر قرآن کے بنا پر مطلق کی تقیید ہو سکتی ہے۔ یعنی قرأت سے رُک جانے سے مُراد جہر بالقرأت سے رُک جانا مراد ہے۔ مجازی طور سے اس کو قرأت سے رُک جانا کہا گیا ہے۔ فانتھی الناس عن القرءۃ یعنی عن الجھر بالقرءۃ مراد ہے۔ پھر قرینہ بیان کیا ص۲۳۷ کہ جہر سے باز آجانے کا تو پتہ چل جاتا ہے مگر ہر طرح سے قرأت سے رک جانے کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ جب تک سارے لوگ نہ کہہ دیں کہ ہم امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مطلق قرأت نہیں کریں گے: مگر ثابت نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ تینوں باتیں عذر لنگ ہیں۔ صرف فاسد نہیں بلکہ باطل ہیں۔

۱۔ اوّل وجہ تو یہ کہ جزء القرأت میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ الفاظ فانتھی الناس عن القرءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ رسول اللہ کے بعد یہ الفاظ روایت کیے ہیں وقرءوا فی انفسھم سرًا فیما لا یجھر فیہ الامام۔ یعنی جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے رک گئے لیکن جس جس نماز میں جہر سے قرأت نہیں ہوتی تھی اس میں امام کے پیچھے دل میں خفیہ طور سے قرأت کر لیا کرتے تھے۔ فصل الخطاب ص۳۳ میں فرمایا کہ جہری نمازوں کا سری نمازوں سے مقابلہ کرنا مقصود ہے کہ اوّل میں امام کے پیچھے مطلق قرأت سے رک گئے بخلاف سری نمازوں میں خفیہ طور پر امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔

یہ مراد نہیں کہ امام کے پیچھے جہر کرنے سے رُک گئے۔ یا ما زاد علی الفاتحۃ سے رُک گئے۔ جیسے فریق ثانی کے وکیل کہتے ہیں۔

حضرت علامہ شیخ استاذ السید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا اصل کلام ملاحظہ

[illegible]

[illegible] قال [illegible] لا [illegible]

[illegible] فلا تقرأ [illegible] من [illegible] الا [illegible] محمد بن اسحق

...... الخ۔

لہٰذا یہ کتنا خالص غلط ہے کہ: صفحہ ۲۳۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منازعت پانے کیلئے قرأت سے نہیں روکا تھا۔ یہ جب ہوتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان لا تجهروا خلفی یا لا ترفعوا صوتکم خلف الامام ہوتا۔ حالانکہ طحاوی صفحہ ۱۲۸. دارقطنی صفحہ ۱۲۹. جزء القراءۃ بخاری صفحہ ۲۲ میں الفاظ حدیث یہ ہیں

فَلَمَّا قَضٰی صَلوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْہِمْ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ فَسَکَتُوْا فَقَالَہَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالُوْا اِنَّا نَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا۔ یعنی کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو جبکہ وہ پڑھتا ہو، آخر میں فرمایا ایسا نہ کرو۔ اسی طرح تمام روایات میں نفس قرأت پر انکار مروی ہے۔ بلکہ جزء القراءۃ میں محمد بن اسحق عن عبادۃ کی روایت میں ہے: صَلّٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلوٰۃً جَہَرَ فِیْہِمَا فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَہٗ فَقَالَ لَا یَقْرَءَنَّ اَحَدُکُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ۔ یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نماز جہری [illegible] میں سے پڑھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کسی شخص نے قرأت کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز کوئی شخص قرأت نہ کرے جب کہ امام قرأت کرتا ہو۔ اسی وجہ سے یہاں مذکورہ روایت میں فانتہی الناس عن الجہر بالقراءۃ نہیں فرمایا۔ کسی روایت میں آپ کو نہیں ملے گا کہ آپ نے [illegible] روکا ہو۔ اسی وجہ سے فصل الخطاب صفحہ ۲۶ میں فرمایا: [illegible]

عَلٰی اَنَّ سُؤَالَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عَنْ اَصْلِ الْقِرَاءَۃِ وَوُجُوْدِھَا ولا اثر ولا اشارۃ فیھما انہ کان عن الجھر بھا او عما فوقھا ۔ یعنی تمام ذخیرۂ احادیث کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سوال اصل قرأت کے بارے ہوا کہ کسی نے قرأت کی ہے جہر سے انکار کرنے کا جو کوئی کہتا ہے تو محض رعایت کے لیے کہتا ہے ۔ اسی طرح یہ کہنا کہ نہی ما زاد علی الفاتحہ پڑھنے سے کی گئی ہے ۔ کسی حدیث میں اس کا پتہ نہیں چلتا ۔ اسی کو فصل الخطاب ص۴۶ میں فرمایا اِنَّمَا مَنْشَئٰ مَنْ مَشٰی عَلَیْہِ عَلٰی اِعْتِقَادِہٖ وُجُوْبَھَا عَلَی الْمُقْتَدِیْ ۔ وَکَانَ فِیْ صَدَدِ الْاِثْبَاتِ کَبْدَ ۔ فجعلہ مفروغا عنہ من قبل وثابتا قبل ان یثبت یعنی فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کو قطعی دلائل سے یقینی بنا لینے کے بعد ایسی تاویل کرنے کا مقام بنتا ہے لیکن وہ ابھی تک ان لوگوں نے ثابت ہی نہیں کیا صرف اپنے ذہن میں لیا ، اور تاویل کے درپے ہو گئے ۔ ایسے وقت حدیث کی بے جا تاویل مردود ہی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں " اگرچہ حدیث میں لفظ مطلق قرأت ہے (یعنی انکار مطلق قرأت پر ہی کیا گیا ہے) مگر قرائن کی بنا پر مطلق کی تقیید ہو سکتی ہے " (خیر الکلام ص۴۳۷) یعنی ہم اہل حدیث اس مطلق کو مقید بنانے کا قول کرتے ہیں کہ صرف جہر سے قرأت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرینہ یہ بناتے ہیں کہ منازعت جہر سے پڑھنے میں ہی ہوتی ہے ۔ لہٰذا منہی یہی ہے ۔ نفس قرأت سرًّا خلف الامام جہری نمازوں میں جائز بلکہ فرض ہے ۔ بدون اس کے نماز نہیں ہوتی ۔ (سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ) یہ محض ہوائے نفس کی تابعداری ہی ہے ۔ آپ نے ابھی جزء القراءۃ للبخاری کے حوالہ سے اس کا تتمہ بھی پڑھا ہے کہ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما جھر فیہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد روایت میں ہے وقرءوا فی انفسھم سرًّا فیما لا یجھر فیہ

لا من لہ آیا ہوا ہے۔ یعنی جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرأت کرنے سے مطلقاً رک گئے صرف سری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے خفیہ طور سے اور سراً پڑھا کرتے تھے۔ اس میں تقابل سری اور جہری نمازوں کا ہے کہ اول میں پڑھا کرتے تھے اور جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنا مطلقاً بند کر دیا۔

اس مذکورہ روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ فانتھی الناس عن القراۃ مع رسول اللہ علیہ وسلم سے جہر کرنے سے رکنا قطعاً مراد نہیں جیسے کہ مصنف خیر الکلام سمجھے ہیں اور سمجھا رہے ہیں بلکہ خلف الامام قرأت سے علی الاطلاق رک جانا مراد ہے۔ انھوں نے منازعت کو قرینہ جہر کا بنایا۔ اسی لیے کتاب میں جگہ جگہ لکھتے ہیں۔ قرأتِ مشوشہ منع ہے اور ایک حدیث کانوا یرفعون اصواتھم خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی نقل کر دی کہ مذکورہ روایت میں منازعت کا تذکرہ ہے۔ منازعت جہر کی صورت میں ہی ہوتی ہے۔ اس لیے نتھی عن الجہر ہی مراد ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق ومنہ الھدایۃ: آپ کا یہ بیان ص ۱۳۷ واذا حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء والی بات ہے۔

اوّلاً تو یہی جزء القرأت والی روایت آپ کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔ جیسے ابھی تذکرہ گزرا۔

دوم: اگر آپ کا یہ کہنا ص ۱۳۶ صحیح ہے "کہ جس پڑھنے سے منازعت ہوتی ہے وہ جہراً پڑھنا ہی ہو سکتا ہے" تو بتائیں کہ پڑھنے والے کے پڑھنے سے جب منازعت ہو گئی تو اس نے جہر سے ہی پڑھا ہو گا پھر ابتداء میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سوال کیوں کیا۔ ھل قرأ معی احد؟ سوال تو نامعلوم چیز کا ہوا کرتا ہے، اور جہر سے پڑھا ہوا تو سنا گیا ہے اور معلوم ہو گیا پھر سوال کے کیا معنی؟ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ متعدد بار پوچھا جب اس شخص نے بتایا کہ میں نے پڑھا تھا اور ابھی عنقریب

دارقطنی ص۱۲۹ اور جزء القراءت ص۲۲ کی حدیث میں گزرا فقالها ثلاث مرات۔

سوم بات یہ ہے کہ جہر سے جس شخص نے پڑھا تھا اس کے پاس والے دائیں اور بائیں لوگوں نے بھی سنا ہوگا۔ آپ کے قول کے مطابق وہ بھی قرات کرتے ہوں گے تو اس وقت یہ منازعت پڑھنے سے سب کے ساتھ ہوگئی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مَا لِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ واحد متکلم کے صیغہ سے یہ کیوں فرمایا؟ بلکہ وہ لوگ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے زائد قریب ہوتے تھے کیونکہ امام تو ذرا فصل سے ہوتا ہے دائیں والے اور بائیں والے تو سب سے قریب ہیں۔ ان کو بھی ضرور منازعت ان کی قرأت سے ہوئی ہوگی پھر انھوں نے شکایت کیوں نہ کی؟

چہارم بات یہ کہ آپ نے کہا کہ سرا خفیہ پڑھنے سے منازعت نہیں ہوتی جہر کیا جائے جب منازعت ہوتی ہے تو موجودہ صورت میں منازعت کیسے ہوگئی؟ قاری نے تو خفیہ ہی پڑھا تھا۔ قرینہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوال کیا اور پوچھا: هَلْ قرأ معی احد منکم انفا۔ یہ نہیں فرمایا: ایکم قرأ کس نے پڑھا؟ بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں مؤمنوں کو نماز سے باہر کی باتوں کے متعلق ہدایت آئی ہے: لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ۔ جب آپ کے قول کے مطابق جہر سے قرأت کرتے تھے اور اس سے منازعت ہوتی تھی تو قرآنِ کریم نے اس کی ہدایت کیوں نہ کی؟ یہ تو بیرونی باتوں سے اہم اور ضروری تھا کہ اس کی اصلاح کی جاتی اور اس کے مناسب یہ ہدایت کی جاتی لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ خَلْفَ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَهٗ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف منازعت سے نہیں روکا گیا بلکہ سبب منازعت سے روکا گیا ہے اور وہ قرأت خلف الامام ہی ہے۔ لَا شک فیہ۔

او لعلکم تقرءون خلف امامکم اور انی اراکم تقرءون

وغیرہ الفاظ فرمائے۔ نفس قرأت کرنے پر ہی اعتراض کیا گیا ہو نفس قرأت ہی سبب منازعت سمجھی گئی۔ اگر جہر پر انکار فرماتے جیسے مصنف خیر منقولا ص۲۲۶ فرما رہے ہیں تو فرمان یوں ہوتا لعلکم تجهرون خلف امامكم ۔ لا تفعلوا ..... الخ ۔ الی اراكم تجهرون خلف الامام ۔ لا تفعلوا ... الخ فهل جهر منكم وغیرہ۔ ان وجہ جہر خلف الامام پر نہیں کیا گیا۔ بلکہ انکار نفس قرأت پر کیا گیا ہے۔ کسی روایت میں اگر رفع الصوت خلفه یا جهر بالقرأة کا ذکر ہے تو یہ جہر صرف ذریعہ علم بالقرأة تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کسی نے قرأت کی تھی حالانکہ یہ منصب صرف امام کا ہے۔ اسی لیے امام کو قاری کا لقب دیا گیا۔ اذا امّن القارئ فامّنوا۔ دوسری جگہ اذا امّن الامام فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اور قاری ایک ہی شخص ہے یعنی جب امام جو قاری ہوتا ہے آمین کہے تو مقتدی لوگ بھی آمین کہا کرو۔

الحاصل مقتدی کا قرأت کرنا غصب منصب ہے قرأت امام کا حق ہے اور مقتدیوں کا حق خلف الامام انصات مامور ہے فرمایا اذا قرأ فانصتوا اسی لیے فصل الخطاب ص۵۰ میں فرمایا: اما فی حدیث عبادة وانس ورجل من الصحابة وابی هريرة فالسؤال عن اصلها القراءة فهل قال لعلكم تجهرون خلف امامکم ۔ یعنی ان سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اصل قرأت سے ہی ہوا کہ کسی نے میرے پیچھے پڑھا ہے۔ جہر کرنے سے سوال نہیں کیا نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے مقتدیوں کا پڑھنا ہی محل انکار بنا۔

اسی طرح ص۵۲ میں فرمایا: لا يصح ان يهدر ما اتفقت عليه الاحاديث وهو السؤال عن وجود القراءة واصلها۔ یعنی تمام احادیث کا اتفاقی بیان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سوال قوم سے ان کے اصل قرأت کے متعلق تھا کہ کیا کسی نے قرأت کی ہے؟

[illegible] کی اجازت مرحمت دی ہے۔ اس سے اگرچہ [illegible]
ملی ہے لیکن صریح ممانعت بھی ثابت ہو چکی ہے۔ بیان کر چکا ہے۔

۲۔ مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث کی نرالی منطق

ص۲۳۶ میں حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ پھر فرمایا کیا میرے ساتھ کسی نے تم میں سے پڑھا ہے۔ ایک مرد نے کہا ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے پڑھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں کہہ رہا ہوں مجھے کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی مجھ سے منازعت ہو رہی ہے۔ دیکھئے اس بات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نفس پڑھنا ہی منازعت کا موجب بنا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پوچھنا کہ کیا میرے ساتھ کسی نے پڑھا؟ بتاتا ہے کہ یہ پڑھنا جہر سے نہیں ہوا تھا۔ خفیہ طور سے قرأت کی گئی تھی جبھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھنے کے بارے سوال کیا: هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا: کیا کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بات کے زیرِ خاطر لانے کے بعد آپ مصنف خیر الکلام کی اگلی بات کو دیکھیں۔ ص۲۳۷ فرماتے ہیں یعنی اس طرح پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رک گئے جس طرح پڑھنے سے منازعت ہو۔ وہ جہراً پڑھنا ہی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب بتا رہے ہیں۔ کیا اس [illegible] میں جس میں منازعت کی شکایت آپؐ فرما رہے ہیں مَا لِي أُنَازَعُ [illegible] کسی نے پڑھا تھا؟ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ اگر جہر سے قرأت [illegible] آپؐ کیسے [illegible]
[illegible]

دعویٰ کرنا کہ اس نے اونچا پڑھا تھا اور اس کا انکار کیا گیا یہ سب لغو باتیں ہیں عقل و نقل کے خلاف ہیں۔ پھر اس کے بعد مصنف خیر الکلام کا ص۲۴۱ پہ کہنا بھی غلط بیانی ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نمازوں میں مقتدی کو آہستہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے" اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ مجمل اور مہمل باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ صاف صریح اور صحیح حجت پیش کرنی ہوگی۔ آپ کا یہ کہنا کہ قرائن کی بنا پر مطلق کی تقیید ہو سکتی ہے، قرینہ صارفہ جو آپ پیش کر رہے ہیں وہ محض غلط تخیل ہے جو خیالی پلاؤ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ہم نے تو قرینہ اطلاق کا پیش کر دیا کہ اگر جہر کیا گیا تھا تو آپؐ نے سوال ھل قرأ معی احد سے کیوں کیا؟ یہی روایت آپ کے مزعوم کے خلاف حجت ہے۔ آپ کے بیان کردہ قرینہ کی حقیقت كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً سے زائد نہیں۔

سنیے! خیر الکلام ص۴۴۱ میں لکھا ہے:

"جہر سے باز آجانے کا تو پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً نماز میں کسی کی آواز نہ سننے مگر ہر طرح سے قرأت سے باز آجانے کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ جب تک سارے لوگ نہ کہہ دیں کہ ہم آئندہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مطلق قرأت نہیں کریں گے مگر یہ ثابت نہیں"

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم! شاید آپ کے مقلد آپ کی ایسی باتوں پر اعتماد کرتے ہوں گے کہ ہماری جماعت کے ایک فاضل نے یہ بات کہی ہے لیکن عقلمندی یہ ہے کہ بات کا وزن اور تول بھی کیا جائے۔ خارجی واقعات بھی تصدیق کریں اور عقلاً بھی تسلیم کریں جب قبول کرنی مناسب ہوتی ہے۔ مشہور ہے صاحب الغرض اعمٰی۔ یعنی غرض والا آدمی اندھا ہوتا ہے۔ کبھی سانپ کو لاٹھی سمجھ بیٹھتا ہے۔

الجواب: کیا آپ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ

فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض۔
... دیکھی۔ کیا ان لوگوں نے اس کے بعد ترک الجہر کیا یا نہیں؟ یقیناً
کیا ... آپ نے کیسے معلوم کر لیا۔ کیا ان لوگوں کی زبانوں سے
... الجہر بالقول عند ... النبی کا قول کسی سے نقل کیا گیا
ہے۔ ... قرات سے خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم باز آجانا اس کو آپ جب
... تک ... کہ ہم آئندہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مطلق
قرات نہیں ... تو اسی طرح مذکورہ آیت کریمہ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
سے ... ان لوگوں نے کہا ہو کہ ہم آئندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے خطاب کے وقت مطلق جہر سے نہیں بولیں گے۔ کیا ان لوگوں کے کلام میں
آپ نے یہ دیکھا اور پایا ہے؟ بات صرف اتنی ہے کہ آئندہ عمل ایسا پایا گیا
... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے تو نہایت ہی تواضع سے اور پستی سے
... تھے۔ اسی طرح خلف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأت سے رک جانا بھی
سمجھئے۔ زبان سے ایسا کہنا اور اس کا ضروری ہونا آپ نے کہاں سے نکال لیا ہے
ممکن ہے کوئی عقل کا دشمن یہ کہے کہ یہ تو جہر سے رکنا ہے۔ ہم نے جہر سے رکنے
کے لیے نہیں کہا وہ تو ویسے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ جہر سے قرأت بعد میں نہ
کرتے تھے۔ اونچی آواز سے پڑھنے اور بات کرنے سے وہ باز آگئے تھے۔
ہمیں بھی مانی ہے۔ کلام تو خفیہ قرأت سے رک جانے میں ہے۔ یہ کیسے معلوم
ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق خیر الکلام کے مصنف نے کہا کہ اس کا پتہ جب چل
سکتا ہے کہ لوگ کہہ دیں کہ ہم آئندہ خفیہ قرأت بھی نہ کریں گے۔ اس لیے فانتهى
الناس عن القراءة مع رسول الله سے مراد جہر کرنے سے رک جانا
اور باز آجانا ہی مراد ہے۔ مطلق سے یہی مراد ہے۔ خفیہ قرأت سے رک جانا کیسے
معلوم ہو سکتا ہے؟ ہاں لوگ خود بتائیں جب کہا جا سکتا ہے اور یہ ثابت نہیں
یہی بات خیر الکلام کی مذکورہ عبارت میں کہی گئی ہے۔

اَلجَوَاب : جہری قرأت سے رُک جانا تو آپ کانوں سے معلوم کرتے ہیں اور خفی قرأت سے پڑھنا چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ کرامؓ باتیں نہایت پست آواز سے کرتے تھے۔ اسی طرح آنکھوں سے آپ دیکھتے ہیں خفیہ قرأت کرنے والا زبان ہلا کر پڑھتا ہے۔ ہونٹ بھی ہلتے ہیں۔ اسی لیے کسی صحابی سے جب پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر، عصر میں کیا قرأت کرتے تھے؟ اس نے جواب میں فرمایا: ہاں۔ پوچھا کیسے پتہ چلتا تھا؟ فرمایا: داڑھی مبارک کو ہم دیکھتے تھے اس میں حرکت محسوس ہوتی تھی۔ بخاری جلد۱ میں ہے قُلْتُ بِاَیِّ شَیْءٍ کُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ قِرَاءَتَہٗ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْیَتِہٖ۔ [illegible] بحث کہاں اگر داڑھی والا نہ ہو تو ہونٹ تو حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی قرأت کی علامت ہوتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ کار ہے وہ آپ کا بھی ہونا چاہیئے بلکہ جو لوگ زبان کو اور ہونٹوں کو قرأت کے وقت نہیں ہلاتے۔ ان کی نماز صحیح ہی نہیں ہوتی۔ ان کی قرأت صرف تفکر کے درجہ میں رہتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ جلد بازی کرتے ہیں۔ ورنہ زبان سے پڑھیں تو وہ اتنی عجلت سے نہیں پڑھ سکتے۔ کثیر التعداد لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذلک حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مختار، راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ خفیہ ہو آدمی جب تک اپنی قرأت کے الفاظ اپنے کانوں سے نہ سنے اس کی نماز درست نہیں ہے۔ (دیکھئے ہدایہ وغیرھا کتب فقہ) بہر حال سری قرأت کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ ہمارے پاس کوئی غیر مقلد کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کی فاتحہ خوانی ہم ہونٹوں کی حرکت سے دیکھ لیتے ہیں۔ خواہ اس کی داڑھی نہ بھی ہو۔ ہاں جو تفکری قرأت کرتا ہو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن وہ نماز ہی نہیں ہوتی۔

یہ کہنا کہ جہر سے رُک جانا تو معلوم ہو جاتا ہے لیکن خفیہ قرأت سے رُک جانا نہیں معلوم ہوتا جب تک کہ وہ شخص خود نہ بتائے غلط ہے۔ یہ واقعات کل

خضوصیت سے کے صرف ہے کیا ایسے شخص کی [illegible] نماز [illegible]
ہونٹ نہ ہونے اگر نہیں تو جب ہونٹ سازی [illegible]
[illegible] کو دیکھتی ہیں۔ تو جیسے کانوں سے جہری [illegible]
ہے [illegible] آنکھوں دونوں کے لیے سری قرأت [illegible]
سکتا ہے۔ [illegible] بینا کے لیے یہ امتیاز مشکل ہے۔

اس کے بعد آپ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] مع رسول اللہ [illegible]
[illegible] سمجھ جائے گا کہ وہ سری اور جہری دونوں طرح مطلق [illegible]
[illegible] ہیں اور [illegible] چشم دید دیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔

لطائف اس جگہ اس کہنے کا کوئی [illegible] میں [illegible]
حدیث مالی انازع القرآن [illegible]
[illegible] حدیث یعنی فرمان جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
ہے [illegible] کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حکم [illegible]
[illegible] رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اسی بات کا بیان روایت [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے [illegible] کے بعد فرمایا کہ لوگوں نے اس ارشاد اور روایت پر عمل کیا [illegible]

[illegible] کہ یہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ [illegible] کا اپنا قول نہیں [illegible]
[illegible] کو [illegible] ہوئے یہ صرف فاتحہ خلف الامام کی گنجائش نکالنے کے لیے
[illegible] ہے تاکہ اس کو اس طرح سے ٹال دیا جائے۔

[illegible] سے مراد یہ ہے قال الزہری [illegible]
[illegible] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ یہ اصل منقول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل بیان فرما رہے ہیں —
فصل الخطاب ص۳۲ میں ہے: اِنَّ غَرَضَ الرَّاوِی کَانَ الزُّھْرِی قَالَ ذٰلِک

نقلاً عن ابی ھریرۃ قولہ فانتھی الناس ... الخ

جب اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ترک القراءۃ خلف الامام جہری نمازوں میں بتلاتے ہیں تو وہ خلف الامام فاتحہ کے پڑھنے کا جہری نمازوں میں فتویٰ کیسے دے سکتے ہیں؟ کہ خیر الکلام ص۴۲ میں لکھتے ہیں: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نمازوں میں مقتدی کو آہستہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے" یہ محض غلط بیانی کی نسبت کی ہے۔ جب وہ اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا فرمانِ نبویؐ نقل کرتے ہیں اور خود فانتھی الناس عن القراءۃ فرما رہے ہیں تو اس کے خلاف کیسے وہ یہ فتویٰ دے سکتے ہیں؟

الغرض حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مَا لِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰن بیان فرما کر پھر اپنی طرف سے یہ بیان کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جہری نمازوں میں آپ کے پیچھے بالکلیہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ یہ کہنا کہ صرف جہر سے پڑھنا چھوڑ دیا بالکل بے معنی بات ہے اور محض من مانی بات لوگوں کو بتائی جاتی ہے۔ حدیث میں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ فانتھی الناس عن القراءۃ ہے عن الجھر بالقراءۃ نہیں ہے۔ منازعت نفس قرأت سے ہوتی کیونکہ یہ منصب اور حق امام کا ہے مقتدیوں کو انصات عند قراءۃ الامام کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم بھی کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم دے چکا ہے۔ اس لیے یہ پڑھنا ممنوع عمل ہوا اور یہ امر صریح کی مخالفت ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے خفیہ پڑھنے کو ہی سبب منازعت بنایا جائے گا۔ یہی بات جزء القرأت (امام البخاری) کی روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے فانتھی الناس عن القراءۃ کے جملہ کے بعد روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں: وَقَرَءُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ سِرًّا فیما لا یجھر فیہ الامام یعنی جس نماز میں امام

جہر سے قرأت نہیں کرتا اس میں وہ امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرلیا کرتے تھے پہلے بھی بیان گزر چکا۔ بحوالہ فصل الخطاب ص۳۳ اور یہ کاروائی بھی ان کا اجتہادی عمل تھا۔ اجازت مرجوحہ سے فائدہ اٹھایا۔ اِنْ کُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِیْنَ فَاقْرَؤُا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

رہا یہ کہنا کہ سِرًّا پڑھنے میں منازعت کیسے ہوتی ہے؟ تو اس کی وجہ بھی عرض کردی گئی ہے کہ پڑھنا صرف امام کا حق ہے۔ وہ مقتدیوں نے بھی لینا چاہا جو مقصد شارع کے خلاف ہے۔ دیکھئے فرمان جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم أَتَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ یہ استفہام اسی کراہت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے یہ سبب منازعت بنا۔ اسی لیے مذکورہ روایت مَالِيْ أُنَازِعُ الْقُرْآنَ کی شرح میں شرح مؤطا امام مالک میں فرمایا معنی منازعتہم له لا یفردونه بالقراءة ويقرءون معه فيكون ذلك منازعتهم له في القراءة۔ فصل الخطاب ص۵۱۔ یعنی منازعت کا معنی یہ ہے کہ امام کو اکیلے پڑھنے نہ دیا۔ بلکہ خود بھی اس میں حصہ دار بن گئے۔ حالانکہ یہ حق تو صرف امام کا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاری کا لقب اسی کو دیا ہے۔ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوْا۔ اس کے بعد حضرت استاذ شیخ علامہ سید الانور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے استذکار کے حوالہ سے علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

فقه هذا الحديث الذي من اجله جيئ به هو ترك الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ يَجْهَرُ فِيْهَا الْإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ فَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَّقْرَءَ مَعَهُ إِذَا جَهَرَ الْإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ وَلَا غَيْرِهَا عَلٰى ظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَعُمُوْمِهٖ۔ اھ ص۵۱ فصل الخطاب۔

یعنی یہ حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے اپنے پیچھے پڑھنے پر ناراضگی فرماتے ہوئے مالی انازع القرآن فرمایا۔ جس کو حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ائمہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ
نے اس کو سنن میں روایت کر کے اس پر حدیث حسن کا حکم بھی
لگایا ہے۔ اس حدیث سے مسئلہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے قرات نہ کی جائے
جس نماز میں امام جہر سے قرات کرتا ہو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ
قرات کرے بلکہ جہر سے امام قرات نہ کرے جب بھی کسی کے لیے رخصت نہیں
کہ اس کے پیچھے قرات کی جائے۔ اس حدیث کا ظاہر عموم کو چاہتا ہے کہ
جہری اور سری دونوں میں مقتدیوں کو قرات کرنا منع ہے کیونکہ حدیث میں انکے
پڑھنے کو منازعت سے تعبیر کیا گیا ہے اور ابتداء میں ھل قرأ معی احد
منکم آنفاً فرمایا۔ یعنی کیا کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے
کہا ہاں میں نے پڑھا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں نے سمجھا کہ کوئی میرے
ساتھ قرات میں منازعت کرتا ہے۔ پڑھنا صرف امام کا حق ہے وہی پڑھنے والا
اس کا حقدار بنتا ہے اور جو میرے ساتھ پڑھتا ہے اس کی وجہ سے مجھ سے
منازعت ہوتی ہے۔ أنازع صیغہ واحد متکلم فرمایا۔ اگر اونچا پڑھا ہوتا اور جہر کیا
ہوتا تو صیغہ جمع متکلم کا فرماتے کہ وہ ہم لوگوں سے منازعت کرتا ہے اور سب کو
پریشان کرتا ہے اونچی قرات کر کے سب کو خلجان میں ڈالتا ہے۔ اسی طرح
دوسری روایت میں خالجنیہا فرمایا۔ کہ اس پڑھنے والے نے مجھے خلجان میں
ڈالا ہے۔ جمع کا صیغہ یہاں بھی نہیں فرمایا (خالجنا) اور اگر بالفرض وہ اونچا
پڑھتا تھا اور جہر کرتا تھا جب بھی یہی مراد ہے کیونکہ پڑھنا ذریعہ علم بنا۔ اس سے پتہ
چل گیا کہ کوئی پیچھے پڑھ رہا ہے۔ انکار اس کے اونچے پڑھنے پر نہیں کیا۔ یہ نہیں
فرمایا کہ اونچا مت پڑھا کرو۔ یہ خلجان میں ڈالتا ہے۔ اور لا ترفعوا اصواتکم
نہیں فرمایا اور لا تجهروا بالقراءۃ سے انکار نہیں کیا۔ ہاں انکاری لہجہ میں
ھل قرأ معی احد منکم فرمایا۔ کیا کسی ایک نے تم میں سے میرے
ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس پڑھنا ہی موجب ثقل بنا اور اس

سے گرال ہوئی اسی کو منازعت سے تعبیر فرمایا۔ جب نفس پڑھنا ہی امام کے ساتھ محل انکار ہوا تو سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت خلف الامام منع ہونا معلوم ہو گیا۔ اگرچہ وہ وقت جہری نماز کا تھا مگر علت منع نفس پڑھنا مع الامام ہے۔ یہ ارشاد ھل قرأ معی جہری، سری دونوں کو شامل ہے بتاتا ہے کہ مع الامام قرأت مقتدی کو نہیں کرنی چاہیئے نہ تو جہر سے پڑھنے کو علت منع بنایا اور نہ جہری نمازوں کی تخصیص کی گئی، صرف ھل قرأ معی احد منکم فرمایا اسی کو دیکھتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ نتیجہ نکالا اور فرمایا فھذا الحدیث ھو ترک القرأۃ مع الامام فلا یجوزان یقرأ معہ اذا جھر الامام بالقرأۃ او غیرھا۔ جیسے کہ ابھی بیان گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا غلط ہے:

"کہ منازعت جہر سے قرأت کرنے میں ہوتی ہے۔ نفس قرأت خلف الامام ممنوع نہیں۔" کہتے ہیں کہ: جہر سے پڑھنا ہم منع کرتے ہیں۔ پھر اسی کو مزید پختہ کیا کہ: "جہر سے رُک جانا تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اونچا نہ پڑھا جائے۔ خفیہ پڑھنے سے رُک جانا تو معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود پڑھنے والا نہ کہے کہ میں نہیں پڑھوں گا۔" اس لیے فانتھی الناس عن القرأۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد جہر سے رُک جانا ہی مراد ہے۔ نفس قرأت اور خفیہ طور سے پڑھنا اور اس سے رُکنا تو جب معلوم ہوگا کہ لوگ سب کہہ دیں کہ ہم آئندہ آپ کے پیچھے نہیں پڑھیں گے اور یہ کہنا ثابت نہیں۔

ابھی اس کی تردید ہو چکی ہے کہ جیسے جہر سے رُک جانا کانوں سے معلوم ہو سکتا ہے تو اسی طرح نفس پڑھنے سے رُک جانا بھی آنکھوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بیان گزر چکا ہے۔ اب ایک اور بات عرض کرنی ہے کہ

وہ یہ کہ پہلے ابتداء زمانہ نزول وحی میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے اور آپ کو سناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ اس کو

لہٰذا ان کے لئے مقتدی [illegible] ثابت ہوئے تھے۔ خود ابوہریرہ تو یہی فرماتے ہیں [illegible] منتہی [illegible] قراۃ [illegible] ثم [illegible] جہری قرات سے [illegible] اذا قرأ فانصتوا [illegible] آپ کی [illegible] سے [illegible] نے [illegible] جہری قرات سے بھی منع کر دیا گیا۔

اس کے بعد راوی کا بیان ہے [illegible] فانتہی الناس [illegible] مطلق قراۃ۔ یعنی جب سے [illegible] جہری قرات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے تھے۔ پھر جب وہ پیچھے سے آپ پڑھتے تھے۔ اب پیچھے جو راوی [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہری قرات کا بیان کرتا ہے۔ [illegible] اس سے پہلے معلوم ہوا [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نماز میں [illegible] جہری قرات نہیں کرواں گا [illegible] مصنف [illegible] دیکھو کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو [illegible] پڑھتے تھے [illegible] بھی نہیں پڑھانے ہونگے۔ تو یہ جہری قرات کا ترک کرنا [illegible] جہری قرات کا ترک کرنا معلوم ہو گیا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ آپ کے پیچھے جہری قرات سے رک گئے تو اسی کو فانتہی الناس عن القراۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مصنف خیر الکلام کا کہنا کہ [illegible] آپ کے ساتھ [illegible]

دیکھئے اسی حدیث کی ابتداء میں ہے: فلما انصرف من صلوته قال هل قرأ معي احد منكم آنفا: کیا تم میں سے کسی شخص نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے کہا: نعم یا رسول اللہ۔ جی ہاں میں نے پڑھا تھا۔ اگر جہر سے پڑھا تھا اور جہر کرنا موجب منازعت بنا تو اس دریافت کرنے کے کیا معنی؛ معلوم ہوا کہ خفیہ پڑھا تھا یہی بے قاعدگی کی تھی۔ کیونکہ پڑھنا امام کا حق تھا۔ مقتدی کا کام پڑھی ہوئی قرأت کا سننا اور خاموش رہنا تھا۔ یہی احترام کلام الٰہی ہے۔ اس کو فرمایا: واذا قرئ القرآن اس کو سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلف الامام پڑھنا بند کر دیا۔ یہی فانتہی الناس کا معنی ہے خداوند تعالیٰ نام نہاد اہل حدیث کے علماء حضرات کو بھی سمجھ نصیب فرمائے تاکہ آپ کی اتباع کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صحیح اتباع بھی ہو جائے اور نبی علیہ و صحابی کے ارشاد پر عمل کرنا بھی نصیب ہو جائے۔

لطیفہ مصنف توضیح الکلام نے ص ۳۶۶ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا قال هل قرأ معي احد منكم آنفا قال رجل نعم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس کا ترجمہ بھی کیا: "کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک شخص بولا: جی ہاں! میں نے پڑھا ہے"

پھر لکھتے ہیں: مقلد صاحب نے اس حدیث میں کہا "کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے والا صرف ایک شخص تھا۔ اور اس نے قرأت کی تو آپ نے اسے ڈانٹا" پھر لکھتے ہیں: "یہ استدلال باطل ہے۔ حقیقت حال یہ ہے یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے پڑھا صحیح نہیں۔ کیونکہ فلاں اور فلاں نے کہا قرء اناس معه۔ آپ کے ساتھ کچھ لوگوں نے پڑھا"

تعجب کی بات ہے کہ حدیث کا ترجمہ انھوں نے بھی کیا کہ ایک شخص بولا:

جی ہاں، میں نے پڑھا۔ یہ ایک شخص کا پڑھنا [illegible] صاحب [illegible] نہیں ہے کہ آپ اس کو باطل [illegible] خوش ہو رہے ہیں [illegible] تو انہوں نے حدیث کا ترجمہ [illegible] آپ نے بھی [illegible] کر رہے ہیں کہ ایک شخص کا پڑھنا [illegible] آپ کے [illegible] لوگوں نے پڑھا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حدیث [illegible] کی غلطی ہے کہ آپ نے دونوں حدیثوں [illegible] نماز [illegible] ہے۔ [illegible] لا [illegible] ان میں توفیق کا راستہ اختیار [illegible]۔ [illegible] بھی چند لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت کی [illegible] ایک کی روایت بھی صحیح ہے اس کو جھوٹ کہنا غلط ہے۔

غور کیجئے ایک نے پڑھا یا چند نے پڑھا۔ [illegible] نہیں پڑھا تھا۔ کیا آپ کے ہاں ان کی نماز نہیں ہوئی؟ [illegible] کے ذمہ ادھار رہ گیا۔ بلکہ اس پر بھی غور فرمائیں، حضور [illegible] نے جب [illegible] ایک نے یا چند لوگوں نے قرأت کی ہے [illegible] نہیں کی تو ان کو کیوں نہیں فرمایا: لا صلوٰۃ [illegible] کہ آپ کے قانون کے مطابق تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ پھر سے نماز پڑھو۔ [illegible] آپ نے [illegible] نہیں فرمایا۔ انکار فرمایا تو پڑھنے والے پر فرمایا۔

مزید سوچئے کہ قرأت کرنے والوں نے تو ایک مکروہ فعل کیا ان کو تو ڈانٹ [illegible] اور جنہوں نے فاتحہ نہیں پڑھی ان کی نماز ہی نہیں ہوئی ان کو کچھ نہ فرمایا۔ بس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی نماز تو صحیح وسلامت ہوئی۔ ہاں پڑھنے والوں کو تنبیہ فرما دی۔ مالی اُنازع القرآن۔ آپ کا یہ فرمانا [illegible] اَحَدٌ مِّنْکُمْ کے بعد صریح دلالت کرتا ہے کہ نفس قرأت ہی موجب منازعت ہوئی جہر کیا ہوتا تو فرماتے: اَیُّکُمْ جَهَرَ بِالْقِرَاءَة۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے قرأت کی ہے اور اوروں نے نہیں کی۔ اگر ان حضرات کے علم میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو ضرور پڑھتے۔ نہ تو انھوں نے فاتحہ پڑھی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ معلوم ہوا کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا مروج نہ تھا۔ ہاں بعض پڑھا کرتے تھے۔ اسی کے موافق فصل الخطاب ص۵۲ میں ابن ابی شیبہؒ سے روایت کی عند ابن ابی شیبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابہ ھل تقرؤن خلف امامکم قال بعضھم نعم وقال بعضھم لا۔ ولم یأمرھم بالاعادۃ۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کیا تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے ہو تو ان میں سے بعض نے جواب میں ہاں فرمایا اور بعض نے کہا ہم نہیں کرتے۔ آپؐ نے اس کے بعد ان کو نمازوں کے اعادہ کرنے کا ارشاد نہیں فرمایا۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا مقتدی کے بارہ میں ہونا بعض صحابہ کرامؓ مانتے تھے اور وہ پڑھتے تھے اور بعض اس کو مقتدی کے بارہ میں نہیں مانتے تھے۔ اس لیے انصات کرتے تھے یعنی سکوت اور خاموشی کرتے تھے۔

تنبیہ: اس سے پتہ چلا کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے نہ پڑھنے کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ اس سابق بیان سے آپ کو روشن ہو گیا ہو گا کہ مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً نہیں دیا تھا ورنہ آپ نفسِ قرأت سے سوال ہی کیسے کرتے۔ ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ کیا کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے؟ جس کسی نے بھی صحابہ کرامؓ میں سے پڑھا اپنے ذہنی اجتہاد سے مسئلہ بنالیا اور عمل اس پر کرتے رہے۔ جیسے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

موازنہ بین الدلیلین

خیال یہ ہے کہ اجمالی طور سے آپ فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کی دلیل معروف محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود والی اور بالمقابل منع القرأۃ خلف الامام کی دلیل زہری عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرۃؓ والی کا موازنہ زیر نظر فرمالیں۔ داشتہ بکار آید۔

پہلی وجہ یہ ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ص۴۲ دونوں کو ھذا حدیث حسن فرمادیا۔ لیکن فصل الخطاب ص۳۳ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعلق فرمایا صححہ ابو حاتم کما فی الجوہر و تفسیر ابن کثیر و آخرون کہ اس کو ابوحاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ اور کئی اور نے صحیح قرار دیا۔

بے شک حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو مدلس کہا گیا ہے لیکن وہ بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ جیسے حضرت سفیان بن عیینہ یا سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ متفق علی عدالتہ۔ ضبطہ متقن مامون حدثت ہیں۔ لیکن ابوداؤد ص۸۳ کی سند میں سماع مروی ہے۔ عن الزہری قال سمعت ابن اکیمۃ یحدث سعید بن المسیب قال سمعت ابا ہریرۃ یقول صلی بنا ... الخ۔ بخلاف فریق ثانی کے راوی محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ کے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہی عن القرأۃ کے بعد الا بفاتحۃ الکتاب ... الخ کی استثناء نقل کی ہے۔ وہ اتنے ضعیف الحال ہیں کہ تمام صحیح بخاری میں ایک روایت بھی ان سے نہیں لائی گئی۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے احتجاج نہیں کیا۔ ہاں متابعات میں اس کو ذکر کردیا ہے بہرحال صحیحین کے راوی ہونے کا شرف ان کو حاصل نہیں۔ اس کے ... وہ مدلس بھی ہیں اور ان کا شیخ مکحول بھی مدلس ہے اور روایت معنعن نقل کی جاتی ہے۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حَسَنْ فرمایا ہے۔ لیکن ان میں فرق ضرور ہے۔ حضرت ابنِ اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کثیر جرح کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ اسی سے متأثر ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے بخلاف زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے، کہ ان سے بکثرت روایات صحیح بخاری میں لائے ہیں اور روایت ابوداؤد میں سماع بھی مروی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابنِ اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت پانچ طریقوں سے مکحول عن عبادۃ مرسل مروی ہے اور حضرت زہریؒ کی عن ابن اکیمہ عن ابی ھریرۃ متصل السند ہے اور ابنِ اسحٰق کی روایت چار طریقوں سے مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ کی سند سے نقل کی جاتی ہے اور نافع بن محمود کو مجہول کہا جاتا ہے۔ ابنِ حبان نے اگرچہ ان کو ثقات سے شمار کیا ہے لیکن گزر چکا ہے کہ وہ ہر مجہول الحال کو ثقہ کہہ دیتا ہے جس پر جرح مُعَیَّنْ نہ کی گئی ہو۔ تفصیل گزر چکی ہے اور زہری عن ابنِ اکیمۃ اللیثی کی مذکورۃ السند روایت اس نقص سے پاک صاف ہے۔

اور ایک طریقہ محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع کا ہے جس پر ترمذیؒ نے حَسَنْ کا حکم کیا ہے لیکن یہ طریقہ شاذ ہے۔ مکحول کے سات شاگردوں کے خلاف محمد بن اسحٰق نقل کر رہا ہے بلکہ دو اور مکحول کے متابع کے بھی خلاف ہے۔ ان نو طریقہ کے خلاف سند محمد بن اسحٰق نقل کر رہا ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ شاذ اسی کو کہتے ہیں کہ ثقہ راوی اور ثقات کے خلاف نقل کرے اس لیے اس کا حَسَنْ ہونا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ حَسَنْ ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں شذوذ نہ ہو اور یہاں شذوذ پایا جاتا ہے۔ کیا اس مخالفت سے شذوذ نہیں ہوگا؟ مقتدین بشافعیہ حضرات۔ فاتحہ خلف الامام کے قائل جب اس کو شاذ کہیں گے وہ تو ہمیں کو دلیل بناتے ہیں۔ لیکن جب شذوذ کا معنی پایا

گیا ہے تو شاذ ہونا یقینی ہے۔ پھر وہ حسن کیسے بن سکتی ہے؟

بخلاف حدیث زہری عن ابن اکیمۃ اللیثی کہ وہ اس نقص سے بھی پاک ہے اور مکحول کا محمود بن الربیع صحابی سے ملنا اور ملاقات کرنا بھی ثابت نہیں۔ گزشتہ ترمذی کے حوالہ سے بیان گزر چکا ہے اور مکحول مدلس ہو کر عن سے روایت بیان کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شان ان دونوں سے ارفع ہے۔ اس لیے ان کی روایت محمد بن اسحٰق عن مکحول سے رفیع رہے گی۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے۔ ہاں ضد اور بات ہے۔

اگر مشادی بھی مان لیجئے جب بھی قانون کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو ترجیح محرّم کو دی جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت قرأت خلف الامام کو ممنوع قرار دیتی ہے اور محمد بن اسحٰق کی نہی کے بعد استثناء اجازت کا فائدہ دیتی ہے اور اجازت بھی مرجوح درجہ کی۔ ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھیے۔ لفظ ان کُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِیْنَ کے عنوان سے اجازت دی ہے کہ پڑھنا خلف الامام نہیں چاہیئے۔ لَا تَفْعَلُوْا۔ ہاں خواہ مخواہ پڑھنا ہی ہو تو فاتحۃ الکتاب کو پڑھ لیا کرو۔ پھر منازعت کی حدیث بتا رہی ہے کہ یہ اباحت بھی اٹھا دی گئی۔ کیونکہ یہ منازعت نفسِ قرأت سے ہوئی ہے۔ اونچا نہیں پڑھا گیا تھا۔

غور فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال نفس قرأت سے کیا۔ ھَلْ قرأ معی احد منکم آنفا۔ قال رجل نعم۔ اگر جہر کیا تھا تو سوال ھَلْ قرأ سے کیسے کیا گیا؟ اَیُّکُمْ جَهَرَ اور هَلْ جَهَرَ فرمانا تھا بلکہ بصورت جہر تو پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس طرح سے یہ ناراضگی یقیناً نفسِ قرأت کرنے پر ہی ہوئی جو خلف الامام قرأت کی گئی۔ اسی طرح جہاں فرمایا لعلکم تقرءون خلف امامکم وغیرہ تو یہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے مصنف

توضیح الکلام نے جو ص۳۶۸ پر لکھا: آپ نے جو خلف الامام قرأت پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی وہ باواز بلند پڑھنے سے فرمائی۔ یہ محض غلط افسانہ ہے اگر جہر کیا تھا اور باواز بلند پڑھا تھا تو پوچھنے کے کیا معنیٰ؟ هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ کیسے فرماتے؟ آپ قرء کو مجازی معنیٰ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ مجاز جب لیا جاتا ہے کہ حقیقت کے ارادہ سے کوئی مانع ہو۔ بتائیے کہ یہاں مانع کیا ہے؟ — یہ ڈانٹ ڈپٹ نفسِ قرأت خلف الامام پر ہی ہوئی ہے اور یہی ممنوع ٹھہرے گی جس چیز پر ایسی شدید زجر کی جائے وہ کیسے مشروع ہو سکتی ہے؟ منازعت کو جہر کا قرینہ بنانا غلط ہے۔ بیان گزر چکا ہے۔

مصنف خیر الکلام نے بھی اس جگہ اسی طرح کی بات کی جو محض بے معنی اور نامعقول کلام ہے کہ "لوگوں کا رک جانا جہر کرنے سے تو پتہ چل جاتا ہے لیکن خفیہ پڑھنے سے رک جانا معلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ لوگ خود نہ کہیں کہ ہم پڑھنے سے باز آ گئے" اس کی تردید گزشتہ گزر چکی ہے۔

فریق ثانی کا نرالا انداز

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو جس میں آپؐ کے پیچھے جہری نماز میں کسی شخص کا قرأت کرنا مذکور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اظہارِ ناراضگی مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ آیا ہوا ہے۔ فریقِ ثانی کے جانب سے مختلف حیلوں سے ٹالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان کے بعض بہانے ایسے بے معنی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ لکھتے وقت عقل کہاں چلی گئی تھی۔ جیسے ابھی گزرا کہ کہنے والے کہتے ہیں۔ توضیح الکلام ص۳۶۸ باواز بلند پڑھنے پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔ سوائے اس کے کہ یہ ان کے ضمیر کی آواز ہے اور کیا کہا جائے۔ اگر یہاں یہ عذر کرتے ہیں تو محمد بن اسحٰق عن مکحول کی روایت میں بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِلَیْ

أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ. قُلْنَا إِيْ وَاللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ... الخ۔ پھر یہ انکار بھی اونچے پڑھنے پر ہوگا۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں انھوں نے کہا ہے۔ حالانکہ اس میں محلِ انکار نفسِ قرأت ہی ہے۔ أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ فرمایا ہے۔ لیکن آپ لوگ حسبِ سابق یہاں بھی کہیں گے کہ انکار اونچے پڑھنے پر کیا۔ نفسِ قرأت پر نہیں کیا۔ قرأتِ مشوشہ منع ہے۔ تو اس وقت معنی یہ بن جائیں گے کہ "میں جانتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے اونچا پڑھا کرتے ہو، ایسے نہ کیا کرو۔ اس کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بھی ہے۔ یعنی مگر فاتحہ کہ اس کو اونچا اور جہر سے پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ آپ کے قول کے مطابق مستثنیٰ منہ میں جب اونچی آواز سے پڑھنے کی ممانعت ہے تو مستثنیٰ میں بھی اونچی آواز سے پڑھنے کی اجازت ہوگی۔

خیر الکلام ص۲۵۸ میں دوسرا بہانہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مَا لِيْ أُنَازَعُ الْقُرْآنَ میں انکار شاید مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ پر کیا گیا۔ مگر یہ بھی بلا دلیل اور من مانی بات ہے کون مان سکتا ہے۔ اس حدیث میں کون سا لفظ اس کا قرینہ ہے۔ بلکہ یہ الفاظ تو حدیث کے مخالف ہیں۔ اسی کو حضرت علامۃ الشیخ السید مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فصل الخطاب ص۵۴ میں فرماتے ہیں:

فَابْدَاءُ تَأْوِيْلِ الْجَهْرِ وَمَا فَوْقَ الْفَاتِحَةِ لَا أَثَرَ لَهٗ فِيْ طُرُقِ حَدِيْثِ عُبَادَةَ وَلَا فِيْ بَاقِي الْأَحَادِيْثِ. إِنَّمَا هُوَ عَهْدٌ ذِهْنِيٌّ لَهُمْ فِيْ وُجُوْبِ الْفَاتِحَةِ عَلَى الْمُقْتَدِيْ قَبْلَ أَنْ يَثْبُتَ لَا أَثَرَ لَهٗ فِي الْخَارِجِ. یعنی لوگوں کا اس حدیث میں تاویل کرنا کہ جہر کرنے کی خلف الامام ممانعت کی گئی ہے۔ یا ما زاد علی الفاتحۃ پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے، محض بے وجہ ہے۔ حدیث حضرت عبادہؓ والی یا اور احادیث میں اس کا نام و

نشان تک نہیں پایا جاتا۔ صرف ان لوگوں کی اپنی ذہنی ایجاد ہے کہ فاتحہ مقتدی پر فرض ہے اور حدیث مخالف کی یہ تاویل ہے۔ حالانکہ فاتحہ کے مقتدی پر فرض ہونے کی ابھی تک دلیل صحیح ثابت نہیں کی گئی۔ پہلے اس کا فرض ہونا مقتدی پر ثابت کرنا ہوگا پھر اس فرضیت کی قطعی دلیل پیش کرنی ہوگی اور بعد میں مخلف حدیث کی تاویل کی جائے گی۔

محل حیرت ہے کہ فریق ثانی امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا فرض کہتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم فرمان صادر بھی ہوگا۔ اور ضرور ہے کہ ایسے حکم کی تعمیل جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور بالضرور کرتے ہی ہوں گے جیسے التحیات کہ ہر شخص امام کے پیچھے پڑھا ہی کرتا ہے۔ تو ایسے موقع میں یہ سوال کیسے معقول ہے کہ کیا تم میں سے میرے پیچھے کسی نے کچھ پڑھا ہے؟ هل قرأ معي احد منكم آنفاً۔ جیسے کوئی کہے کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ نماز میں التحیات پڑھا ہے؟ اگر اونچا پڑھا تھا اور وہ باعث ناراضگی بنا تو صرف پڑھنے کا سوال کیوں کیا؟ هل قرأ معي احد بکذا؟ ونچا پڑھنے کی صورت میں یہ سوال ہی بے محل بنتا ہے۔

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت کی تھی اس ممانعت کے باوجود کسی نے پڑھا یا چند آدمیوں نے پڑھا۔ تو اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی ہوئی۔ انی اقول مالی انازع القرآن اس ناراضگی کا پتہ دیتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا نازل ہو چکا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان تفسیری اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سن چکے تھے۔ اس کے باوجود کسی نے انفرادی نماز کی طرح امام کے پیچھے بھی پڑھا۔ اس پر انکار کیا گیا۔ کیونکہ یہ فعل ان کا مکروہ انداز کا تھا منہی ہو چکا تھا۔ اس سے آپ کی طبیعت پر گرانی ہوئی

جیسے بعض لوگوں نے کسی وقت وضو میں کچھ نقصان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو تنبیہ فرمائی۔ مَا بَالُ اقوامٍ یُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا یُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ اِنَّمَا یُلَبِّسُ علینا القُرْاٰنَ اُولٰئِکَ ۔ گزشتہ گزر چکا ہے۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کا اپنے پیچھے نفس پڑھنا ہی سخت ناگوار ہوا۔ اس لیے دریافت فرمایا: هَلْ قَرَءَ مَعِیَ احدٌ منکم۔ باقی اس پڑھنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کیسے ہوئی؟ ممکن ہے کہ جس کے طریقہ سے پڑھا ہو کچھ آواز اس میں پیدا ہو جاتی ہے، دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے یا ممکن ہے کہ ویسے ہی اس مکروہ عمل سے گرانی کی خاطر پیش آئی ہو۔ جیسے نا تمام وضوء سے جیسے کہ ابھی معلوم ہوا اور نماز کے اندر آپؐ کو یہ کیفیت حاصل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقتدیوں کے رکوع، خشوع اور سجود کو دیکھتے اور محسوس کرتے تھے۔ حالانکہ ان امور میں آواز نہیں ہوتی۔ واللہ ما یخفیٰ عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خشوعکم ۔۔۔ قال اقیموا الرکوع والسجود فواللہ انی لاراکم من بعدی۔ (بخاری ص۱۰۲ ج۱)

بہرحال مصنف توضیح الکلام کا ص۳۶۸ پر لکھنا: "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خلف الامام قرأت پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی وہ بآواز بلند پڑھنے سے فرمائی" بالکل صحیح نہیں بنتا۔ اگر بلند آواز سے قرأت کی تھی تو کیا هَلْ قَرَءَ مَعِیَ اَحَدٌ سے سوال کیا جاتا؟ دُنیا میں رہ کر بات کرنی چاہیئے۔ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ کا قول فصل الخطاب ص۹۳ میں لکھا ہے:-

قال فی رسالتہ تنوع العبادات وکان الذی یقرء حال الجهر قلیل وهذا منهیٌ عنہ بالکتاب والسنۃ وعلی النهی عنہ جمهور السلف والخلف۔

یعنی جہر کی قرأت کے موقع پر تو بہت ہی کم لوگ پیچھے پڑھنے والے تھے اور یہ کتاب اللہ اور سنت سے منع ہو چکا ہے اور اسی پر جمہور سلف صالحین

رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے پیچھے آنے والے حضرات رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت مزید یہ لکھی ہے:

لکنّ الّذین ینھون عن القراءۃ مع الامام ھم جمھور السلف والخلف ومعھم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ۔ والذین اوجبوھا علی الماموم فی حال الجھر ھکذا فحدیثھم قد ضعفتہ الائمۃ۔

(فصل الخطاب ص۹۳)

لیکن جو حضرات امام کے ساتھ قرأت سے روکتے ہیں، وہ جمہور سلف خلف ہیں۔ ان کے پاس کتاب اللہ اور سنّتِ نبویّہ صحیحہ کے دلائل ہیں اور جو لوگ مقتدی پر جہر کی حالت میں فاتحہ واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ محدثین کرامؒ نے ضعیف کہا ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ الشیخ السیّد محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فصل الخطاب ص۵۸ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جو پہلے لکھی گئی ہے خلاصہ یہ بیان فرماتے ہیں: نَقُوْلُ اَنَّ الْوَاقِعَۃَ فِی الْجَھْرِیَّۃِ وَمَوْرِدُ السُّوَالِ قِرَاءَتُھُمْ مَعَ جَھْرِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَنَّہٗ نَزَلَ قَبْلَ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ بمکۃ فَکَانَ لَا یَعْلَمُ اِنَّھُمْ یَقْرَءُوْنَ مَعَ جَھْرِہٖ فَھُوَ وجہ الاستنکار۔ یعنی حدیث کا یہ واقعہ جہری نماز کا واقعہ ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سوال ان کی خلف الامام قرأت سے تھا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہر سے قرأت فرما رہے تھے اور سوال کا منشاء یہ تھا کہ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ کی آیتِ کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم یہ نہ جانتے تھے کہ میرے پیچھے کوئی قرأت کرتا ہوگا۔ کیونکہ آیتِ کریمہ سالفہ قرأت سے منع کرتی ہے اور حکم دیتی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی کو انصات اور استماع کا حکم ہے۔ اس لیے جب کسی موقعہ پر جب کسی کی قرأت محسوس کی تو سوال کیا کہ کیوں ایسا کیا؟ قرأۃ امام کا حق ہے تم نے کیوں پڑھا؟

یہی بات محمد بن اسحٰق کی روایت میں ہے جو انھوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح فثقلت علیہ القراءۃ فاقبل علینا بوجہہ فقال انی لاراکم تقرءون خلف امامکم اذا جھر قال قلنا اجل یا رسول اللہ قال فلا تفعلوا الا بام القرآن۔ (مختصراً)۔ اس میں بھی موردِ سوال کا نفسِ قرأت کو بنایا گیا ہے نہ کہ ان کا جہر کرنا۔ یا ان کا ما زاد علی الفاتحۃ پڑھنا۔ صرف اسی نفسِ قرأت کی نہی کی گئی ہے۔ فلا تفعلوا۔

اس فرمان ثقلت علیہ القراءۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ انی لاراکم تقرءون خلف امامکم کا فرمان۔ (میں خیال کرتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو) استنکار کے طور پر ہوا تھا۔ اسی لیے آخر میں صاف نہی فرما دی۔ لا تفعلوا یعنی امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کرو۔ اس میں علتِ نہی کی ثقلِ قرأت بتائی گئی ہے اور اسی کو ابوداؤد ص ۸۲ ج ۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت میں مالی انازع القرآن سے تعبیر فرمایا ہے یہ منازعت بھی نفسِ قرأت سے ہی ہوئی۔ وہاں بھی جہر کا کوئی تذکرہ نہیں کہ کسی نے جہر سے قرأت کی تھی اس سے منازعت ہوئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ایک ہی شخص کا آپ کے پیچھے پڑھنا معلوم ہوتا ہے

اسی لیے هَلْ قَرَأَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا فرمایا اور محمد بن اسحٰق کی روایت میں ایک طرح عادی طور سے پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے سوال کیا گیا اور فرمایا لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ۔ ان دونوں میں نفس قرأت کا موجب ثقل ہونا موجب منازعت ہونا اور موجب خلجان بننا ذکر کیا گیا ہے جیسے روایات کی شہادت پائی جاتی ہے کہ نفس قرأت کرنا ہی مورد انکار ہے اور اسی پر اعتراض کیا گیا ہے۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسی چیز مشروع نہیں ہوسکتی۔ ایسی چیز واجب الترک ہوتی ہے اور اسی کو کراہت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات کا اعتراف صاحب خیر الکلام بھی کر رہے ہیں۔ ص۲۵۷ میں لکھا ہے "منکر کو نہی سے خارج کرنا ٹھیک نہیں۔ اگر استفہام انکاری بنایا جائے تو اس کا محل جہر کو بنانا چاہیئے" اور ص۲۵۸ میں لکھتے ہیں: "یا انکار کا محل ما زاد کو بنانا چاہیئے" (سبحان اللہ)

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں جہر پر انکار کرنا یا مَا زَادَ عَلَى الفاتحہ پر انکار کرنا مروی نہیں۔ یہ ایک ذہنی چکر پر چلنے کی مجبوری سے کر رہے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا تو ضروری ہے اور انکار اور کراہت قرأت کی احادیث بھی مروی ہیں تو اس ضرورت سے اس کراہت کا رخ دوسری طرف موڑ رہے ہیں کہ انکار جہر پر کیا گیا یا مَا زَادَ پر ہو؟ جس کا حدیث میں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ (ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود۔) والی بات ہے۔

اسی کی طرف فصل الخطاب ص۳ میں اشارہ کیا گیا۔ فرمایا: وَلَا اَثَرَ فِي الطُّرُقِ لِتَقْيِيْدِهٖ بِمَا فَوْقَ الْفَاتِحَةِ وَلَا لِتَقْيِيْدِهٖ بِجَهْرِهِمْ فِي السُّؤَالِ اَصْلًا فَهُوَ عَنْ اَصْلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی حدیث کے کسی طریقہ میں تقیید ما فوق فاتحہ کے پڑھنے کا ذکر نہیں، کہ اس پر انکار کیا گیا اور نہ کسی طریقہ میں ان کے جہر سے پڑھنے پر انکار کرنا مروی ہے۔ دونوں باتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔

لیکن یہ اور اس جیسی احادیث کا مفہوم واضح ہے کہ حدیث میں ہے ثَقُلَتْ عَلَیْہِ
الْقِرَاءَۃُ یعنی کسی نے پڑھا تھا۔ جس پر انکار کیا۔

جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جہری نماز کا ہے کہ کسی نے جہری صلوٰۃ میں آپ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے اس کی قرأت کی تھی ورنہ جو دوسری روایت جہری نماز
میں خاص کر صبح کی نماز میں کسی کے قرأت کرنے کی ہے اس میں ہے فَثَقُلَتْ
عَلَیْہِ الْقِرَاءَۃُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ
إِمَامِکُمْ قُلْنَا نَعَمْ ... قَالَ لَا تَفْعَلُوْا ... یعنی یہ
منازعت کا ذکر ہے اور نہ جہر کرنے کا۔

یہی وہ بات ہے جو ہم نے عرض کی تھی کہ مصنف خیر الکلام نے اعتراف
حق کیا۔ وہ یہ کہ جس پر انکار کیا جائے وہ نہی سے خارج نہیں کی جا سکتی۔ ان
کے الفاظ یہ ہیں: منکر کو نہی سے خارج کرنا ٹھیک نہیں ہے۔
لیکن اس کا رخ انھوں نے بدل دیا کہ نہی جہر سے یا منازعت سے
پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حالانکہ آپ کو تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ نہی کا محل
اور مورد صرف قرأت کرنا ہے جیسے حدیث کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے مگر تحریف
کر کے رخ بدل رہے ہیں۔

یہی بات پہلے عرض کی تھی کہ حدیث ترمذی کی جو مکحول عن محمود
کے طریق سے مروی ہے اس کے آخر میں لَا تَفْعَلُوْا کے بعد إِلَّا بِفَاتِحَۃِ
الْکِتَابِ کی استثناء صحیح نہیں بنتی کیونکہ نفس قرأت کرنے کو جہاں ثقلت
فرمایا گیا دوسری میں منازعت سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے بعد اس کی اجازت
إِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ سے نہیں دی جا سکتی۔ ہاں اباحت مرجوحہ درجہ
مرجوحہ کہی جا سکتی ہے۔ یہ شاید کسی ضعیف راوی کی زیادۃ ہو جو روایت مذکورہ میں
مروی نہیں۔ کیونکہ مکحول مدلس ہے اور اوپر عَنْ سے روایت کر رہا ہے۔ اصل
حدیث لَا تَفْعَلُوْا تک ہی ہے کیونکہ قرأت کا ثقیل ہو جانا اسی کو چاہتا ہے

کہ اس کی بندش کی جائے او بس ۔

اس کے بعد کسی راوی نے شاید اپنے ذہنی نظریہ کے ماتحت استثناء دی اور اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کہدیا جیسے مصنف خیر الکلام نے اپنے ذہنی اور مذہبی نظریہ کے ماتحت کہ دیا کہ انکار جہر پر یا مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ پر ہے حالانکہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ۔

اس طرح بلا دلیل کوئی بھی بیان کرے تو اس کا قول قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ ان پڑھنے والوں نے آپ کے پیچھے اونچا نہیں پڑھا تھا۔ مخفی قرأت کی تھی۔ جبھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نفس قرأت کا سوال کیا۔ هَلْ قَرَءَ مَعِیَ اَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا ۔ کیا تم میں سے کسی شخص نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک نے کہا، ہاں میں نے قرأت کی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کیا مَا لِی اُنَازِعُ الْقُرْآن ۔ ممکن ہے اس شخص نے فاتحہ ہی پڑھی ہو۔ وہ بھی انکار میں داخل ہوگئی۔ اسی طرح دوسری روایت هَلْ تَقْرَءُوْنَ والی یا اِنِّیْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ میں نفس قرأت کا سوال کیا۔ ممکن ہے بلکہ اقرب یہی ہے کہ یہ لوگ فاتحہ ہی پڑھا کرتے ہوں گے۔ جنھوں نے جواب میں نَعَمْ یا اِیْ وَاللّٰہِ کہہ دیا کہ جی ہاں ہم پڑھا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لَا تَفْعَلُوْا فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو۔

اس بیان کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کی استثناء کیسے درست ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہی فاتحہ موجب ثقل بنی ثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ آ ہی چکا ہے۔ جہر نہیں کیا تھا کہ اس کا انکار کیا جائے اور مَا زَادَ نہیں پڑھا تھا کہ اس کا انکار کیا جائے۔ پھر اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کی استثناء اور اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ ضرور یہ کسی راوی کا اضافہ ہے جس نے خلف الامام پڑھنے کا عمل اور عقیدہ کر رکھا تھا۔ اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی استثناء بھی مان لی جائے تو اس کو نہایت ہی مرجوح درجہ کی اجازت دینا کہا جائے گا۔ جیسے کہ کلمہ لا بأس علیہ کے لفظ سے بھی ملتی ہے۔ ایسا مضمون فرض کے لیے نہیں آیا کرتا۔

اور حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی تعمیل وہ اسی مرجوح اجازت دینے کی دلیل ہے رہا تحقیق کی شان یہ ہے کہ نماز کے لیے اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مقتدی کو تو متعین ضروری نہیں قرار دی گئی۔ لیکن یہ ضروری قرار دیا گیا ضروری امر کے لیے ہے۔ مقتدی کو وظیفہ تو فضیلت اور استماع و عدم قراءت لا جب خطیب بھی تاکید یا ہے۔ مقتدی اگر امام کی قراءت کے وقت پڑھنے کا ترک واجب ہو۔ استماع فضیلت فوت ہو کر نقصان ہونے گا۔ اس مزید تفصیل حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول زیر نظر لائیں اور دونوں دماغ میں رکھ کر دیکھیں جو حقیقت تھی آپ پر منکشف ہو جائے۔

قال ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال بعد کلام والأمر بالاستماع والإنصات للمأموم فی القرآن وفی السنۃ الصحیحۃ وھو إجماع الأمۃ فیما زاد علی الفاتحۃ وھو قول جماھیر السلف من الصحابۃ وغیرھم فی الفاتحۃ وغیرھا وھو أحد قولی الشافعی واختارہ طائفۃ من حذاق أصحابہ کالرازی وأبی محمد بن عبد السلام فإن قراءۃ المأموم مع جھر الإمام منکر مخالف للکتاب والسنۃ وما کان علیہ عامۃ الصحابۃ۔

یعنی حافظ ابن تیمیہ نے یہ بھی فرمایا کہ مقتدی کے لیے امام کی قراءت کے وقت استماع وانصات کا امر قرآن کریم میں مذکور ہے اور یہی سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی تمام امت کا اجماع ہے کہ فاتحہ سے زائد امام کی قراءت کے وقت پڑھنا نہ چاہیے اور یہی قول ہے عموماً جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور

ان کے ماسوی حضرات کا فاتحہ اور غیر فاتحہ کے پڑھنے میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا ایک قول بھی یہی ہے اور اسی کو ان کے مذہب کے حاذق و ماہر حضرات نے اختیار بھی کیا ہے جیسے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو محمد بن عبد السلام وغیرہ اور یا بس یہ ہے کہ قرأت کرنا مقتدی کا جب کہ امام قرأت کر رہا ہو منکر قول ہے۔ کتاب اللہ اور سنت نبویہ کے مخالف ہے اور جس طریقہ پر عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہے اس کے بھی مخالف ہے۔ اس کے بعد جماعت اہل حدیث شیشہ میں اپنے خدوخال کو دیکھ لے۔

افسوس کہ یہی ناکارہ و مردود طریقہ جماعت اہل حدیث کا معمول بنا ہوا ہے عوام کو کیا خبر ان کے مذہبی پیش رو حضرات علماء ان کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ شافعیہ حضرات محدثین کرام کے نام سے کہ ان کو بتاتے ہیں کہ یہ سب لوگ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ امام بخاری بھی قائل ہیں۔ حالانکہ حضرات شافعیہ اپنے امام کے موافق سکتات میں پڑھنا کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت امام بخاریؒ بھی۔ جزأ القرأت کہ جو ان کا رسالہ ہے دیکھ لیجئے۔ غیر مقلدین کا امام کے ساتھ ساتھ جہری نمازوں میں پڑھنا بقول حافظ ابن تیمیہؒ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام کو دیکھ لیجئے: وہ فرماتے ہیں وَ اختار اصحاب الحدیث ان لا یقرء الرجل اذا جھر الامام بالقراءۃ وقالوا یتتبع سکتات الامام۔ حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مختار یہ ہے کہ امام جہری قرأت کرے تو اس کے ساتھ نہ پڑھا جائے ہاں سکتوں میں پڑھے۔ غیر مقلدین کا عمل محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف ہے اور خلف یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات لفظ اہل حدیث سے غیر مقلدین مراد لیتے ہیں تو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا خود اہل الحدیث کے مختار عمل کے خلاف ہوا۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پہلے گزر چکا ہے کہ فاستمعوا لہ کا تقاضا یہ چاہتا ہے کہ امام کی قرأت کامل خاموشی سے سُنی جائے۔ اپنی زبان سے مقتدی کا پڑھنا استماع مامور کے منافی ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت امام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام پھر غور سے پڑھیں کہ وہ ساتھ ساتھ پڑھنے سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ایسے پڑھنے والے کو انھوں نے کمثل الحمار سے یاد کیا ہے۔

رجوع الی المقصد

انہی وجوہ کو دیکھ کر میں نے گزشتہ عرض کیا تھا کہ جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ما لی انازع القرآن سُن کر اور آپ کی ناراضگی قرأت خلف الامام پر دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے رُک گئے تھے۔ جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں تو آپ کی جماعت اہلِ حدیث کو بھی رُک جانا چاہیئے۔ کیا آپ لوگوں کو اس فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ناراضگی معلوم نہیں ہوئی؟ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کے سبب کو کیوں نہیں چھوڑتے ہیں بہانے کیوں بناتے ہو کہ یہ فانتھی الناس کا جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمودہ نہیں بلکہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے۔ کیا حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ترک القراۃ کے عمل کو نہیں دیکھا اور پایا؟ اس کو مرسل بنا کر ٹالنے کا بہانہ اضافہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر انھوں نے نہیں دیکھا اور پایا تو اس واقعہ کے دن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے جو اثر لیا اسی کو دیکھ لیتے۔ فانتھی الناس تو اسی ترک القرأت کا نام ہے۔

مان لیجئے کہ نہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے اور نہ حضرت

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ لیکن مالی انازع القرآن تک تو حدیث آپ بھی مانتے اور جانتے ہیں۔ آپ اس کے آگے کے جملہ میں کلام کرتے ہیں کہ فانتھی الناس عن القراۃ کا جملہ مدرج ہے۔ حضرت امام زہریؒ ملا ڈالتے تھے۔ دیکھو فلاں نے کہا کہ حضرت امام زہریؒ نے اپنی طرف سے کہا ہے۔ حدیث میں نہیں ہے۔ حدیث صرف مالی انازع القرآن تک ہے فلاں فلاں نے صرف اتنی ہی حدیث نقل کی ہے اور یہ جملہ نقل نہیں کیا۔ یہ بہانے آپ لوگوں نے بنائے ہیں۔ کیا کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ مالی انازع القرآن بھی حدیث میں نہیں ہے؟ یہ امام زہریؒ نے کہہ دیا ہے اور یہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں فرمایا۔

اس کا انکار، نہ توخیر الکلام کے مصنف نے کیا ہے اور نہ توضیح الکلام والے نے۔ شاید آئندہ یہ بھی کہہ دیں۔ لیکن اس کی نقل متقدمین محدثین سے نہیں ملے گی۔ آپ کی بات آپ کی قوم ہی مانے گی۔ ہم تو صاف دلیل کا مطالبہ کریں گے۔ جب یہ جملہ مالی انازع القرآن مرفوع ہے اور بالاجماع اس کو فرمانِ رسول کہا گیا ہے تو اسی کو آپ لوگ منازعت سے تعبیر کرتے ہیں البتہ مخلص یہ بتاتے ہیں کہ منازعت جہر سے ہوئی۔ اونچا پڑھا گیا تھا۔ اس پر ناراضگی ہوئی وغیر ذلک جس کا جھوٹ ہونا بیان کیا گیا ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جملہ جب فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوا، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ کیا یہ جملہ آپ کے نزدیک بھی ناراضگی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ آپ لوگ بھی اس سے ناراضگی سمجھتے ہیں۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ مصنف توضیح الکلام لکھتے ہیں کہ آپؐ نے ڈانٹ ڈپٹ جو خلف الامام قرأت پر فرمائی تو وہ بلند آواز سے پڑھنے پر فرمائی " ص ۳۶۸ سطر ۹۔

یہ ڈانٹ ڈپٹ شدید ناراضگی پر دلالت کرتی ہے اور یہ ناراضگی صرف

قرأت پر ہوئی۔ باآواز بلند پڑھنا محض جھوٹا بہانہ ہے ورنہ اس کا ثبوت پیش کریں۔ یہ صرف آپ کے دل ودماغ کا خودساختہ حیلہ ہے یہ کارگر نہیں دے گا۔ جرأت ہے تو حدیث میں نشاندہی کیجئے۔ یہ کافی نہ ہوگا کہ جہر سے پڑھا تھا۔ جہر سے پڑھنا انکار کا سبب ہے اس سے قرأت کرنے کا علم ہوا۔ انکار جہر پر ہونا بتانا ہوگا۔ یہ نہیں مانا جائے گا کہ فلاں نے بھی کہا ہے اور فلاں نے بھی۔ جس نے یہ حیلہ بنایا ہے وہ خودساختہ کاروائی ہے۔ ہمارا اتنا بیان ہی کافی ہے۔ ومن اللہ الھدایۃ۔

صاحبِ توضیح الکلام کی نافہمی ہے یا ناانصافی

ص۲۶۶ پر لکھتے ہیں: "اس حدیث سے استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ "فانتھی الناس عن القراءۃ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو حالانکہ ائمہ ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ جملہ امام زہری کا مدرج ہے۔"

بے شک حضرت امام بخاری اور امام ترمذی اور کئی دیگر حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے اور ان کی غرض صرف حنفیہ کے استدلال میں کمزوری پیدا کرنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بن جائے تو دلیل قوی بن جاتی ہے اس لئے یہ حیلہ کیا کہ یہ ان کا قول ہی نہیں۔ لیکن مشہور ہے مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ یُدْرِکُہٗ۔ ہر آرزو پوری نہیں ہوا کرتی۔ اگرچہ بڑے بڑے لوگوں نے یہ بات کہی ہے لیکن عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ یہ معلوم ہوجائے گا کہ کسی کے بولنے سے کچھ نہیں نکلا کرتا۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ اس حدیث سے استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہو جیسے کہ مصنف توضیح الکلام کے کلام میں ہے۔

حنفیہ کرام کا استدلال نفسِ حدیث سے ہے جو مَا لِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰن

پر منتہی ہوئی۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ قرأت خلف الامام نے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت پر ثقل پیدا کیا۔ اونچا پڑھا ہوتا تو قرأت کرنے کا سوال ہی کیوں کرتے اور اگر اونچا پڑھا ہوتا تو سب قریب والے اور دائیں اور بائیں والے نمازیوں کی قرأت میں بھی تشویش پیدا کرتا۔ حالانکہ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰن بتاتا ہے کہ یہ جھگڑا صرف امام کے ساتھ ہوا کہ امام کے حق کو مقتدی نے غصب کیا اور اپنا لیا ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی ناگواری بر خاطر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معلوم کر کے آپ کے پیچھے پڑھنا ترک کر دیا تھا۔

کیا آپ کو تعلمت علیہ القرأۃ کے جملہ اور مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰن کے فرمان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قرأت پر ناراضگی کا پتہ نہیں لگتا؟ کیا آپ پر واجب نہیں کہ ایسے ناگواری کے اسباب موجبہ سے احتراز کریں؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ترک جانا جو فانتھی الناس عن القراءۃ سے معلوم ہوتا ہے وہ اسی خداداد فہم و فراست سے ہوا۔ کیا آپ کو یہ نصیبہ نہیں ملا، اونچی آواز سے پڑھنے کا بہانہ محض غلط افسانہ ہے۔

اس بیان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ فانتھی الناس کا جملہ حدیث میں: آتا جب بھی عقل مند سمجھ جاتے کہ امام کے پیچھے پڑھنا سخت ناگوار بات ہے۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ کسی موقع پر ظہر کی نماز میں آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی۔ اس کے بارے امام شعبہؒ نے امام قتادہؒ سے کہا اَلَیْسَ قَوْلُ سَعِیْدٍ اَنْصِتْ لِلْقُرْاٰنِ یعنی اس کا پڑھنا امام کے پیچھے انصات کا مخالف ہے۔ یہی شیخ سعید بن المسیبؒ کا فرمان بھی ہے کہ جہری نماز میں قرأت ممنوع ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ذاک اذا جھر بہ (ابو داؤد ج۱)

یعنی انصات اس وقت ضروری ہے جب کہ امام جہر سے قرأت کرے۔

اس سے پتہ چلا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا متروک ہو چکا تھا، اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اقرار کر رہے ہیں۔ موجودہ تصویر بھی صبح کی نماز

لی ہے کہ کسی نے آپ کے پیچھے قرات کی آپ کی طبیعت پر گرانی ہوئی۔ اس سے سوال ناراضگی کے انداز کا کیا اور اظہار اس فرمان سے کیا ، ما لی اُنازع القرآن۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

حدیث منازعت کے بعد
فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ کا بیان

لیکن مناسب معلوم ہوا کہ اس سے پہلے چند اور باتیں مناسب مقام پر عرض کردوں ، مصنف توضیح الکلام ص۳۷۹ پر لکھتے ہیں کہ اس جملہ (فانتھی الناس) سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جہری میں قرات خلف الامام چھوڑ دی تھی۔ حالانکہ مؤلف احسن الکلام خود معترف ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ سے اس وقت تک باقاعدہ اس مسئلہ میں اختلاف چلا آتا ہے۔ اس کے بعد مزید لکھتے ہیں "اور پہلے با دلائل ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو اس واقعہ میں شامل تھے ، وہ بھی جہری میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے" اس کے بعد انھوں نے اس کلام کا نتیجہ یہ بیان کیا کہ :

"ص۳۷۹ لہٰذا جب امام زہریؒ کا یہ قول خلاف واقع ہے۔ تو پھر اس سے یہ استدلال قطعاً صحیح نہیں کہ جہری میں صحابہ کرامؓ نے قرات چھوڑ دی تھی" الخ نعوذ باللہ من شر الشیطان وھمزہ ونفثہ

حضرت امام زہریؒ کا یہ قول جو حقیقت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہی ہے جیسے عنقریب بیان آرہا ہے۔ اس کو وہ خلاف واقع کہہ رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے جھوٹ کہا ہے۔ (نعوذ باللہ) اگر حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہی مان لیا جائے تو کیا وہ خلاف واقع جھوٹی باتیں بیان کر کے لوگوں کا دین وایمان خراب کرتے تھے۔ نعوذ باللہ من ھذا الفاسد والکاسد۔ ان کی قوم اگر اس قول میں ان کے شریک

حال ہے تو دہ جانیں۔ ہم تو اس کو فساد ضمیر العقل اَلَّذِیْنَ لَـہٗ مَثَلُ السَّوْءِ ما سہو دا؟
حسنہ کا مصداق جانتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے کہ لوگ میری قرأت
کے ساتھ خود بھی پڑھا کرتے ہیں تو ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ سے سوال ہو۔
کرتے؟ کیا یہ کبھی پوچھا ہے کہ میرے ساتھ کس نے لنحت ات للہ پڑھی ہے؟ تو
معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ رک گئے تھے لیکن کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
پیچھے کچھ پڑھا اور فعل ممنوع کیا۔ اس وجہ سے یہ گرانی خاطر کا سبب بنا۔ اسی لیے فرمایا
ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ۔

جواب | کیوں جناب؟ آپ نے فانتھی الناس الخ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قرأت سے رک جانا کہاں سے
سمجھ لیا؟ کیا ناس کی کُلُّهُمْ اور اَجْمَعُوْنَ سے تاکید کی گئی ہے؟ کیا حضرت
کرام نے فرمان الٰہی فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ میں تاکید
کا یہ نہیں بیان کیا کہ اگر كُلُّهُمْ سے تاکید نہ کی جاتی تو یہ شبہ ہوتا کہ شاید اکثر نے
سجدہ کیا ہوگا: للاکثر حکم الکل کے طور پر فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ کہا گیا
اس لیے تاکید لائی گئی کہ یہ شبہ رفع ہو جائے۔ آپ نے بدون کل کے
فانتھی الناس کا معنیٰ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رک جانا کیسے کر لیا؟
آپ نے جو اعتراض کیا وہ آپ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ تیر دوسروں پر پھینکنا چاہتے
ہیں۔ مگر شکار خود ہو گئے۔

دور نہ جایئے آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ۔ الآیۃ کی تفسیر کو دیکھیں اور شانِ نزول
پر نظر ڈالیں کہ مدینہ منورہ میں کسی شخص نے یہ خبر پہنچائی کہ کفار مکہ آپ کے مقابلہ کے
لیے تیاری کر رہے ہیں۔ اس سے اس کا مقصد مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانا
تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فرما دیا۔ اس آیت کریمہ میں دونوں جگہ

الناس کا لفظ ہے قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ کیا خبر دینے والے سب لوگ تھے اور جمع ہونے والے بھی تمام کفار تھے؟ اپنی مطلب سازی کے لیے حدیث کا مفہوم اور مطلب تو نہ بگاڑیں۔

تعامل صحابہ کرامؓ کے اختلاف کا منشأ

معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان رفیٔ اَقُوْلُ مَا لِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ کو سن کر اکثر لوگ تو قرأت خلف الامام سے رک گئے یہی فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ کا معنی ہے۔ لیکن بعض لوگ دوسرے فرمان لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کے عموم کو مقتدی کے بارہ میں بھی لیتے تھے اور پڑھا بھی کرتے تھے۔ یہ اجتہادی اختلاف ہوا۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان لا صلوٰة بعد العصر حتی تغرب الشمس کی صحیح اور صریح روایت کو دیکھ کر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے رک گئے۔ حضرت عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پڑھنے والوں کو سختی سے منع فرماتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پڑھا بھی کرتے تھے کہ ان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑھنا بعد العصر بھی معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن اکثریت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق تارکین ہی کی تھی۔

بہرحال فَانْتَهَى النَّاسُ کا معنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قرأت سے رک جانا کر کے صاحب توضیح کا اس پر اعتراض کرنا کہ یہ خلاف واقع ہے۔ یہ قواعد علمیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں مَا لِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ کی ڈانٹ ڈپٹ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو امام کے پیچھے ساتھ ساتھ قرأت کرتے تھے۔ جیسے زمانۂ حال کے غیر مقلدین کا معمول ہے: یہ کہنا کہ ڈانٹ ان کے اونچا پڑھنے پر تھی، یہ غلط افسانہ ہے۔ اگر اونچا پڑھا تھا تو هَلْ قَرَأَ مَعِيَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ سے سوال ہی کیوں کرتے؟ منازعت کو اونچا پڑھنے کا قرینہ بنانا بھی غلط ہے۔

منازعت یہ ہے کہ جماعت کی صورت میں پڑھنا امام کا وظیفہ تھا۔ اذا قرأ فانصتوا فرمایا ہے۔ قاری امام کو کہا گیا ہے۔ مقتدی کا حق استماع و انصات تھا مقتدی نے اس کو چھوڑا اور امام کے ساتھ شریک حال ہو گیا۔

۲۔ صاحب توضیح ص۳۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جہری نمازوں میں خلف الامام پڑھنے کی اجازت دیتے تھے۔ اسی طرح توضیح الکلام ص۴۶ میں لکھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ اس روایت فانتہی الناس کے خلاف ہے مگر یہ بھی محض غلط بیانی ہے۔ فصل الخطاب ص۲۳ میں فرمایا مذھب ابی ھریرۃ ان المختار ھو الترک فی الجھریۃ۔ فعند البیہقی فی سننہ عن عاصم عن ذکوان عن عائشۃ و ابی ھریرۃ انھما کانا یأمران بالقراءۃ خلف الامام اذا لم یجھر ونحوہ فی کتاب القراءۃ۔

یعنی حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرأت خلف الامام کی اجازت صرف سری نمازوں میں دیا کرتے تھے جب کہ قرأت جہر سے نہ کی جائے۔ اسی طرح جزء القرأت میں ان کا قول یہ ہے قرأ فی انفسہم سِرًّا فِیْمَا لَا یَجْھَرُ فِیْہِ الامام۔ یعنی جب امام جہر نہ کرے اس وقت خفیہ پڑھ لیا کریں۔

اور ظاہر بھی یہی ہے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ میں جس میں صبح کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مَا لِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰن فرمایا اور یہ قرأت خلف الامام کی ناراضگی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ابتداء میں سوال کیا: ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ آنِفًا؟ اس کے جواب میں ایک شخص نے جی ہاں فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان کلمات کے سننے کے بعد فانتہی الناس عن القراءۃ بھی نقل کر رہے ہیں۔ تو اس

کے بعد وجہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے حدیث میں ہے کہ
جب کرو۔ انما جعل الامام لیؤتم به [illegible]
کبر فکبروا۔ [illegible]

موطا مالک میں ہے کہ وہ ابن [illegible] بلال [illegible] سے
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور [illegible] سے [illegible] تو [illegible]
کبھی جلدی سے قراءت شروع کر دیتے تھا۔ اس حدیث [illegible] اللہ تعالیٰ علیہ
نے فرمایا لا تسبقني بآمين [illegible]
ہے مجھے اس نقصان سے بچا آمین میں سبقت [illegible]
فتح الباری صفحہ ۱۹۳ [illegible] ہے۔

اس میں ذکر ہے کہ آمین [illegible] نے [illegible] کیا۔ [illegible] کہ اگر مجھے پہنچنے دینا [illegible] مقتدی پر [illegible] کے [illegible] ادا ہونے کا نقص آمین کے فوت ہونے سے [illegible] ہے۔ اگر حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نماز میں مقتدی پر فرض کہتے تو اس [illegible] سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مقتدی پر [illegible] کو پڑھنا واجب نہیں سمجھتا۔ فانتہی الناس عن القراءة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]۔

فانتہی الناس عن القراءة حضرت ابوہریرہ ہی کا کلام ہے۔

فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے حضرات نے اس جملے کو مختلف حیلوں سے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ (۱) بعض نے کہا فلاں اور فلاں راوی نے اس کو حدیث میں ذکر ہی نہیں کیا۔ (۲) کسی نے کہا کہ یہ معمر کا قول ہے بعض روایتوں میں قال معمر فانتہی الناس آیا ہے۔ (۳) [illegible] حضرات کا خیال ہے کہ یہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قال الزہری فانتہی الناس عن القراءة ... الخ

(۴) مصنف توضیح الکلام نے ایک قدم آگے بڑھایا کہ یہ جملہ درست ہی نہیں خلافِ واقع ہے۔ اس کی تردید ابھی گزر چکی ہے کہ یہ نہ واقعہ کے خلاف ہے اور نہ ہی یہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوی کے خلاف ہے۔ یہ جملہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمودہ ہی ہے۔ انھوں نے اس میں واقعۂ حال کا تذکرہ کیا ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجلسِ تحدیث میں جس میں ان کے شاگرد سفیان بن عیینہ اور معمر اور بعض دیگر حضرات بھی موجود تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو شیخ ابن اکیمہ اللیثی کے طریقہ سے مروی تھی بیان فرمائی ابوداؤد ص۱۲۰ میں ہے: سفیان عن الزهری قال سمعت ابن اکیمة سمعت اباهريرة يقول صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم (الی) قال اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت شیخ زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت یہاں تک تو میں نے سنی۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے پست آواز سے کچھ اور کلام بھی کیا، وہ میں نہ سن سکا میں نے اپنے رفیق معمر سے دریافت کیا کہ حضرت امام زہری نے کیا کہا ہے؟ تو معمر نے کہا کہ انھوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا فانتھی الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال عبد الله بن محمد الزهری من بينهم قال سفيان وتكلم الزُّهْرِیُّ بِكَلِمَةٍ لَمْ اَسْمَعْهَا فَقَالَ مَعْمَرٌ اِنَّهٗ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ ... الخ۔

ان لفظوں سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ فانتھی الناس حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور چونکہ یہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے اس لیے یہ مرسل ہو گیا۔ بلا سند زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے۔

لیکن حقیقتِ حال وہ ہے جو ابن سرح شیخ ابی داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے

بیان فرمائی کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کو دیکھ اور سن کر لوگوں نے آپ کے پیچھے جہری نمازوں میں پڑھنا بند کر دیا تھا۔ ابوداؤد ص۱۲۰ میں ہے: قال ابن السرح فی حدیثہ قال معمر عن الزھری قال ابوھریرۃ فانتھی الناس .... الخ معلوم ہوا کہ گزشتہ روایت میں قال الزھری فانتھی الناس ہے اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ صرف ناقل ہیں اصل قول ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی ہے۔ اور گزشتہ یہ بھی بیان گزر چکا کہ حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ اگر واقعہ کے زمانہ میں موجود نہ تھے لیکن انھوں نے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو دیکھا اور پایا۔ ان کا عمل ترک القرأۃ خلف الامام ہی تھا۔ اس کو بیان فرما دیا۔ اس کو مرسل کہنے کی وجہ ہی نہیں بلکہ ابھی گزرا کہ حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بالسند المنہ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان فرما رہے تھے۔ اس کے بعد ان کا قول جو اس حدیث کے متعلق تھا وہ نقل کیا لیکن اس کے بیان میں آواز پست ہوگئی بعض نے وہ الفاظ سُنے اور بعض کو وہ نہ سنائی دیئے جیسے کثرت سے ایسے ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعہ میں دوسرے پاس والے سے پوچھا کرتے ہیں۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہی کیا کہ حضرت معمر رفیق سے پوچھا کہ شیخ زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حدیث کے آخر میں کیا کہا ہے؟ انھوں نے جواباً فرمایا کہ حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا فانتھی الناس عن القراءۃ۔

اس طرح یہ قول کسی نے معمر کی طرف منسوب کر دیا کہ سفیان رحمہ اللہ تعالےٰ کو بتلانے والے وہ ہیں کسی نے زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا کہ اس ناقل حدیث کے متممہ کے وہ تھے اور کسی نے اصل بیخ کو لیا کہ یہ فرمان ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نقل کر رہے ہیں۔ لِکُلٍّ وِجْھَۃٌ ایسے ہی موقع میں کسی نے کہا ہے:

عِبَارَاتُہٗ اِشْتِبَاہٌ وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ

الغرض یہ زیادت بھی فانتهى الناس عن القراءة .... الخ اسی سند کے ساتھ مروی ہے جو حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زھری عن ابن اکیمۃ اللیثی کے طریقہ سے آئی ہوئی ہے اس کو مرسل کہنا بے معنی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔

حضرت الشیخ السید علامہ انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فصل الخطاب ص۳۴ میں فرماتے ہیں۔ وَھٰذَا مِمَّا یُتَعَجَّبُ مِنْہُ لَوْ کَانَ ھُنَاکَ مُتَعَجَّبٌ فَاِنَّ غَرَضَ الرَّاوِیْ اَنَّ الزُّھْرِیَّ قَالَ نَقْلًا عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَوْلَہٗ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاۤءَۃِ ... الخ۔ وَاَخْفٰی بِہٖ صَوْتَہٗ فَتَنَبَّہَ لَہٗ مَعْمَرٌ فِیْہِ۔ فَکَانَ اِسْنَادُ الْقَوْلِ اِلٰی مَعْمَرٍ وَالزُّھْرِیِّ لِھٰذَا۔ فَزَعَمُوْا اَنَّہٗ مِنْ تِلْقَاءِ اَنْفُسِھِمَا

یعنی تعجب کی بات ہے کہ راوی کا مقصد تو یہ ہے کہ حضرت امام زہریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا قول نقل کیا اور آواز میں کچھ پستی کی جس کی وجہ سے سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ کو اشتباہ ہوا۔ اس لیے معمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت میں فانتهى الناس عن القراءة کہا تھا اور لوگوں نے یہ بنا لیا کہ یہ فانتهى الناس کا جملہ انھوں (معمر اور زہریؒ) نے اپنی جانب سے کہا ہے۔ حالانکہ قطعاً یہ بات نہیں۔ یہ کلمہ نقل کے طور پر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے مزید فرمایا :

وَلَہٗ نظائر منها ما عند البخاری ص۶۰ ج۲ حدثنا عبد اللہ بن محمد قال حدثنا سفیان قال سمعت الزھری حین حَدَّثَ ھٰذَا الحدیث حفظت بَعْضَہٗ وَثَبَّتَنِیْ مَعْمَرٌ ... الخ

یہاں بھی حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ سے میں نے یہ حدیث سُنی، کچھ تو مجھے محفوظ ہوگئی اور کچھ معمر کے بتانے سے پختہ ہوئی۔ اسی طرح ترمذی نے جدہ کے میراث کے مسئلہ میں حضرت سفیان سے نقل کیا۔

قال سفیان وزادنی فیہ معمرؒ عن الزھری ولم احفظہ عن الزھری ولکن حفظتہ عن معمر ان عمر قال ان اجتمعتما فھو لکما .... الخ ۔ یعنی سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس روایت میں مجھ سے معمر نے زہری سے کچھ زیادہ نقل کی ہے۔ مجھے زہریؒ سے وہ محفوظ نہیں تھی۔ ہاں معمر نے ان سے نقل کی کہ جدہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو جدہ (نانی اور دادی) جمع ہو جائیں یعنی دونوں موجود ہوں تو سُدس حصہ میراث کا ان دونوں کو ملے گا۔ وہ نصف نصف کرلیں گی اور اگر ایک ہی ہو تو پورے سُدس کی حق دار ہوگی۔ اس روایت میں بھی سفیان زہریؒ کی روایت اپنے رفیق معمرؒ سے لے رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زیادۃ کا راوی ثقہ ہو تو وہ زیادۃ مقبول ہوگی جیسے حضرت سفیان مذکورہ زیادۃ کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ جملہ (ان اجتمعتما فھو لکما) میں نے نہیں سنا ہاں معمرؒ نے یہ زیادۃ بھی روایت میں بیان کی۔ اس سے صاحب توضیح الکلام کی وہ بات رد ہو جاتی ہے کہ ص۲۷۵ لکھا ہے کہ ابو داؤد کے شیوخ میں سے صرف ابن السرح ہی قال ابو ھریرۃ فانتھی الناس نقل کرتا ہے اور اس طرح نہیں کہتے کوئی قال معمر فانتھی الناس کہتے ہیں اور کوئی قال الزھری فانتھی الناس نقل کرتے اور بعض صرف مالی انازع القرآن تک ہی نقل کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ:

جب ابن السرح راویٔ حدیث ثقہ ہے تو اس کی یہ زیادۃ قال ابوھریرۃ فانتھی الناس کیوں قبول نہ ہوگی؟ حضرت سفیانؒ معمر کی یہ زیادۃ (ان اجتمعتما) قبول کر رہے ہیں جو معمر نے ان کو سنائی۔ آپ کیسے کہتے ہیں

کہ صرف ابن السرح بیان کرتے ہیں۔ کیا یہ زیادۃ اوروں کے منافی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان کا یہ بہانہ غلط افسانہ ہے اور کچھ بھی کارآمد نہیں ہے۔ اور جن حضرات نے صرف فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقل پر اکتفا کی وہ اس زیادت کے ذکر سے ساکت ہیں اور جو (ابن السرح) اس کو لائے ہیں، وہ ناطق ہیں۔ ایسی زیادت کو قبول کیا جاتا ہے۔ طحاویؒ نے حضرت سفیانؒ کا قول یہ بھی نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: انتھٰی حفظی من الزھری الی ھٰذا وکان طویلاً فثبتنی معمرؒ۔ اس کے بقیہ نظائر فصل الخطاب صـ۳۵ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ طول کے خوف سے ان کو چھوڑا گیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رفیق حضرت معمر پر خاص اعتماد رکھتے تھے حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات میں کہیں التباس پڑ جاتا تو ان سے پختہ کرواتے تھے۔ موجودہ متنازعہ صورت میں بھی یہی بات ہے۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مخفی آواز سے جو حدیث کا ٹکڑا پڑھا ہے، وہ کیا ہے تو انھوں نے قال فانتھی الناس عن القراءۃ کا پڑھنا بتایا۔ یہ نہیں کہ معمر نے اپنی طرف سے فانتھی الناس کہا۔ جیسے بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ معمر کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔

الانتباہ گزشتہ یہ گزر چکا ہے کہ مصنف خیر الکلام نے فرمان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عذر لنگ بیان کیا کہ مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کے ساتھ پڑھنا چھوڑ دیا۔ اس سے سکتوں میں پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی ہے اور اس کی تردید بھی گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ یہ توجیہ صحیح ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فاتحہ خلف الامام کو آپ کی طرح فرض جانتے اور اس کے لیے صریح اور صحیح حدیث

پیش کرائی ہوگی۔ بے شک بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرت عبادہؓ
اس کے قائل تھے۔ لیکن بات جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہو رہی ہے۔
فانتھی الناس عن القراءۃ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زبان ہو یا حضرت
امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا دونوں صورتوں میں عمل سے ثابت ترک القراءۃ خلف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راوی بیان کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے
حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ تکفیہم قراءۃ الامام فرما رہے ہیں اور حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی خلف الامام کی قرأت پر جو مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ سے معلوم
ہوتی ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے اور مصنف توضیح الکلام نے اس کو ص۳۶۸ میں
ڈانٹ ڈپٹ سے تعبیر کیا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا سبب کسی کا آپ کے
پیچھے قرأت کرنا ہی تھا۔ اسی کو هَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ سے دریافت
کیا گیا۔ اس کے علاوہ سکتوں میں پڑھنے کا قول کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃٍ اجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ کی شان رکھتا ہے۔ سنیے اور توفیق ہدایت
اور صحت عمل کا سوال بھی خلوص قلب سے کیجئے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا
اِتِّبَاعَهٗ۔

امام کے سکتوں میں مقتدی کی فاتحہ خوانی بلا دلیل من مانی کاروائی ہے

بلا شک و شبہ دو سکتے امام کے حدیث میں آئے ہوئے ہیں۔ ایک
تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت فاتحۃ الکتاب سے پہلے اور دوسرا سکتہ
وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد سورت ملانے سے پہلے۔ بلکہ بعض روایات میں سورۃ
سے فارغ ہونے کے بعد رکوع کے لیے جھکنے سے قبل تیسرا معمولی سا وقفہ
کرنا بھی آیا ہوا ہے۔ ترمذی ص۶۴ میں ہے کَانَ یُعْجِبُهٗ اِذَا فَرَغَ مِنَ
الْقِرَاءَۃِ اَنْ یَّسْکُتَ حَتّٰی یَتَرَادَّ اِلَیْهِ نَفَسُهٗ۔ یعنی آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کو پسند ہوتا تھا کہ قرأت سے فارغ ہو جائیں تو معمول سا سکتہ کریں تاکہ سانس برقرار ہو جائے۔ پھر رکوع کے لیے جھکتے تھے۔

کیا ان سکتوں میں کچھ پڑھا کرتے تھے؟

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کا چپ ہو جانا تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکوت جو ہوتا ہے کیا آپ اس میں کچھ ——— پڑھا کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں یہ دعا پڑھتا ہوں: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ ... الخ اور کسی روایت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا پڑھنا مروی ہے۔ اور وَلَا الضَّالِّيْنَ کے بعد سکتہ میں آمین پڑھتے تھے۔ مؤتوں کو بھی بتلایا گیا کہ تم بھی اس وقفہ میں آمین کہا کرو کہ امام بھی آمین پڑھتا ہے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین فان الامام یقولھا اور یہ بھی فرمایا فان الملٰئکۃ تؤمن۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا آمین کہنا مخفی انداز کا ہوتا ہے اسی لیے اِنَّ الامام یقولھا فرمایا جیسے ان الملٰئکۃ تؤمن فرمایا کہ ملائکہ کا آمین کہنا مخفی ہوتا ہے۔ انَّ سے تاکید ایسے تردد کے محل میں ہوا کرتی ہے یہ ضمنی بات تھی جو ذکر ہوئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان دو سکتوں میں ثنا کا پڑھنا اور آمین کہنا ہی مشروع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کے بعد سکتہ میں حمد و ثنا پڑھے گا اور ولا الضالین اور آمین کہے گا۔ یہ دونوں سنت ہیں اور صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ آ ہی چکا ہے۔ البتہ بعد قرأت کے تمام کرنے کے جو سکتہ راوی بیان کرتا ہے اس میں کچھ پڑھنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں وہ بہت ہی خفیف وقفہ ہوتا ہے۔ اسی لیے راوی حَتّٰى يَتَرَادَّ اِلَيْهِ نَفَسُهٗ سے تعبیر کر رہا ہے کہ وقفہ اتنا کرتے کہ سانس برقرار ہو جائے اور سانس آسانی سے لے سکے۔ ان

سکتوں کے تمام آپ کو معلوم ہو گئے۔ اس کے بعد سنیئے کہ فاتحہ مقتدی پر فرض کہنے والوں نے مقتدی کو مجبور کیا کہ وہ بھی پڑھے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی۔ پوچھا گیا کہ کس پڑھے؟ کس جگہ پڑھے؟

اس کے جواب میں بعضوں نے کہا کہ امام کی قرأت کے وقت وہ بھی قرأت کرتا جائے۔ اس جواب کی تردید گزشتہ گزر چکی ہے کہ یہ قرآن وحدیث کے حکم کے خلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول فصل الخطاب ص۹۳ میں نقل کیا ہے: والذین ینهون عن القراءة مع الامام هم جمهور السلف والخلف ومعهم الکتاب والسنة الصحیحة والذین اوجبوها علی الماموم فی حال الجهر هکذا فحدیثهم قد ضعفه الائمة. یہ تو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ امام کی معیت میں پڑھنا جہری نمازوں میں جیسے غیر مقلدین کا معمول ہے قطعی غلط اور خلاف سنت اور خلاف حدیث ہے۔ ان کے علماء نے ان کو مغالطے میں ڈال رکھا ہے۔ ترمذی کو اٹھا کر دیکھیں ص ۴۲ میں ہے: واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرء الرجل اذا جهر الامام بالقراءة وقالوا یتبع سکتات الامام. اس سے معلوم ہوا کہ سابق دور کے محدثین کرام قرأت خلف الامام پڑھنے والے آج کل کے اہل حدیث کی طرح ساتھ ساتھ نہ پڑھتے تھے بلکہ سکتوں میں پڑھتے تھے۔ امام بخاری بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض حضرات سکتہ اولیٰ میں پڑھنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ جیسے خیر الکلام ص ۲۳۶ میں لکھتے ہیں: اِنَّ السلف کانوا اِذَا اَمَّ اَحَدُهُمُ النَّاسَ کَبَّرَ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَظُنَّ اَنْ مَنْ خَلْفَهٗ قَرَءَ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ ثُمَّ قَرَءَ وَاَنْصَتُوْا. یعنی سلف صالحین جب لوگوں کے امام بنتے تو تکبیر پڑھنے کے بعد خاموش کھڑے رہتے یہاں تک کہ گمان کر لیتے کہ پچھلوں نے فاتحہ پڑھ لی ہوگی۔ پھر قرأت شروع کرتے اور پچھلے لوگ خاموش ہو کر سنتے۔

یہ وہی لوگ ہیں جو حضرت امام غزالیؒ کی طرح سکتہ اولیٰ میں فاتحہ پڑھنے کی تجویز کرتے ہیں۔ اس کے بعد مصنف خیر الکلام لکھتے ہیں :

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا پڑھنا دستور قدیم ہے اور مقتدی کو موقع نہ دینا بدعت ہے۔ ساتھ ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر سکتہ میں پڑھنا بہتر ہے۔ پس امام کو چاہیئے کہ بہتر پر عمل کرنے کا موقع دیں۔" آہ۔

سبحان اللہ العظیم، کیا یہ سبق اور لوگوں کو پڑھاتے ہو یا خود بھی اس پر عمل کرتے ہو۔ آپ لوگوں کا معمول تو ساتھ ساتھ پڑھنا ہی ہے۔ کیا یہ اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ کا مصداق تو نہیں بنتا یہی رونا تو ہم رو رہے تھے کہ ان لوگوں نے عوام کو غلط راستے پر ڈال رکھا ہے خود مانتے ہیں کہ سکتہ میں پڑھنا بہتر ہے اور عمل اس کے خلاف کرتے ہیں اور دوسروں کو کہتے ہیں کہ امام کو چاہیئے کہ بہتر پر عمل کرنے کا لوگوں کو موقع دیں اور خود ان کو اس کا موقع نہیں دیتے۔ ساتھ ساتھ ہی پڑھتے جاتے ہیں۔

کیا یہ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ تو نہیں بنتا ؟ قوم ان کو کیوں نہیں کہتی کہ آپ راستہ کیوں نہیں بدلتے ؟ ہماری نمازیں کیوں خراب کرتے ہو ؟ کیا امام اور مقتدی اس خاطر خواہ پر مسئول نہیں ہوں گے ؟

اور اگر یہ لوگ اسی راستے پر چلنے لگیں تو اس وقت ہم ان سے پوچھیں گے کہ بتاؤ تکبیر کے بعد امام کا اتنا ٹھہرنا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ آپ لوگوں کی اپنی تجویز ہے یا کسی حدیث نبوی میں صحیح طور سے ثابت اور مروی دیکھا ہے ؟ اگر اول صورت ہے تو دوسروں پر اس کو حجت کیوں کر بناتے ہو ؟ دوسرا یہ کہے گا کہ آپ کا راستہ ہی غلط ہے۔ کیا بدعت آپ کی اس ذہنی تجویز کے خلاف کا نام ہے ، جو یہ کہتے ہو کہ مقتدی کو موقع نہ دینا بدعت ہے۔

اور اگر آپ کے پاس اس کی شرعی شہادت ہے تو پیش کیجئے۔ کس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول تکبیر کے بعد اتنا وقفہ کرتے تھے کہ اس

میں لوگ فاتحہ خوانی کریں اور پھر قرات شروع کرتے تھے۔ اور اگر یہ نہیں تو قولی حکم و اختیار اس طرح کرنے کا بتائیں۔ بدعت تو خلاف سنت کا نام ہے۔ اس دعوی کی صحت کے تحت صحیح قول یا فعل ثابت کرنی ہوگی ورنہ یہ قول نعوذ باللہ جھوٹ کہا جائے گا اور خود بدعت ہوگا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کام نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور نہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانوں میں ہوا۔ یہ تو صرف فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والوں میں سے بعض حضرات کی تجویز ہے کہ امام تکبیر کے بعد اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیویں۔ عن السلف کانوا اذا ام احدھم الناس کبر ثم انصت ... سے بعض سلف ہی مراد ہیں۔ بعض کا لفظ نہیں دیا گیا تاکہ بیان میں جان پڑ جائے۔ ایسی ہی جگہ کہا گیا ہے:

من انداز قدت را مے شناسم

اگر کسی کے پاس اس عمل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے شہادت ہے یا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل کی ہو تو پیش کرے۔ اور دعویٰ یہ ہی ہمارا دعوی ہے کہ اس کا ثبوت نہیں پیش کر سکیں گے۔ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ اور یہ دعویٰ ہم ویسے نہیں کرتے۔ ہمارے پاس اس عمل کے جو بعض سلف سے نقل کیا گیا ہے بطلان کی قوی اور صحیح حجت شرعیہ موجود ہے۔ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر سوچیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سکتات میں فاتحہ خوانی کی تجویز میں مثل مشہور کے مطابق بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو جانے سے کم نہیں۔ مصنف خیر الکلام نے اگرچہ کہا ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ قرات کرنا ہو سکتا ہے لیکن سکتوں میں پڑھنا بہتر ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بند گلی ہے جس پر آپ کو چلا رہے ہیں۔ بند گلی پر چلنے والا ناکام واپس ہی مڑتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے۔ دیکھیے ابھی پہلے سکتے میں فاتحہ خوانی کی تجویز پیش کی گئی اور بعض سلف کا سہارا ابھی تسکین خاطر کے لیے بیان کیا گیا لیکن اس کے تردیدی جواب کو بھی ملاحظہ کیجیے اور یہ تردید کسی حنفی کی جانب سے نہیں کی گئی کہ آپ اس کو ضد پر

معمول کریں۔ بلکہ آپ کے فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے بعض بزرگوں کا قول پیش کرتا ہوں۔ دیکھیے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ہی فتح الباری میں فرما رہے ہیں کہ یہ بند گلی ہے۔ واپس جاؤ اور کوئی راستہ تلاش کرو۔

فتح الباری ص ۱۵۶ ج ۲ والنقل من اصله غیر معروف عن الشافعی ولا من اصحابه الا ان الغزالی رحمه الله قال فی الاحیاء ان المأموم یقرء الفاتحة اذا اشتغل الامام بدعاء الافتتاح ۔ یعنی اول سکتہ میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا یہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجویز ہے لیکن یہ امام شافعیؒ سے مروی اور ثابت نہیں نہ اور حضرات شافعیہ ائمہ محدثین سے مروی ہے۔ ہاں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ امام جب تکبیر کے بعد ثناء و تحمید یا دعاء میں مشغول ہو جائے تو مقتدی اس وقت فاتحہ خوانی کر لیا کریں۔ اس سے مع الامام کے پڑھنے سے جو نہی ہے۔ اس سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ خولف فی ذلک یعنی اس تجویز کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ مخالفت کسی ضد و عناد سے نہیں کی گئی بلکہ ایک شرعی قانون کے ماتحت ہوئی ہے کہ اس تصویر میں مقتدیوں کی فاتحہ خوانی امام سے پہلے ہو جاتی ہے اسی کا ذکر فرماتے ہیں فیه کراهة تقدیم المأموم قراءة الفاتحة علی الامام یہ مخالفت کرنے والے بھی بعض سلف صالحین ہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تجویز قرأۃ فاتحہ خلف الامام کی ان حضرات کا اپنا خاندانی نسخہ تھا۔ شرعی چیز نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے خاندانی نسخہ کی مخالفت بدعت نہیں بنتی۔ جیسے مصنف خیر الکلام کہہ رہے ہیں یہ لوگ امام کو مقتدیوں کے فاتحہ خوانی کے لیے رکنے کا حکم نہیں دیں گے۔ بلکہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پڑھتے ہوں گے۔ یہی عام دستور ہے یہی حضرات شافعیہ کا معمول بھی ہے۔ اس عمومی دستور العمل کو مصنف خیر الکلام بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ عمل جس میں تقدیم فاتحہ مقتدی کی امام کے فاتحہ

سے پائی جاتی ہے یہ خود بدعت ہے نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور نہ جمہور سلف کے موافق ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فتح الباری ص۳۲۵ ج۲

وفی المغنی عن احمد انہ قال فی رسالۃ لیس لمن سبق الامام صلوٰۃ لھذا الحدیث یعنی جس نے امام سے پہلے فاتحہ پڑھ لی اس کی نماز نہیں ہوگی اس حدیث کی وجہ سے اور وجہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُبَادِرُوْنِي بالرکوع ولا بالسجود۔ جب رکوع وسجود میں مقتدی کا امام سے تقدم جائز نہیں ہے اور یہ صاف منہی چیز ہے تو فاتحہ خوانی قبل از امام کیسے جائز ہو سکتی ہے، صاف معلوم ہوا کہ اس خاندانی نسخے میں نقص ہے۔ شاید ان حضرات سلف صالحین نے اس نقصان کو دھیان میں نہیں لائے یا لائے ہوں لیکن مجبوری سے ایسا ناپسندیدہ عمل تجویز کیا ہے کیونکہ فاتحہ خوانی خلف الامام ضروری سمجھتے ہیں اور اول سکتے کے علاوہ اور جگہ ملتی نہیں تھی تو اَھْوَنُ البلیتین کو اختیار کر لیا۔ کیونکہ ساتھ ساتھ پڑھنا بھی ممنوع دیکھا کہ ادلہ سے اسکی ممانعت ثابت ہے اور ولا الضالین کے بعد صرف آمین کی مقدار وقفہ ہوتا ہے۔ اس میں فاتحہ کیسے پڑھی جا سکتی ہے اور قرأت کے خاتمہ کے بعد بھی نہایت ہی خفیف وقفہ ہے اس لیے مجبوراً اول سکتہ میں پڑھنے کی تجویز کو اختیار کیا گیا کہ یہ ذرا لمبا سکوت ہوتا ہے اس میں پڑھنے کا قریبی امکان ہے۔ لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس میں تقدم قرأت الفاتحہ کا نقص پایا جاتا ہے اور یہ خَفِفَتْ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ کا مصداق ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری ص۳۲۰ ج۲ میں فرماتے ہیں سیاتی الدلیل علی تحریم التقدیم علی الامام فی الارکان یعنی مقتدی کا امام پر تقدم ارکان نماز میں حرام ہے۔ اس کی دلیل عنقریب آرہی ہے۔

ارکان صلوٰۃ میں سے فاتحہ خوانی بھی ہے تو جیسے رکوع وسجود کی تقدیم کا حرام ہونا صریح حدیث میں آچکا ہے۔ اسی طرح فاتحہ کا پڑھنا اس میں تقدم مقتدی کا امام پر

حرام ہوگا۔ ان وجوہ کو دیکھتے ہوئے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ سلف جو اول سکتے میں مقتدی کو فاتحہ طولانی کا حکم دیتے ہیں اور امام کو اتنی مقدار پڑھنے کا حکم بھی کرتے ہیں کہ مقتدی فاتحہ کے پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو یہ غلط کارروائی ہے اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ یہ کل غلط تجویز کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خیر الکلام کی دکان کا یہ سودا بھی محض کھوٹا ہے۔ جو لینا چاہے اس کی مرضی ہم نے نُصْحًا للمسلمین بتا دیا ہے اتنی باتیں منصف مزاج اور معتدل اشخاص کے لیے کافی ہیں لیکن چند مزید معروضات پیشِ خدمت کرتا ہوں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يَفْتَحُ بِهٖ قُلُوْبًا غُلْفًا وَّ اٰذَانًا صُمًّا وَّ اَعْيُنًا عُمْيًا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اگرچہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا بتلایا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے سکتے میں یعنی وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد آمین کے سکتہ میں پڑھنے کا حکم کرتے ہیں جس کا تذکرہ مع ماله وعليه انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا: والمعروف عند الشافعي ان المأموم يقرؤها اذا سكت الامام بين الفاتحة والسورة۔ اس لیے اول سکتہ میں پڑھنے کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ فتح الباری ص۱۱۸ ج۲ میں حدیث اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ جو متفق علیہ مروی ہے اس کی شرح میں فرماتے ہیں: الائتمام يقتضي متابعة المأموم لامامه في احوال الصلوٰة فيقتضي الْمُسَابَقَةُ وَالْمُخَالَفَةُ یعنی ایتمام کا لفظ حدیث میں چاہتا ہے کہ مقتدی امام کی تابعداری نماز میں کرے۔ نہ اس سے سبقت کرے نہ اس کی مخالفت۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ بعض سلف کی مذکورہ تجویز جو انھوں نے قرأت خلف الامام کی بتائی وہ اس ایتمام کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس تجویز اور تصویر میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا امام سے سابق بن جاتا ہے یہی اس کی دلیل ہے۔ جو فرمایا: يحرم التقدم على الامام في الاركان۔
مزید فتح الباری ص۱۱۸ ج۲ میں ہے قال البيضاوي وغيره الائتمام

الاقتداء والاتباع ای جعل الامام اماما یقتدی بہ ویتبع۔
ومن شان التابع ان لا یسبق متبوعہ ولا یساویہ ولا یتقدم
علیہ۔ یعنی ایتمام اقتداء اور اتباع کو کہتے ہیں۔ لہذا امام کو امام بنانا یوں ہوگا کہ
اس کی اقتداء کی جائے اور تابعداری کی جائے۔ اور تابع کی شان سے یہ ہے کہ
اپنے متبوع سے سبقت نہ کرے نہ اس کے مساوی بنے اور نہ اس سے تقدم کرے
اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ مذکورہ سلف کی تجویز اور تصویب اس حدیث ایتمام کے
مخالف اور مردود ہے جس کی مصنف خیر الکلام ص۲۳۶ میں لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں۔
ذکر ساتھ ساتھ بھی پڑھا سکتا ہے لیکن سکتہ میں پڑھنا اولیٰ ہے اور سکتہ میں پڑھنا
ان بعض سلف کا تذکرہ کیا ان السلف کانوا اذا ام احدھم .... الخ
یہی پہلا سکتہ ہے۔

مشکوٰۃ ص۱۰۱ میں ہے لا تبادروا الامام وقال متفق علیہ مسلم
شریف ص۱۸۱ اور فتح الباری ج۲ ص۳۲۵ میں ہے: عن ابی ھریرۃ مرفوعا
الذی یخفض ویرفع قبل الامام انما ناصیتہ بید الشیطان
یعنی جس شخص نے سر جھکایا یا اٹھایا امام سے پہلے تو اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ
میں ہے۔ جب رکوع و سجود میں امام سے پہلے جانا مکروہ ہوا اور یہ حرکت شیطان
کی طرف منسوب کی گئی کہ یہ منصب اقتداء کے خلاف ہے تو اسی طرح فاتحہ جو نماز کا
رکن ہے اس کی ادائیگی امام سے پہلے وہ بھی اسی حکم کے نیچے آئے گی۔ پہلے سکتہ
میں سبحانک اللھم کی جگہ مقتدی کا یہ پڑھنا بھی اسی وعید کا حقدار بنتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بے خبر نہ تھے لیکن شاید اور کوئی
مناسب جگہ اور شان نہ دیکھتے ہوئے یہ راستہ اختیار کیا۔ لیکن یہ جگہ بھی ان جیسی
خطرناک ہی نکلی۔ آگے آمین کے سکتہ میں بھی خطرات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اصل
میں یہ ٹھکانے فاتحہ خوانی کے لیے ہی نہیں۔ عنقریب تفصیل مزید آنے والی ہے۔

غلط رستے پر چلنے سے ٹھوکریں لگا ہی کرتی ہیں۔ جو حضرات یہ راستہ بتلاتے ہیں وہ ان اشکالات کے حل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ قاضی بیضاوی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ نقائص ان کی جھولی میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ دیکھیے کیا جوابات دیتے ہیں؟

مشہور ہے کہ بکرے کی ماں بچے کی خیر کب تک منائے گی۔ ایک دن تیز چھری سے گلا کٹ ہی جائے گا۔ وہی بات یہاں بھی نظر آتی ہے۔ اوّل سکتہ میں فاتحہ پڑھنے پڑھوانے کے ابھی مدعی حضرات ہیں۔ پار ہونا مشکل رہے گا۔ کہنا آسان ہوتا ہے لیکن عمل میں رکاوٹیں آتی ہیں کبھی کبھی ہوئی بات کو واپس لینا بھی پڑتا ہے۔

ا ـــــ دیکھئے آپ نے مقتدیوں کو فاتحہ خوانی کا حکم دیا اور جگہ پڑھنے کی پہلا سکتہ بتایا کہ جب امام سکتہ کرے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ... الخ پڑھنے لگے تم فاتحہ خوانی کرتے جاؤ کیونکہ اس کے سوا کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ثناء و تحمید اور تعوذ سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھے گا اس وقت تم خاموش ہو کر سننا حضرت سعید بن جبیر جلیل القدر تابعی کا یہی فرمان ہے۔ ان السلف کانوا اذا ام احدھم کبّر ثم نصت ... الخ۔ امام بخاریؒ نے جزء القرأت میں یہ ذکر فرمایا اور مصنف خیر الکلام فاضل اہل حدیث نے اسی کی تعلیم و تلقین کی۔

الجواب

آپ نے پہلی رکعت کے فاتحہ خوانی کا انتظام تو کسی قدر کر دیا لیکن دوسری رکعت میں جب مقتدی کھڑا ہوگا۔ اس میں تو امام سبحانک اللھم ... الخ نہیں پڑھا کرتا۔ اٹھتے ہی قرأت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے کرنے لگتا ہے۔ وہاں مقتدی فاتحہ کیسے پڑھے گا: مسلم شریف میں ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دوسری رکعت کے لیے اٹھتے تھے تو فوری طور سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے قرأت کرنا شروع کردیتے تھے سکتہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مضمون مرتب تو آپ نے کردی مگر دوسرا حصہ بھی دیکھئے۔ اس کا ترجمہ بھی کیجئے۔ دوسری رکعت میں تو امام کھڑے ہوتے ہی قرأت شروع کردیتا ہے فاتحہ پڑھ کر ہی۔ اس میں مقتدی کے فاتحہ خوانی کا آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر بے شک جلیل القدر تابعی ہے لیکن یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ انہوں نے اور ان کے ہم خیال لوگوں نے فاتحہ خوانی کے لئے سکتے بتائے لیکن سب سے سوال یہ ہوگا کہ آپ کا بیان کردہ نسخہ ناتمام ہے۔ اس میں مقتدی امام کے فارغ ہونے کے ساتھ دوسری رکعت کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۲ ـــــ اس بعض سلف کے بیان کردہ نسخہ میں یہی خرابی موجود ہے کہ جو لوگ ثنا اور تعوذ پڑھنے کے عادی ہیں وہ امام سے آگے ہیں۔ انہوں نے بھی فاتحہ پڑھی ہوگی۔ آپ کا قصہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ تو امام کی قرأت شروع کرنے کے وقت پیچھے والے نے بھی آدھی فاتحہ پڑھی ہوگی کسی نے تہائی حصہ، کسی نے اس سے کم۔ باقی فاتحہ خوانی امام کی قرأت کے وقت ہوگی۔ تو امام کو آپ مجبور کریں گے کہ ان پیچھے والوں کی رعایت کریں۔ قرأت ٹھہر کر شروع کریں۔ جب تک یہ فاتحہ پڑھ کر ہیں آپ سکوت کریں۔ ظاہر ہے کہ کسی قانون شرعی سے امام کو آپ مجبور نہیں کرسکتے وہ کیسے گوارا کریں۔ آپ کی ضرورت وقت کی تجویز جو سکتہ اولیٰ میں پڑھنے کی ہے میں اس کو مانتا ہی نہیں۔ ہیں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا قائل ہی نہیں۔ آپ اپنے ہم خیال کو فرمائیں۔ شاید وہ مان جائیں۔

شاید مان جائیں اس لیے کہا گیا ہے کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کی مختلف تجاویز ہیں عموماً شافعیہ محدثین امام شافعیؒ کے قول کے مطابق آمین کے سکتہ میں پڑھنا بتلاتے ہیں تو دعا اول سکتہ میں ٹھہرنا کہتے ہی نہیں یا ابھی گزر چکا کہ اول سکتہ میں پڑھنا حدیث کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

اسس کو نہیں مانتے ۔ وہ نہ اوّل سے ملنے والوں کو امام کے پہلے سکتے میں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور نہ بعد میں سکتہ کے زمانہ میں ملنے والوں کو اس جگہ فاتحہ خوانی کا حکم دیتے ہیں۔ بہر حال اوّل سکتہ میں فاتحہ خوانی کی تجویز مردود ہے۔

۳ ـــــ اوّل سکتہ میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا جس کی تجویز مصنف خیر الکلام نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی اور قوم کو تلقین کی کہ امام کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن سکتہ میں پڑھنا اولیٰ ہے اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ اس جگہ فاتحہ مقتدی پڑھے گا تو ترک سنت صحیحہ کا کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ جیسے رکوع میں سبحان ربی العظیم کا پڑھنا اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا پڑھنا سنت ہے اسی طرح تکبیر تحریمہ کے بعد سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ الیٰ آخرہ پڑھنا بھی مسنون ہے۔ امام پڑھتا ہے منفرد پڑھتا ہے، مقتدی کو بھی پڑھنا چاہیئے۔ آپ نے اس کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کی ڈیوٹی لگادی مگر وہ سنت کا تارک ہو گیا۔

آپ اگر کہیں کہ مجبوری ہے فاتحہ پڑھنے کے سوا نماز نہیں ہوتی تو یہ کوئی مجبوری نہیں حضرات شافعیہ دوسرے سکتے میں یعنی آمین کے وقفہ میں فاتحہ کا پڑھنا کہتے ہیں اس صورت میں مقتدی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ .... الخ پڑھ سکتا ہے تارکِ سنت نہیں بنتا۔

۴ ـــــ اس سکتہ اولیٰ میں مقتدیوں کا فاتحہ پڑھنا اور جب امام قرأت شروع کرے چپ ہو جانا جیسا کہ تصویرِ مسئلہ میں بیان کیا گیا ہے اس میں یہ بھی کمی اور خرابی ہے کہ جو لوگ امام کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کے زمانہ میں ملیں گے وہ فاتحہ نہیں پڑھ سکیں گے۔ کیونکہ مسئلہ کی تصویر میں کہا گیا ہے وَاِذَا قَرَءَ سَکَتُوْا ۔ جب امام قرأت کرے خاموش رہنا ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم اور حدیثِ صحیح کا حکم یہی ہے۔ اسی وجہ سے تو اوّل سکتہ میں پڑھنے کی تجویز کی گئی۔ اب فاتحہ کی قرأت کے وقت آنے والے لوگ کیا کریں گے؟ کیا آپ ان کو چھٹی دیں گے کہ فاتحہ مقتدی پر فرض تو ہے لیکن تمہیں معافی ہے۔ تمہاری نماز بلا فاتحہ ہو جائے گی؟ یا ان کو کہیں گے کہ آگے آمین والا سکتہ جب

ہوگا اس میں تم پڑھنا۔ اگر دوسری صورت ہے تو اوّل سے ملنے والوں کو بھی یہی سکتہ کافی ہوسکتا ہے ان کو اوّل سکتے میں پڑھنے کا حکم کیوں بلا ضرورت دیا گیا ہے۔ جبکہ وہاں پڑھنے سے ترکِ سُنّت بھی پایا جاتا ہے۔ حضرات شافعیہ تو یہی دوسرا سکتہ سب کے لیے کہتے ہیں کہ مقتدی اس میں فاتحہ خوانی کرے۔ اگر کہیں کہ وہ چھوٹا ہے صرف آمین کہنے کا وقفہ ہے اس میں پوری فاتحہ کیسے پڑھی جائے گی۔ تو اس کا جواب حضراتِ شافعیہ نے لکھا ہے کہ امام کو مجبور کیا جائے گا کہ اتنا ٹھہرے کہ مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ لیں۔ عنقریب اس کا بیان مفصل آنے والا ہے۔

بلکہ اگر غور کریں تو اوّل سکتہ میں پڑھنے کی تجویز کرنے والوں کو بھی امام کو اتنا ٹھہرنے کا حکم دینا ہوگا یا سفارش کرنی ہوگی کیونکہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ وہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ کی مقدار میں نہیں پڑھی جا سکتیں۔ خواہ اَعُوْذُ بِاللّٰہ کو بھی ملا لیجیے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے امام دو دفعہ ٹھہرے گا۔ پہلے سکتے میں بھی اور دوسرے میں بھی۔ خاص کر جب کہ بعض لوگ پڑھنے میں ڈھیلے ہوتے ہیں۔ اگر امام مستقل مزاج ہو گا تو صاف جواب دے دے گا کہ میں بار بار نہیں ٹھہر سکتا۔

بہرحال یہ حضراتِ محدثین شافعیہ کی جنگ ہے کوئی اوّل سکتہ میں فاتحہ خوانی کا کہتے ہیں اور کوئی دوسرے میں۔ ہم اس میں فریقین سے علیحدہ ہیں۔ نہ اولیٰ میں فاتحہ خوانی کا کہتے ہیں نہ ثانیہ میں۔ اگر حنفی امام کو یہ کہیں کہ فاتحہ خوانی کے لیے ذرا وقفہ کیا کرو کہ پچھلے فریضہ ادا کرلیں تو وہ جواب دے گا پہلے مقتدی پر فریضہ ہونا ثابت کرو پھر مجھ سے بات کرو۔ سکتے فاتحہ خوانی کے لیے نہیں ہیں وہ تو ثناء و حمد پڑھنے کے لیے اور آمین کہنے کے لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکھائے اور بتائے ہیں تم ثابت کرو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوّل سکتہ میں ٹھہرا کرتے تھے اور اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فاتحۃ الکتاب پڑھا کرتے تھے یا حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں یہ عمل مروج تھا۔ سکتہ میں فاتحہ خوانی

کہنے والے تو پہلے زمانہ کے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اجتہاد سے مقتدی کو بھی لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے عموم میں لے لیا اور اسی لیے امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کی جگہ میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے ساتھ ساتھ پڑھنا تجویز کیا کسی نے اسے ممنوع جان کر سکتوں میں پڑھنے کا کہا۔ کسی نے اول سکتہ میں پڑھنے کا کہا، کسی نے دوسرے میں اور امام کو حکم دیا کہ اتنا ٹھہرا کرے کہ مقتدی فاتحہ تمام کرلیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اگر شارع علیہ السلام کی نظر میں مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا تو اس کو پڑھنے کی جگہ ضرور بتاتے تاکہ یہ اختلاف اور سرپھٹول جو حضرات شافعیہ میں ہے نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ امام کو فرمائش کرتے کہ اتنی مقدار ٹھہرنا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں میں خاموشی اختیار فرمائی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا وظیفہ ہی نہیں۔ جب مہمان کا آنا معلوم ہوتا ہے تو پہلے اس کی جگہ اقامت کی متعین کرلی جاتی ہے۔ بے بلایا کوئی آجائے تو اس کی جگہ کوئی نہیں ہوتی۔ کوئی کہتا ہے یہاں ٹھہراؤ اور کوئی کہتا ہے نہیں وہاں لے جاؤ۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اِنَّ السَّلَفَ اِذَا اَمَّ اَحَدُھُمُ النَّاسَ کَبَّرَ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یظن ان من خلفہ قرا بفاتحۃ الکتاب ثم قرء وانصتوا۔ سلف سے وہی بعض حضرات مراد ہیں جو فاتحہ کو مقتدی پر لازم کرتے ہیں۔ انہوں نے فاتحہ خوانی کے لیے مقتدی کو اپنی طرف سے موقع بتایا کہ امام تکبیر پڑھ کر چپ ہو جاتا تو مقتدی لوگ اس میں فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کیا کرو۔

یہ ان حضرات کا اپنا اجتہادی نظریہ ہے جو دوسروں پر حجت نہیں بن سکتا۔ چنانچہ حضرات شافعیہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس مقام میں فاتحہ پڑھنے کی واضح الفاظ میں تردید کردی ہے اور بعد کے سکتہ میں پڑھنے کی تجویز پیش کردی ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرما گئے ہیں۔ لیکن کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے نقل پیش نہیں کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے یا اس طرح عمل کیا ہے۔ دلیل وہی لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی مجمل حدیث ہے۔ اس کو کھینچ کر مقتدی پر چسپاں کر دیا اور جگہ پڑھنے کی کسی نے کیا تجویز کی اور کسی نے کیا۔ جس سے آپس میں اختلاف رائے ہوگیا۔

اس جگہ مصنف خیر الکلام کی یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ ص۲۷۶ میں لکھتے ہیں کہ امام سے پہلے پیچھے اور اس کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے۔ اور دوسری جگہ "ہمارے نزدیک یہ سب درست ہے" لکھ گئے ہیں لیکن آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے بھائی اس سکتہ اولیٰ میں پڑھنے کو مکروہ بتا رہے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات محدثین سے نقل کیا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض لوگ اگرچہ اول سکتہ میں مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا فرما رہے ہیں لیکن یہ مکروہ ہے۔

خولف فی ذلک بل اطلق المتولی وغیرہ کراھۃ تقدیم المأموم قراءۃ الفاتحۃ علی الامام وفی وجہ ان فرغ قبلہ بطلت صلوٰتہ والمعروف ان المأموم یقرءھا اذا سکت الامام بین الفاتحۃ والسورۃ

اور گزشتہ علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی نقل ہو چکا ہے کہ مقتدی کا اول سکتہ میں پڑھنا اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ کے بھی مخالف ہے اور لَا تُبَادِرُوْنِیْ کی صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔ اسی لیے کراہت کا حکم کیا گیا ہے۔ اگر مصنف خیر الکلام اس کو مکروہ نہیں کہتے تو ان وجوہ کا جواب دیں۔ آپ کی قوم اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ آپ کو حدیث اور قرآن کا فہیم مانتی ہے تو آپ کے فتویٰ پر عمل کر سکتی ہے ورنہ راستہ دلائل شرعیہ سے واضح ہو چکا ہے۔ ہم نے محض نصحًا للمسلمین یہ بات عرض کر دی ہے کہ وہ اس غلطی میں نہ پھنسیں۔

رہا ان کا ص۲۹۷ میں یہ کہنا کہ (ساتھ ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے) اگر ساتھ ساتھ پڑھنا

بلا کھٹکے جائز ہوتا تو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ مٹ کیوں فرماتے: وَاختار اَھلُ الحَدِیثِ اَن لَّا یَقرَءَ الرَّجُلُ مَعَ الاِمَامِ وَقَالُوا یَتَّبِعُ سَکَتَاتِ الاِمَامِ۔ خاص کر یہ بھی سوچیں کہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ دقیق النظر ہستیہ اعلم شخص ہیں وہ اوّل سکتہ میں پڑھنے کو کیوں اختیار کرتے ہیں وہ بھی ماموم کی تقدیم امام پر اس تجویز میں دیکھتے ہیں۔ ادنیٰ علم والا بھی اس کو معیوب جانتا ہے لیکن مجبوری سے انھوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے کہ ساتھ ساتھ پڑھنا قرآن وحدیث میں ممنوع ہوچکا ہے وہ ان غلط تاویلوں کو پسند نہیں کرتے جو لوگ بہانے بناتے ہیں کہ اونچا پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ وغیر ذٰلک۔ اس لیے امام کے ساتھ پڑھنے کے فساد سے اوّل سکتہ میں پڑھنا پسند فرما گئے۔ لیکن گزر چکا کہ یہ راستہ بھی خطرناک ہے۔

مصنف خیر الکلام کی غلط چال اور دیانتداری کا حال

ابھی گزر چکا ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا اَن لَّا یَقرَءَ الرَّجُلُ مَعَ الاِمَامِ یعنی مقتدی کو امام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھنا چاہیئے۔ یہ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ انھوں نے مَعَ الاِمَامِ پڑھنے کو خطرناک سمجھا۔ ممانعت کے دلائل قوی سمجھ کر یہ فیصلہ کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ان ناقص تاویلوں پر مطمئن نہیں ہیں جو مصنف خیر الکلام یا ان کے رفقاء نے کی ہیں۔ ان کا ضمیر ان کی صحت کی شہادت نہیں دیتا تھا۔ اس لیے انھوں نے ساتھ ساتھ پڑھنے سے روکا۔ لنفع بِیکَلِّ مسلم کو پورا کیا۔ گزشتہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جزء القرأت سے حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ بھی ساتھ ساتھ پڑھنے کو نہیں فرماتے بلکہ سکتات میں پڑھنے کا فرماتے ہیں۔

لیکن مصنف خیر الکلام نے اس پر تنبیہ نہ کی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوّل سکتہ میں پڑھنے کی شدید مخالفت کی اور اس میں پڑھنے کو صاف مکروہ فرمایا اور لوگوں کو اس کے خطرہ سے آگاہ کیا اور مسلمی

ذمہ داری کو پورا کیا لیکن مصنف خیر الکلام اس پر بھی پردہ ڈال گئے۔ غالباً اول ما ستے کی خرابیاں جن کی وجہ سے محدثین نے اس کو چھوڑا وہ بھی جانتے ہوں گے اور دوسرے سکتہ کے بیان کردہ نقائص سے بھی خبردار ہوں گے لیکن آپ نے اپنی قوم کے سامنے ان کو پیش نہ کیا۔ ہاں اپنی ذہنی بات سنا دی ص۲۹۵ کہ ہمارے نزدیک امام کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور قبلہ بھی اور بعدہ بھی۔ دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ مبیع کو بیچو تو اس کے عیوب کو مشتری کے سامنے بیان کر دو۔ اس کا جی چاہے لے یا نہ لے۔ جب دنیوی معمولی نقصان سے دوسرے کو بچانے کی ہدایت کی گئی ہے تو دینی مسائل میں نقصان کو چھپانا کیسے جائز ہو گا؟ قوم کو اندھیرے میں چھوڑ گئے۔ واقعی غیر مقلدی اسی کا نام ہے کہ کسی کی نہ مانی جائے۔ اس لیے انھوں نے کہا ہمارے نزدیک سب جائز ہیں۔ قبلہ پڑھو یا بعدہ پڑھو یا معہ۔ لیکن اس کے باوجود کہ تقدیم قرأت کے کراہت کے مذکورہ وجوہ جو بیان کیے گئے ہیں وہ شرعی دلائل ہیں۔ ان کا جواب تو دینا پڑے گا۔ من مانی شریعت تو نہیں ہو سکتی۔

دوسرا سکتہ: آمین کے سکتے میں فاتحہ خوانی

آپ کو تعجب ہو گا کہ آمین کے معمولی مقدار کے سکتے میں فاتحہ جس کی سات آیات ہیں کیسے پڑھی جا سکتی ہیں؟ اس کی کیا صورت ہے۔ یہ تعجب بجا ہے۔ ہمیں بھی تعجب ہوتا ہے لیکن فاضل اہل حدیث مصنف خیر الکلام کے کلام میں دیکھا وہ بہت جزم سے لکھ رہے ہیں۔ خیر الکلام ص۱۱۲ جہری نمازوں کے سکتات میں پڑھنا بالاجماع استماع اور انصات کے منافی نہیں۔ سکتات میں پڑھنا ممکن ہے خواہ سکتہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آمین کے سکتے میں جب امام آمین کہے گا تو مقتدی آمین اور فاتحہ دونوں کو پڑھ لے گا۔ آمین کا کہنا اس لیے کہ حدیث میں اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن۔ آیا ہوا ہے۔ کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْن پڑھے تو تم آمین کہا کرو۔ کیونکہ وہ بھی آمین کہا کرتا ہے اور فاتحہ کا پڑھنا اس لیے کہا

گیا کہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی خواہ امام کے پیچھے ہی ہو۔ یہ کہو سے نہ پوچھئے کہ آمین کے معمولی وقفہ میں فاتحہ کیسے پڑھی جاسکتی ہے۔ میں نے تو فاضل مصنف خیر الکلام کی مذکورہ بات نقل کی ہے اس کا سوال ان سے یا ان کے عقیدت مندوں سے کیجئے وہ حل کے ذمہ دار ہیں لیکن پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو حضرت داؤد علیہ السلام کا تھوڑے سے وقفہ میں زبور کتاب خداوندی کا پڑھنا آیا ہوا ہے کہ آپ پڑھ لیا کرتے تھے ——— اور اس کو ان کا معجزہ کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے اہل حدیث حضرات کہیں کہ تخصیص نہیں ہم پوری فاتحہ آمین کے پڑھنے کے وقفہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ ہمارے شیخ مصنف خیر الکلام نے سچ کہا ہے۔ شاید کرامت سے وہ پڑھنا سکتے ہیں لیکن افسوس تو یہ ہے کہ یہ لوگ کرامت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ کچھ بھی ہو۔ ان سے آپ پوچھیں سچ جھوٹ معلوم ہو جائے گا۔

ممکن ہے کہ ان لوگوں کے پاس ایسی کوئی مشین ہو جو بہت جلدی سے پڑھ لیتی ہو یا ان کے مدرسوں میں ان کے استاد اس کی مشق ان کو کراتے ہوں۔ حنفی تو ایسی تیز رفتاری سے عاجز ہیں اور آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کہ وہ آمین کے وقفہ میں جو ایسی تیز رفتاری سے پڑھا کریں گے۔ کیا حدیث اس کی اجازت دیتی ہے؟ رمضان میں حافظ اور قاری ذرا تیزی کرتا ہے تو لوگ جو صاحب علم ہوتے ہیں اس کو منع کرتے ہیں آپ کو کہاں سے یہ اجازت مل گئی؟

ہم جانتے ہیں کہ یہ مجبوری کا بہانہ ہے اسی کو میں نے کہا تھا کہ کہنا آسان ہے کرنا مشکل ہے۔ اصل میں یہ غلط چال کا نتیجہ ہے کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض کر دیا۔ پھر جب پھنستے ہیں تو یہ بہانے بناتے ہیں کہ سکتے میں پڑھا کرو۔ یہ بہتر ہے۔ چھوٹا سکتہ ہو جب بھی پڑھا کرو۔ چھوٹے میں بھی فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔ وجہ اشکال یہ ہے کہ اول سکتہ ذرا بڑا تھا اس میں پڑھتے ہیں تو تقدم علی الامام لازم آیا، جو یقیناً حرام یا مکروہ ہے۔ دوسرا سکتہ اتنا قلیل ہے کہ اس میں صرف آمین ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ پھر امام قرأت شروع کر دیتا ہے۔ اس میں فاتحہ مقتدی کیسے

پڑھے؟ مصنف خیر الکلام کا جواب تو اسکی توجیہ اس کو سمجھ کرے۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

۲ ——— حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ چونکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذہبی تقلید کرتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ ابتداء میں سری اور جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے فاتحہ خوانی کا قول نہیں کرتے تھے لیکن آخر میں اجتہاد بدل گیا۔ مقتدی کو فاتحہ کا پڑھنا ضروری فرما گئے۔ پھر ساتھ ساتھ پڑھنے کو بھی ممنوع دیکھا تو سکتوں میں پڑھنے کا قول کر دیا۔ اوّل سکتہ میں تقدم علی الامام کی خرابی دیکھی تو اسکو بھی چھوڑا۔ دوسرے سکتہ میں پڑھنے کو پسند کر لیا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ ذہنی تجویزیں ہیں۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانب سے اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی۔ یعنی فاتحہ پڑھنے کی مقتدی کو جگہ نہیں بتائی گئی۔ اپنی طرف سے کسی نے اوّل سکتہ میں پڑھنا کہا۔ کسی نے دوسرے میں اور حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی دوسرے سکتہ میں پڑھنے کا فرمایا اور علامہ نوویؒ بھی شرحِ مسلم میں اسی کو اختیار کر گئے۔ اور اوّل سکتے میں فاتحہ پڑھنے کو مکروہ فرما گئے۔

مگر افسوس ہے صاحب خیر الکلام فاضل اہل حدیث پر کہ وہ اس مکروہ کو بہتر کہہ گئے ہیں۔ خیر الکلام ص۲۳ کہ سکتوں میں پڑھنا بہتر ہے۔ اس کے بعد نقل کیا کہ سلف حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد اتنا ٹھہرا کرتے تھے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے پھر قرأت شروع کرتے تھے۔ یعنی تم لوگ بھی ایسی چال ہی چلو۔ یہ قوم کو نص میں ذہانت نہیں تو اور کیا ہے؟ جو قرآن کریم، صحیح حدیث، جمہور امت اور اکثر حضرات محدثین کرامؒ[۱] کے محقق نظریہ کے خلاف ہے۔

اجتہادی عمل میں کسی سے غلطی ہو جائے تو وہ ماخوذ نہیں ہوتا جیسے استقبالِ قبلہ میں غلطی ہو گئی۔ دوسری جانب منہ کر لیا۔ نماز ہو جاتی ہے۔ لیکن پتہ لگ جانے کے

۱؎ یہ امام الحرمینؒ وغیرہ کی تحقیق ہے جس سے حضرات شوافع عموماً متفق ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا آخری اور محقق قول ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کریں۔ (دیکھئے احسن الکلام)

بعد آئندہ اس غلط راستے پر نہیں چل سکتا۔ اسی لیے ائمہ دین سے بعض مسائل میں رجوع مروی ہے۔ اب آپ کے سامنے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تردید آچکی ہے۔ آپ سابقہ راستہ کی تعلیم و تلقین نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ قوم کے سامنے تسلی بخش حل نہ پیش کریں۔ ہاں یونہی آپ کی قوم آپ کی تقلید کرتی ہے تو وہ جانیں اور آپ۔ آپ کے سامنے لَا تبادرونی کی حدیث بھی پیش کی گئی ہے۔ آپ کو اس جیسی صحیح حدیث جواز تقدیم پر پیش کرنی ہوگی۔ اس سے کام نہیں چلے گا کہ ص ۲۱ میں لکھتے ہیں۔ ابوسلمہ (تابعی) نے کہا ہے کہ:

امام کے دو سکتے ہیں ان کو غنیمت سمجھو۔ ایک سکتہ تکبیر کے بعد کا ہے اور دوسرا سکتہ فاتحہ کے بعد کتاب القرأت ص ۹۶ جزء القرأت ص ۵۸ میں ہے۔ ان میں فاتحہ پڑھنا غنیمت سمجھو۔

جناب من یہ سکتے آپ کے فاتحہ خوانی کے لیے تو نہیں۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اول میں حمد و ثنا و تعوذ سکھایا دعا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ پڑھنی سکھائی ہے اور دوسرے میں آمین کا پڑھنا بتایا ہے۔ آپ انہیں فاتحہ کا پڑھنا بتا رہے ہیں۔ اس کی تشریع پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتائیے اس کے علاوہ اول سکتہ میں پڑھنے سے امام پر تقدیم بنتی ہے اور اس کی ممانعت کی گئی ہے یہ تقدیم رکن کی اجازت کس حدیث میں ہے؟ ابوسلمہ تابعی کے کہنے سے مسئلہ نہیں بنتا۔ تابعی چھوڑ کر صحابی کا ہر فعل اور عمل بھی حجت نہیں بنتا۔ ممکن ہے کہ وہ عمل اس کا اجتہادی ہو۔

اسی طرح خیر الکلام ص ۲۳۸ میں لکھا ہے حضرت عروہ مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ثقہ فقیہہ کبار تابعین سے فرماتے ہیں۔ اے بچو امام کے سکتہ میں پڑھو کیونکہ فاتحہ کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں ہے۔ بیٹو جب امام چپ ہو پڑھو۔ جب پڑھے چپ ہو جاؤ ..... الخ۔ اگر مقتدی سے فاتحہ پڑھوانا ہوتا تو اس کو پڑھنے کی متعین جگہ بتلاتے اور امام کو ہدایت کرتے کہ مقتدی کے فاتحہ پڑھ

لینے کا انتظار کرنا مگر جس نے فاتحہ کے پڑھنے کا حکم مقتدی کے لیے بیان کیا اس نے اس کی جگہ اپنی صوابدید سے بیان کردی۔ اسی لیے اس میں اختلاف ہو گیا۔ جیسے ابھی آپ نے دیکھا کہ بعض سلف نے اول سکتہ میں پڑھنا بتایا اور دوسروں نے اس کی شدید مخالفت کردی اور اس کو مکروہ و ممنوع قرار دے دیا۔

مُصنّف خیر الکلام کی ایک اور نرالی چال

مقتدی پر فاتحہ فرض کہنے والوں نے جہری نمازوں میں فاتحہ خوانی کی جگہ تعیین کرنے میں اختلاف کیا۔ بقول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اقل قلیل نے امام کے ساتھ پڑھنا تجویز کیا۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول سکتہ میں پڑھنا کہا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوم سکتہ آمین والے میں پسند کیا۔ اور بعض نے فاتحہ کی آیات میں وقفہ کرنا امام کا بتایا تاکہ مقتدی اس میں وہ آیت جو امام نے پڑھی ہے پڑھ لیوے۔ اور مصنف خیر الکلام نے ان کے علاوہ پانچواں طریقہ یہ بتایا کہ امام ہر آیت فاتحہ کے آخر میں ن یا میم پڑھنے سے پہلے جب وہ ی پڑھے مد کرے اس وقت مقتدی سالم آیت پڑھا کرے۔ امام اتنی لمبی یا مدہ کو کھینچے کہ مقتدی اس میں آیت پڑھ لیوے۔ یہ ان کا صدری کیمیائی نسخہ ہے یا یہ خاندانی ذخیرہ سے ہے۔ آپ ان کی تحریر کو پڑھ لیجیے۔ خیر الکلام ص ۳۹۷۔ امام جب فاتحہ کی کوئی آیت پڑھے تو جب آخری حرف مد کو پڑھے تو اس وقت مقتدی آیت کی ابتدا کرکے امام کے آیت کو ختم کرنے اور اگلی آیت کے شروع کرنے سے پہلے اس کو ختم کرسکتا ہے۔ اس عبارت سے ہم نے تو یہی مطلب سمجھا ہے جو عرض کردیا ہے۔ اس میں آپ غور کریں کہ کتنے جراثیم بھرے ہوئے ہیں۔

اسلامی قانون تو یہ ہے کہ عبادات کا نسخہ وہی قابل عمل ہوتا ہے جو صاحب شرع کی تعلیم میں آچکا ہو خواہ قولی ہو یا عملی کم از کم تقریر سے ہی ثابت ہو تا معلوم ہو کہ کسی نے ایک کام کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا لیکن آپ نے

اس پر انکار نہیں فرمایا۔ ہاں اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا تعامل چلا آتا ہو۔ انھوں نے کیا او بعد کے لوگوں نے اس کو لیا ہو۔ اس کو تعامل صحابہؓ بھی کہا جاتا ہے اور تعامل امت بھی۔ وہ بھی حجت او قابل قبول بن جاتا ہے۔

اس کے بعد ہم فاضل اہل حدیث مصنف خیر الکلام سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس تجویز کی تصحیح آپ کے ذمہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا ثبوت ہے یا صحابہ کرامؓ اور خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول یا عمل سے اس مد کے اتنا کھینچنے کا کہ مقتدی اس میں پوری آیت پڑھ لے اس کا ثبوت پیش کیجئے۔ ورنہ آپ کی مذکورہ تجویز ایک بدعت سیئہ کی تعلیم ہے۔ عید کے دن اگر اذان و اقامت کہنا اگر بدعت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ حیاۃ میں اور خلفاء اربعہؓ کے زمانہ میں یہ عمل نہیں ہوا تو آپ کا اتنی مد کا کرنا بھی اسی حکم میں ممنوع ٹھہرے گا۔ آپ تو بیس تراویح نہیں مانتے کہ بقول آپ کے اس کا ثبوت پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ اگرچہ بالاجماع حضرات صحابہ کرامؓ بیس پڑھتے رہے۔ آپ کا فرمودہ عمل اتنی مد کرنا کہ مقتدی اس میں پوری آیت پڑھ لیوے اسکا ثبوت عملاً یا قولاً نہ سلف میں پایا گیا ہے نہ خلف میں۔ یہ تو آپ کی ایجاد ہے۔ یا کسی خاندانی نیم حکیم کا نسخہ ہے۔

مگر اس نسخہ شفاء کو آپ کے ہم مشرب بھی استعمال نہیں کر رہے۔ یہ صرف کتاب میں پایا جاتا ہے قبول کسی نے نہیں کیا۔ اور کیسے قبول کریں۔ دیکھئے اگر کوئی آدھی فاتحہ پڑھے جانے کے بعد آیا تو اس نے بھی فاتحہ پڑھنی ہے۔ اس کے سوا آپ کہتے ہیں کہ نماز ہی نہیں ہوتی تو امام اس کے لیے اتنی مد کرے گا کہ وہ آدھی فاتحہ پڑھ لیوے پھر اگلی آیت شروع کرے گا۔ اتنا لمبا کس کا سانس ہوگا یا ایک آیت کے برابر مد کھینچنا بھی مشکل ہے۔ آدھی فاتحہ کے برابر کیسے کھینچے گا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یا مد کو اتنا کھینچ کر پڑھنا بتائیں کہ مقتدی یہ پوری آیت پڑھ لیوے۔ خاص کر یہ کہ بعض لوگ پڑھنے میں ڈھیلے بھی ہوتے ہیں۔

بلکہ میں پوچھتا ہوں کہ یہ مد تو ن سے قبل ی مدہ میں ہی کرے گا۔ تو یہ زمانہ قرأت کا ہی ہے ابھی ن کا پڑھنا باقی ہے۔ مقتدی جب آیت کریمہ پڑھے گا۔ (جیسے آپ نے بتایا کہ مد کے زمانہ میں پڑھو) تو اس صورت میں مقتدی کی قرأت امام کی قرأت کے زمانہ میں ہوجاتی ہے۔ آپ نے اس سے بچنے کے لیے حیلہ سازی کی وہ تو نہ بنی قرار ماعنہ الفرار والا قصہ بن گیا۔ جس چیز سے بھاگنا چاہتے تھے اسی میں پھنس گئے۔ اتنی محنت بھی کی اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

كُلٌّ يدعي حُبًّا ليلى وليلىٰ لا تقر له بذٰلك

یہ بات ضمنی طور سے مذکور ہو گئی۔ اصل مقصد سکتہ ثانیہ آمین میں مقتدی کی فاتحہ خوانی کا تذکرہ تھا۔ وہ سنیے:

آمین کے سکتہ میں فاتحہ خوانی کی گنجائش نکالنا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا والی بات ہے

گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختار کے مطابق مقتدی کو حکم دیا کہ وہ امام کے آمین کے سکتے میں فاتحہ پڑھا کرے۔ اوّل سکتہ اگرچہ لمبا ہے اور اس میں فاتحہ کے پڑھنے کی تصویر بن سکتی ہے لیکن اس میں تقدم علی الامام کا بھاری نقص ہے۔ جو صریح حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس کو چھوڑ گئے۔ آمین والا سکتہ چھوٹا بے شک ہے فاتحہ پڑھنے کی اس مقدار کے سکتے میں کوئی گنجائش نہیں بنتی۔ مصنف خیر الکلام کی ص۴۱۲ نامعقول بات کو انھوں نے نہیں لیا کہ "سکتہ خواہ کتنا چھوٹا اس میں فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے" ہاں اسکی تدبیر یہ کی کہ امام کو حکم دیا کہ وہ اس سکتہ میں اتنی مقدار ٹھہرے کہ مقتدی لوگ اپنے فریضہ یعنی فاتحہ کے پڑھنے سے فارغ ہو جائیں جب یہ ظن ہو جائے تو اس وقت وہ سورت پڑھے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ

تعالیٰ نے محل قرأت کی تعیین فرمائی۔ وَالْمَعْرُوفُ اَنَّ الْمَامُوْمَ یَقْرَءُهَا اِذَا سَکَتَ الْاِمَامُ بَیْنَ الْفَاتِحَۃِ وَالسُّوْرَۃِ۔ (فتح الباری ص ۱۵۹/۱) اور امام کو ہدایت کی اور فرمایا فَعَلٰی ھٰذَا یَتَعَیَّنُ عَلَی الْاِمَامِ اَنْ یَّسْکُتَ فِی الْجَھْرِیَّۃِ لِیَقْرَءَ الْمَامُوْمُ۔ لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ فِی ارْتِکَابِ النَّھْیِ حَیْثُ لَا یُنْصِتُ (فتح الباری ص ۱۶۴/۲)۔ یعنی امام پر لازم ہے کہ جہری نماز کے سکتہ میں اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے۔ اگر اتنا نہیں ٹھہرے گا تو مقتدی کو حرج میں ڈالے گا کہ وہ اس کی قرأت میں فاتحہ پڑھے گا اور اس میں وہ منہی کا مرتکب بن جائے گا۔

اس عبارت کو پھر پڑھیں لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ..... الخ کہ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا پڑھنا جرم بتا رہے ہیں اسی لیے امام کو حکم دے رہے ہیں کہ اتنا ضرور ٹھہرے کہ مقتدی سکوت کے زمانہ میں فاتحہ پڑھ لیوے ورنہ وہ مرتکب منہی بن جائے گا اور مجرم ٹھہرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت کرنے کو جرم اور ارتکاب منہی قرار دیتے ہیں۔ جبھی امام کو مجبور کرتے ہیں کہ تم اتنی مقدار ضرور سکتہ کرو اور ٹھہرے رہو تاکہ مقتدی فاتحہ خوانی سے فارغ ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا کہ قرأت مشوشہ منع ہے ص ۳۶۸ شور و غل کرنا ممنوع ہے۔ اونچا پڑھنا منع ہے۔ گزشتہ ان باتوں کی تردید ہو چکی ہے۔ اگر اونچا پڑھنا ہی منع ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ سکتے کے بعد سورت کے زمانہ میں پڑھنے کو منہی کا ارتکاب کیوں فرماتے ہیں؟ مقتدی تو آہستہ ہی پڑھا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفس قرأت کرنا امام کی قرأت کرنے کے وقت ہی ممنوع ہے اور انصات مامور کے خلاف ہے۔

خیر الکلام ص ۳۶۸ میں ہے۔ قرآن پڑھتے وقت قرآن پڑھنے کی ممانعت مقتدی کے لیے ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ اگر ممانعت نہیں ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتے ہیں: لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ فِی ارْتِکَابِ النَّھْیِ حَیْثُ لَا یُنْصِتُ اِذَا

قَرَءَ الْاِمَامُ. یعنی امام کی قرأت کے وقت مقتدی نے اگر انصات نہ کیا بلکہ پڑھتا رہا تو مقتدی مجرم اور مرتکب منہی بن جائے گا۔ اس لیے امام کو ضرور سکتہ میں اتنا ٹھہرنا چاہیئے کہ مقتدی لوگ فاتحہ سے فارغ ہو جائیں۔ پھر امام سورۃ پڑھے۔

یہی بات علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم صفحہ ۲۱۵/۱ میں فرما رہے ہیں۔ یُسْتَحَبُّ عِنْدَنَا لِلْاِمَامِ اَنْ یَّسْکُتَ فِی الْجَهْرِیَّةِ بعد الفاتحة قدر ما یقرء المامومُ الفاتحة۔ یعنی ہمارے نزدیک امام کے لیے مستحب ہے کہ جہری نماز میں فاتحہ کے بعد اتنا سکوت کرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیوے۔ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ فاتحہ مقتدی کو لازماً پڑھنی ہے اور سکتہ آمین کا خفیف مقدار کا ہے۔ تو سفارش کر رہے ہیں کہ امام کو چاہیئے کہ یہ سکتہ ذرا لمبا کرے۔

حالانکہ اسی صفحہ ۲۱۵ میں امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ نقل فرما رہے ہیں۔ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ یعنی امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں کرنی ہوتی اور یہ فتویٰ بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل کو دیکھتے ہوئے ہی فرمایا گیا ہے۔ لیکن امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیسی بعید تاویل سے گلوخلاصی کی فرمایا کہ قول زید محمول علی قراءة السورة التی بعد الفاتحة فی الصلوٰة الجهریة فان المأموم لا یشرع له قراءتها یعنی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ کے بعد سورۃ نہ پڑھا کرتے تھے۔ یعنی مقتدی کو سورۃ جہری نماز میں بعد فاتحہ کے نہیں پڑھنی چاہیئے یہ مقتدی کے لیے مشروع نہیں ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ! کیا ہی عجیب محمل بیان کیا ہے۔ یہ تاویل تو جب مسموع ہوگی کہ آپ ثابت کریں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ کے پڑھنے کے قائل تھے اور اسے واجب فرض جانتے تھے۔ یہ تو آپ حضرات کا مختار ہے۔ آپ اپنے نظریہ کے مطابق ان کے کلام کا مطلب بتا اور بنا رہے ہیں۔ جن کا یہ کلام ہے معنیٰ انکے عِنْدِیَّه کے مطابق کرنا ہی عقل کا تقاضا

ہے۔ آپ نے فاتحہ خوانی کی نفی کو چھوڑ کر سورۃ کا نہ پڑھنا مراد بنالی ہے۔ کلام میں نفی علی الاطلاق ہے کہ مقتدی کو کسی حال میں امام کے پیچھے کوئی قرأت نہ کرنی چاہیئے۔ یہی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب و مختار ہے۔ ان کو فاتحہ خلف الامام کا قائل بنانا کہ وہ فاتحہ کے پڑھنے کا انکار نہیں کرتے۔ ہاں وہ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی اور سورۃ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے جیسے کہ علامہ نووی فرمارہے ہیں۔ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ دیکھئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القرأت میں فرمارہے ہیں کہ رکوع کے پالینے سے رکعت کا پالینا وہی لوگ کہتے ہیں جو فاتحہ کے مقتدی پر واجب اور فرض ہونے کے قائل نہیں جو لوگ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض کہتے ہیں وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت نہیں کہتے۔ ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں انما اجاز ادراك الركعة ادراك الركوع من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الذين لم يروا القراءة خلف الإمام منهم ابن مسعود و زيد بن ثابت و ابن عمر۔ اس عبارت سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بتا گئے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔

اس سے صاف پتہ چل گیا کہ علامہ نووی کا لَا قِرَأَةَ مَعَ الْإِمَامِ جو ان کا فرمان ہے اس کی یہ توجیہ اور تاویل کرنا کہ وہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا انکار نہیں کرتے بلکہ سورۃ کے ملانے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مصنف خیر الکلام کا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاتحہ خلف الامام کا قائل کہنا بھی غلط ہے کیونکہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تینوں کو اَلَّذِیْنَ لَمْ یَرَوُا القراءۃ خلف الامام کے حضرات میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا مصنف خیر الکلام کا ص ۲۴۴ میں یہ کہنا کہ عبداللہ بن مسعودؓ وہ بھی قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ یہ محض غلط بیانی ہے۔ ان کو قائل بتانے سے اور اپنے ساتھ ملانے سے مقصد یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے جیسے فرض کہتے ہیں۔ مگر امام بخاریؒ اس کی تردید کرچکے ہیں۔

شاید کسی ضعیف روایت میں دیکھ کر ان کو قائل کہہ دیا گیا ہے یا سری نماز میں ان کا قول جواز قرأت خلف الامام دیکھ کر ان کو انھوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے ۔

ایک اور بات بھی سنتے جائیں اور مصنف خیر الکلام کی غلط چال کی داد دیتے جائیں یا ان کے غلط رویہ کو دیکھ کر اس سے پہلوتہی کر کے راستہ کی تبدیلی کی فکر کریں ضد و عناد سے ایمان میں کمی آتی ہے ۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔

عنقریب ہی گزرا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کو چاہیئے کہ آمین کے سکتے میں اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیوے پھر قرأت شروع کرے اور اگر ایسا نہیں کرے گا اور صرف آمین کہنے کے بعد قرأت شروع کر دے گا تو مقتدی اس کی قرأت میں فاتحہ خوانی کرے گا اور وہ ایک منہی چیز کا مرتکب بنے گا۔ یعنی انصات جو عند قرأۃ القرآن حکم شرعی ہے اس کی خلاف ورزی ہوگی۔ فرمایا لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ فِیْ اِرْتِکَابِ الْمَنْہِیِّ حَیْثُ لَا یُنْصِتُ ۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا نفس قرأت کرنا امام کی قرأت کے وقت ہی ممنوع ہے۔ انصات مامور کے خلاف ہے۔ انصات ترک القرأت کو چاہتا ہے۔ نفس پڑھنا ہی فعل منہی اور مکروہ ہوگا۔ امر کا مُفَوِّت بنے گا۔ اگر امام کی قرأت کے وقت آہستہ پڑھنا جائز ہوتا اور نقصان دہ نہ بنتا تو امام کو سکتہ مزید طویل کرنے کا کیوں کہا جاتا؟ حالانکہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ صریح الفاظ میں امام کو مجبور کرتے ہیں۔ فَعَلٰی ھٰذَا یَتَعَیَّنُ عَلَی الْاِمَامِ اَنْ یَّسْکُتَ لِیَقْرَءَ الْمَامُوْمُ الْفَاتِحَۃَ فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی خرابی اس کی قرأت کی بتا رہے ہیں۔ لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ فِیْ اِرْتِکَابِ الْمَنْہِیِّ حَیْثُ لَا یُنْصِتُ ۔ (یہ بار بار میں ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کو حقیقت حال کا بخوبی اندازہ ہو جائے۔ اس میں بخوبی غور کیجئے۔ اس میں کئی فوائد آپ کو ملیں گے۔)

اس کے بعد فریق ثانی کے اقوال کو زیر خاطر لائیں اور انصاف سے فیصلہ کریں

حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی۔ "وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" گزشتہ مصنف خیر الکلام کے حوالجات سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ وہ کہتے ہیں:

۱۔ اونچا پڑھنا منع ہے۔ قرأت مشوشہ منع ہے۔ شور وغل کرنا منع ہے۔ نفس قرأت منع ہے۔ انکار اونچے پڑھنے پر کیا گیا ہے جس سے تشویش پیدا ہو۔ انکار منازعت پر کیا گیا ہے اور منازعت اونچے پڑھنے سے ہی ہوتی ہے۔ وغیر ذالک کئی اوراق اس بیان میں انھوں نے لکھے اور سیاہ کیے اور کہیں کہیں تائید میں بھی حضرت حافظ ابن حجر، امام بیہقی، امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ کی آپ کے سامنے رکھیں۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ مکحولؒ شام کا جلیل القدر مفتی تھا وہ بھی کہتا ہے کہ مَعَہٗ یعنی مع الامام پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ فتویٰ تھا۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا کہ ساتھ ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن سکتوں میں پڑھنا بہتر ہے۔ ص۳۹۶۔

یہ سب باتیں طفل تسلی سے زائد نہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ اس تعلیم میں دھوکہ دیا گیا ہے تو بعید نہیں ہوگا۔ اس میں مکروہ چیز کو حَسَنْ کہا گیا ہے۔ دیکھئے بہتر کا معنیٰ اَحْسَنْ ہی ہے تو ساتھ پڑھنا حَسَنْ کا درجہ بنے گا۔ حالانکہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ابھی معلوم ہوا کہ وہ اس کو مکروہ عمل بتا رہے ہیں لِئَلَّا یُوْقِعَہٗ فِیْ اِرْتِکَابِ الْمَنْہِیِّ حَیْثُ لَا یَنْصِتُ۔ فَعَلٰی ھٰذَا یَتَعَیَّنُ عَلَی الْاِمَامِ اَنْ یَّسْکُتَ لِیَقْرَءَ الْمَامُوْمُ امام کے ذمہ لازم ہے کہ سکتہ اتنا کرے کہ مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ لیویں۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ ساتھ ساتھ پڑھنا استماع ماموں میں مخل بنتا ہے۔ اپنی قرأت کرے گا تو پوری توجہ امام کی قرأت کی طرف نہیں رہے گی۔ اسی وجہ سے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل کرنے والے کو کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا سے تعبیر کیا ہے۔ فیض الباری ص۲۰۴ ج۲۔

اگر حَسَنْ کے درجہ میں ساتھ ساتھ پڑھنا ہوتا تو محدثین اس کو چھوڑ کر سکتات میں پڑھنا کیوں اختیار کرتے حالانکہ سکتے میں پڑھنا بھی مشکلات سے خالی نہیں ہے۔ جیسے کہ بیان ہو چکا ہے سکتے کوئی فاتحہ پڑھنے کے لیے تو نہیں ہیں۔ ان کے

اور مقاصد ہیں۔ ان میں اذکار رکھے ہوئے اور بتائے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ ٹھکانے ہیں۔ جیسے مسجد میں جاؤ تو کسی جگہ بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر اس جگہ آپ کا بیٹھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح ان ٹھکانہ والی چیزوں کو ہٹا کر فاتحہ کا اس جگہ پڑھنا کیسے محمود اور پسندیدہ بن سکتا ہے؟ حالانکہ اول سکتہ میں پڑھنے پڑھانے والے بتاتے ہیں کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کی جگہ فاتحہ پڑھا کرو کہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔

۲ ——— مصنف خیر الکلام نے اپنی حیلہ سازی سے کہا کہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا منع نہیں ہاں اونچا پڑھنا اور جہر کرنا یہ منع ہے حضرت حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت سے استدلال کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا آیا ہے۔ لیکن اس میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ سکوت قرأت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ دیکھو صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: اِسْكَاتَكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَالْاِفْتِتَاحِ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ... الخ پڑھا کرتا ہوں۔ یہ آپ کے سکوت کا زمانہ بھی ہے اور اس میں آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح مقتدی انصات کے زمانہ میں جس کا حدیث میں حکم دیا گیا ہے فاتحہ پڑھ سکتا ہے ہاں اونچا نہ پڑھے، جہر نہ کرے اس سے تشویش پیدا ہوتی ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔ نفس قرأت ممنوع نہیں۔ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مطلب یہی ہے اور اس کا جواب دے دیا گیا تھا کہ یہ گنجائش لفظ اسکات اور سکوت میں تو ہو سکتی ہے لیکن قرآن اور حدیث میں یہ لفظ نہیں آیا۔ قرآن میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا آیا ہے اور حدیث میں وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا آیا ہے فَاسْكُتُوْا نہیں فرمایا۔ اور انصات کے حکم میں قرأت کی گنجائش نہیں ہے اور لکھا تھا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے انصات اور سکوت میں فرق نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ بات گراں گزری ہو کہ حافظ ابنِ

مجر پر چوٹ کر رہے ہیں۔ غیر مقلدین ایسی جگہ ایسی باتیں مزے لے لے کر کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ عوام کو حنفیہ سے بدظن کریں۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے ضد سے نہیں کہا کسی کی ہم توہین نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن کیا کیجئے کہ مذہبی مسائل میں ایسے بڑے بڑے حضرات بعض ایسی باتیں سرسری انداز کی کر جاتے ہیں اور غیر مقلدین ان کو مال غنیمت بنا لیتے ہیں۔ حنفیہ کے بالمقابل ان سے حجت پکڑتے ہیں۔ ایسے مقامات میں ضروری ہے کہ التباس کو دور کیا جائے۔ تاکہ حق واضح ہو جائے۔ سنیے! اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ۔ اگر انصات کے لفظ میں بھی خفیہ قرأت کرنے کی مقتدی کو اجازت آپ دیتے ہیں جیسے سکوت میں آپ نے کہا اور فرق نہ کیا اور یہ کہتے ہو کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔ خفیہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں ہے۔ جیسے حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو آمین کے سکتے میں مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کے لیے امام کو کیوں حکم دیتے ہیں کہ اتنی مقدار سکتہ کرنا ضروری ہے کہ مقتدی اس میں اپنی فاتحہ پڑھ لیویں ورنہ وہ قرأت کے زمانہ میں پڑھیں گے اور یہ انصات مامور کے خلاف بن جاتا ہے۔

الحاصل: وَاِذَا قُرِئَ فَانْصِتُوْا۔ آپ کے نزدیک اگر وَاِذَا قَرَءَ فَاسْکُتُوْا کے معنیٰ میں ہے تو جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سکتے کی دعا میں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ پڑھا کرتے تھے اور یہ سکوت کے منافی نہیں، تو مقتدی آمین کے بعد امام کی قرأت کے زمانہ میں اپنی فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ آپ امام کو کیوں بے موقع اور بلا وجہ آمین کے بعد سکتے کا حکم دیتے ہیں اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی سفارش کرتے ہیں کہ امام کو چاہیئے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا موقع دے۔ اتنے طویل سکتہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ غور فرمائیں تو سمجھ آجائے گی۔

اس بیان سے ایک اور فائدہ بھی معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام بار بار کہتے

کہتے ہیں کہ اونچا پڑھنا منع ہے۔ قرأت مشوشہ منع ہے۔ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لوگ اونچا پڑھا کرتے تھے اس سے روکنے کے لیے اَنْصِتُوْا۔ آیا ہے اگر یہی بات ہے تو لوگوں کو یہ خطاب کرنا مناسب تھا لَا تَجْهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ وَلَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ یہ کافی ہو جاتا۔ امام کو سکتے کے مزید طول دینے کا حکم کیوں دیا گیا۔ امام بھی قرأت کرتا جائے، مقتدی بھی آہستہ آہستہ فاتحہ پڑھتے جائیں۔ آپ کے نزدیک تو یہ منع نہیں ہے۔ سکتے کے طول کا حکم تو اس لیے دیا جاتا ہے کہ امام کی قرأت کے ساتھ ساتھ مقتدی کی قرأت منع ہے۔ آپ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی دیکھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سکتہ میں پڑھا کرتے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ انصات کو سکوت کے معنی میں لینا غلط ہے۔ یہ محض مناظرانہ انداز میں حنفیہ کے استدلال میں روڑہ اٹکانے کے لیے کیا گیا ہے اس کو مصنف خیر الکلام نے اپنایا۔ صحیح بات وہ ہے جو حضرت حافظ ابن حجرؒ نے دوسری جگہ آمین کے سکتے کے طویل کرنے کے بیان میں فرمائی کہ مقتدی اگر انصات نہیں کرے گا اور امام کی قرأت کے وقت پڑھے گا تو ارتکاب منہی ہوگا۔ مصنف خیر الکلام نے مطلب کی اوّل بات تو لے لی اور دوسری کو چھپا رکھا کہ لوگ کہیں دیکھ نہ لیں اور اس جگہ انصات کو خالص خاموشی کے معنی میں لیا اور یہی صحیح بھی ہے۔

ہم نے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دونوں قول آپ کے سامنے کر دیئے ہیں۔ پھر آپ کی مرضی کہ ان کو تناقض پر محمول کریں یا دونوں کے محل اور موطن کا فرق کریں۔ ظاہر یہی ہے۔

فائدہ عجیب بات ہے کہ حضرت حافظ ابن حجر اور علامہ نووی رحمہما اللہ تعالیٰ کو یہ سوجھا کہ آمین کا سکتہ بہت کم مقدار کا ہے۔ اس میں فاتحہ مقتدی کیسے پڑھے گا؟ پڑھنا ضروری بھی ہے۔ اس کے سوا نماز ہوتی نہیں۔ اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا پڑھنا منع بھی ہے۔ تو اس کی تدبیر یہ سوچی

کہ امام کو حکم دیا کہ وہ اتنی مقدار سکتہ کرے کہ مقتدی لوگ فاتحہ پڑھ لیویں۔ تاکہ فاتحہ بھی پڑھی جائے اور گنہگار بھی نہ بنیں۔ واقعی بچاؤ کی یہ ترکیب تو اچھی سوچی گئی ہے احکام بھی ہو گیا اور نقصان سے بھی بچ گئے اور اسی کو نفقہ اور سمجھ کہا جاتا ہے۔

لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ اشکال حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں کیوں نہ آیا؟ کیا وہ اس سے بے خبر تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اشکال کا حل کیوں بیان نہ کیا؟ کہ امام کو حکم فرماتے کہ مقتدیوں کی فاتحہ خوانی کے لیے تم ضرور اتنا رکنا کہ وہ ضرورت پوری کرلیں اور فاتحہ سے فارغ ہو جائیں۔ پھر قرأت شروع کرنا۔ ورنہ وہ ارتکاب منہی کے مجرم وار ہوں گے۔ جیسے حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرما گئے لِئَلَّا یُوْقِعَهٗ فِی.... الخ جناب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم میں اس اشکال کا حل نہیں آیا اور نہیں پایا گیا۔ کیا یہ تعلیم ناقص نہ بن جائے گی؟ اس کا حل تو مصنف خیر الکلام یا ان کے رفقاء کے ذمہ ہے کہ وہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری میں ہیں اور فاتحہ خلف الامام فرض کہتے ہیں اور اس کے لیے محلِ وقوع آمین کا سکتہ بتاتے ہیں اشکال بھی یقینی ہے اور حل بھی ضروری ہے اور حل حدیثِ مرفوع میں نظر بھی نہیں آتا۔ ہم تو جواب میں صرف اتنا کہہ دیں گے کہ بِنَاءُ الفاسد علی الفاسد ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہنِ مبارک میں مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا لازم ہونا ہے ہی نہیں۔ نہ اعتراض نہ جواب کی حاجت! بلکہ احادیث میں اس حل کا نہ پایا جانا ہی تو حنفیہ کے مسلک کی تائید بلکہ دلیل ہے کیونکہ اگر فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر ضروری ہوتا تو پڑھنے کی جگہ مقتدی کو ضرور بتائی جاتی اور امام کو ہدایت کی جاتی کہ مقتدیوں کی نماز کی صحت کا خیال کرنا۔ سکتہ طویل کرنا خواہ پہلا سکتہ ہو خواہ دوسرا کیونکہ دونوں فاتحہ خوانی کے لیے ناکافی ہیں۔ امام کو ان کی فاتحہ خوانی کے لیے مزید انتظار کرنا ضروری ہوگا۔ اس میں شارع کا ارشاد ضروری ہے تاکہ کوئی من مانی کارروائی نہ کرے۔ بعض لوگ من مانی کر جاتے ہیں۔ جزء القرأت میں ہے کہ بعض سلف تکبیر کے

کے بعد فوراً قرأت شروع کردیتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ... الخ نہیں پڑھتے تھے اور نہ مقتدیوں کو موقع دیتے تھے۔ اس وقت میرے پاس کتاب نہیں ورنہ عبارت نقل کردیتا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک مقصد کے لیے یہ روایت لائے ہیں۔ جن کا بیان مقصد سے دُوری کا باعث بن جائے گا۔

یہ بعض سلف ان بعض کے بالمقابل ہیں جو خیر الکلام میں بیان کیے ہیں کہ سلف تکبیر کے بعد اتنا توقف کرتے تھے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیویں۔ پھر قرأت شروع کرتے تھے۔ جس کی جواب وہی گزر چکی کہ اس صورت میں مقتدی کی فاتحہ خوانی امام سے متقدم ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ تجویز قابلِ قبول نہیں مفصل تردید اس کی بیان ہو چکی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی جہالت کا مظاہرہ کرے کہ شارع علیہ السلام نے جگہ کی تعیین اس لیے نہیں کی کہ سب جگہ فاتحہ خوانی ہوسکتی ہے۔ کوئی کیسے ہی کرے درست ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ بعض لوگ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں بقول حافظ ابنِ تیمیہ یہ اقلِ قلیل ہیں۔ اور گزر چکا ہے اور عام محدثین کرام حضرات اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کو ناپسندیدہ کہتے ہیں اور قوی دلائل سے اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد بعض حضرات اوّل ثنار اور حمد کے سکتہ میں پڑھنا پسند کرتے ہیں اس کی تردید حضرت حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزر چکی ہے کہ اس میں مقتدی کی فاتحہ امام سے مقدم ہو جاتی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ بعض لوگ آمین کے سکتہ میں بعد از فاتحہ قبل از قرأت فاتحہ خوانی کا کہتے ہیں اور یہ اکثر حضرات شافعیہ ہیں۔ ان پر بھی اعتراضات عنقریب بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اوّل فریق پر اعتراضات ہیں وہ دوسرے پر نہیں اور جو دوسرے فریق پر ہیں وہ تیسرے پر نہیں اور تیسرے فریق پر الگ اعتراضات ہیں

لیکن مصنف خیر الکلام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سب کو اپنا بنالیا ہے کہ ہمارے نزدیک سب جائز اور درست ہیں۔ ساتھ ساتھ۔ آگے۔ پیچھے سب طرح پڑھنا درست ہے۔ جو اوپر گزر چکا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جتنے اعتراضات تینوں فریق پر وارد ہوئے وہ سب ان کی جھولی میں پڑیں گے اور وہ سب کے ذمہ دار بنیں گے۔ یہ وہی بات ہو جائے گی کہ کہا جاتا ہے "بلائے زمانہ بر سر دیوانہ"۔ پاؤں اتنے پھیلانے چاہئیں جتنی چادر میں گنجائش ہو۔ ورنہ چادر پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر یہ فہم غیر مقلدین کی قسمت میں کہاں؟

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است۔

یہ ضمنی طور سے باتیں مناسبِ مقام عرض کی گئی ہیں۔ اصل مقصد دوسرے سکتے میں مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کا تذکرہ تھا کہ حضرت حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند کیا ہے اس میں اشکال یہ تھا کہ سات آیتیں فاتحہ کی آمین کے معمولی سکتے میں کیسے پڑھی جائیں؟ لیکن انھوں نے امام کو مجبور کیا کہ سکتہ لمبا کرے تاکہ مقتدیوں کی اس میں فاتحہ خوانی ہو سکے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سفارشی الفاظ میں امام کو یہی ہدایت کی۔ تذکرہ گزر چکا ہے۔

لیکن ایسی سفارش یا حکم عقیدت مند حضرات ہی سنیں گے۔ ممکن ہے کہ امام صاحب قانونی رنگ کا جواب دیں کہ مجھے تو ولا الضالین کے بعد صرف آمین کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ آپ کی ضرورت پوری کرنا میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ صاحبِ شرع کا آرڈر بتائیے۔ جیسے ریل گاڑی کو سٹیشن پر تین منٹ ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہو اور کوئی مسافر کہے کہ میرا اتنا سامان ہے کچھ مزید وقفہ کریں کہ میں سامان رکھ لوں تو ڈرائیور یہی کہے گا گارڈ سے کہو مجھے تو گاڑی حکم اسی قدر ہے۔ ہاں سرکاری آرڈر بتاؤ تو مزید ٹھہر جاؤں گا۔ اسی لیے میں نے گزشتہ عرض کیا تھا کہ فاتحہ کی گنجائش آمین کی مقدار وقفہ میں یقیناً نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کا انتظام صاحبِ شرع کی جانب سے ہی ہونا چاہیئے۔ جو حیلہ حضرت

حافظ یا حضرت نووی رحمہا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ ناتمام اور ناکافی ہے۔

بلکہ امام صاحب آپ سے یہ بھی پوچھے گا کہ میں اس طویل سکتے میں جو آپ بتاتے ہیں۔ کیا پڑھوں گا ؟ یا یونہی خاموش کھڑا رہوں ! صاحب شرع کی تعلیم کا سوال کھڑے گا اور کہے گا کہ یہ کوئی نادر الوقوع چیز تو نہیں کہ شارع علیہ السلام نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ حضرات شافعیہ نے اس مقام پر ذکر اذکار پڑھنے کا کہا ہے لیکن یہ تو ان کا صدری اور ذاتی نسخہ ہے کوئی کیا کہہ دے گا ؟ کوئی کیا۔ اطمینان کسی کو نہیں آئے گا۔ اس میں صاحب تشریع کی تعلیم پیش کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ سوال بھی حل کرنا ہو گا کہ اس وقفہ میں جب کہ مقتدی فاتحہ پڑھتے ہوں گے لیکن درمیان میں یا اخیر میں جو اشخاص ملیں گے انھوں نے بھی تو فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ ان کے لیے کتنا انتظار امام کو کرنا ہوگا ؟ کیا امام صاحب کھڑے رہیں اور لوگ ملتے جائیں اور فاتحہ پڑھتے جائیں ؛ یہ کیا ہی بے معنی بات بن گئی۔ بلکہ اس جگہ میں حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کرتا ہوں۔ اس میں کئی اور نقائص کا تذکرہ ہے

تفسیر کبیر ص ۱۰۴/۱ سُکُوْتُ الْاِمَامِ لَيْسَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ. فَعَلٰی تَقْدِيْرِ اَنْ لَا يَسْكُتَ يَلْزَمُ تَحْصِيْلُ قِرَاءَةِ الْمَأْمُوْمِ مَعَ قِرَاءَةِ الْاِمَامِ وَذٰلِكَ يُفْضِيْ اِلٰى تَرْكِ الْاِسْتِمَاعِ وَتَرْكِ السُّكُوْتِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الامام وَذٰلِكَ خَلَافُ النَّصِّ مُخْتَصَرًا۔ یہ انھوں نے ابو سلمہ تابعی کے فتوی کی تردید میں بیان فرمایا ہے جو خیر الکلام ص ۲۳۷ میں نقل کیا ہے ابو سلمہ نے کہا کہ امام کے دو سکتے ہیں ان کو غنیمت جانو ایک سکتہ تکبیر کے بعد، دوسرا سکتہ فاتحہ کے بعد ہے۔ کتاب القراءۃ و جزء القرأت امام رازیؒ کی مذکورہ عبارت کا معنیٰ و مراد یہ ہے : کہ اگر امام کا سکوت کرنا خواہ اوّل سکتہ کا ہو یا ثانیہ کا شرعی واجبات میں سے نہیں ہے۔ ہاں صرف سنت کے درجہ میں ہے۔ اسی طرح ان میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ .... الخ یا آمین کا پڑھنا بھی سنت کے درجہ میں ہے۔ اگر سکتہ نہ کیا جائے نہ اس میں کچھ پڑھا جائے

نماز ہو جائے گی اور فریضہ ادا ہو جائے گا ہاں نقص ترک سنت کا ضرور ہوگا۔
پس اگر کسی نے سکوت نہ کیا تکبیر کے بعد فوراً ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پڑھا یا وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد فوراً سورۃ پڑھنی شروع کر دی۔ دونوں صورتوں میں مقتدی اگر قرأت کرے گا تو اس کی قرأت میں امام کی قرأت کا استماع قرآن یقیناً نہیں ہوگا کیونکہ امام کی قرأت کا پوری توجہ سے سننا نہیں پایا گیا اور یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ اسی طرح انصات واجب اور مامور بھی نہ پایا گیا کیونکہ مقتدی نے خاموشی نہیں کی۔ بلکہ امام کی قرأت کے وقت پڑھتا رہا ہے اور یہ دونوں نقص ہیں۔ اس لیے سکتوں میں پڑھنے کا بہانہ بے سود ہو گیا۔ (امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکتوں میں مقتدی کے پڑھنے کی تردید میں دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے)

هٰذَا السُّكُوْتُ لَيْسَ لَهٗ حَدٌّ مَحْدُوْدٌ۔ وَالسَّكْتَةُ بِالْمَامُوْمِيْنَ مُخْتَلِفَةٌ۔ فَرُبَمَا لَا يَتَمَكَّنُ الْمَامُوْمُ مِنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِيْ مِقْدَارِ سُكُوْتِ الْاِمَامِ فَيَلْزَمُ الْمَحْذُوْرُ الْمَذْكُوْرُ۔

نیز امام صاحب کا سکوت جو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کے وقت اوّل سکتہ میں ہوتا ہے اس کی حد متعین نہیں۔ ممکن ہے کہ امام صاحب مقتدی سے پہلے ہی پڑھ لے جب کہ امام تیز رفتار ہو یا مقتدی ڈھیلے مزاج کا ہو۔ امام جب قرأت شروع کر دے گا تو ہو سکتا ہے کہ مقتدی ابھی آدھی فاتحہ بھی نہ پڑھ سکا ہو۔ اس صورت میں مقتدی کی قرأت امام کی قرأت کے زمانہ میں واقع ہو جائے گی۔ پھر وہی خرابی لازم آئے گی کہ امام کی قرأت کا استماع نہیں پایا جائے گا۔ کیونکہ استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں۔ مقتدی کی توجہ تو اپنی قرأت کی طرف مبذول ہو گی۔ اسی طرح انصات واجب بھی فوت ہو جاتا ہے کہ مقتدی عند قراءۃ الامام خاموش نہیں بلکہ پڑھ رہا ہے۔ استماع وانصات کا نقصان

نماز میں نماز کی کراہت کا موجب بنے گا۔ اس لیے قرأت فاتحہ خلف الامام ممنوع ہوگی۔ یہ بات تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کے سکتہ میں ہوگی۔ آمین کا سکتہ تو یقیناً چھوٹا ہے۔ اس میں تو مذکورہ خلل یقینی ہے۔ ہاں مصنف خیر الکلام کہتے ہیں کہ سکتہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس میں فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔ گزشتہ اس کی تردید کر چکی ہے کہ یہ دنیا سے باہر کی باتیں کر رہے ہیں۔ ممکن ہے غیر مقلدوں کو ایسی توفیق مل جاتی ہو، مگر دوسرے اس کی فہم سے قاصر ہیں۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی اس موقع میں فرمائی ہے۔ اس کو بھی زیر خاطر لائیں۔ فرماتے ہیں: وَاَيْضًا فَالْاِمَامُ اِنَّمَا يَبْقٰى سَاكِتًا لِيَتَمَكَّنَ الْمَامُوْمُ مِنْ اِتْمَامِ الْقِرَاءَةِ۔ وَحِيْنَئِذٍ يَنْقَلِبُ الْاِمَامُ مَامُوْمًا وَالْمَامُوْمُ اِمَامًا لِاَنَّ الْاِمَامَ فِيْ هٰذَا السُّكُوْتِ يَصِيْرُ كَالتَّابِعِ لِلْمَامُوْمِ وَذٰلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ۔ یعنی امام ان لوگوں کے قول کے مطابق اس لیے ساکت ہو کہ مقتدی سکوت کے زمانہ میں فاتحہ پڑھ لیں۔ اس طرح کرنے میں امام ماموم بن گیا اور ماموم امام ہوگیا۔ کیونکہ امام اس سکوت میں تابع جیسا بن گیا اور یہ جائز نہیں ہے۔

یہ وجہ دونوں سکتوں میں چلتی ہے۔ البتہ اول میں اس کے علاوہ تقدم علی الامام کی خرابی بھی ہے۔ سکوت کی مقدار کا متعین نہ ہونا بھی نقص پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا کچھ چارہ بتایا ہے لیکن وہ ناکافی ہے کیونکہ شرعی آرڈر بھی نہیں کہ امام ماننے پر مجبور ہو۔ اس کے علاوہ امام کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ مقتدی پڑھ چکے ہیں۔ لوگ ملتے جلتے ہیں۔ فاتحہ کا پڑھنا آگے پیچھے ہو جائے گا۔

یہ سب باتیں ابوسلمہ تابعی کے فتویٰ کی تردید میں حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ:

دو سکتے ہیں ان کو غنیمت سمجھو ایک تکبیر کے بعد اس میں فاتحہ پڑھ لیا کرو اور دوسرا فاتحہ کے بعد جس کو مصنف خیر الکلام نے ص۳۲۸ میں لفنیذ ملوا بنا کر قوم کے

سامنے رکھا ہے کہ کہاں تے جاؤ۔ تابعی کا فتویٰ ہے بلکہ فرمایا کہ عروۃ بن الزبیر اور مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ص۲۳۰۔ مگر اسکے جرائیم آپ نے دیکھے۔ اب جو کھاتا ہے کھا سکتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو ممنوع اور مکروہ بتا رہے ہیں کہ استماع و انصات فوت ہو جاتا ہے۔ یہی جمہور محدثین حضرات بھی سمجھے ہیں۔ امام ترمذیؒ کا فرمان گزر چکا۔ وَاخْتَارَ اَهْلُ الْحَدِيْثِ اَنْ لَّا يَقْرَءَ الرَّجُلُ مَعَ الْاِمَامِ لیکن فاضل جماعت اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ ساتھ ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ کیا امام رازیؒ حنفی ہیں؟ کہ آپ کی ضد میں انہوں نے یہ باتیں فرمائی ہیں۔ اور کیا وہ شور و غل کرنے کو منع کرتے ہیں؟ یا جہر کرنے کی ممانعت کر رہے ہیں؟ نہیں وہ تو نفس قراءۃ فاتحہ کا استماع اور انصات میں مُخل ہونا فرما رہے ہیں یہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں دیکھا اور پایا گیا ہے۔ هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ آنِفًا وَغَيْرَ ذٰلِكَ۔

رہا مصنف خیر الکلام کا سکتوں میں پڑھنے کو بہتر کہنا تو اس کا حال بھی آپ کے سامنے آچکا ہے۔ شیشہ نکال کر مُنہ کو دیکھ لیں کہ شاید منہ پر داغ نہ آ گئے ہوں قوم نے بھی راہنما کا حال دیکھ لیا کہ مبیعہ کے عیوب پر کیسے پردہ ڈالتے گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر عیوب کا تذکرہ کرتا ہوں تو کوئی نہ خریدے گا۔ ہاں اپنے دوست احباب چشم پوشی کر کے اپنا لیتے ہیں۔

بعض اوقات لڑکی حسین و جمیل نہیں ہوتی جب بھی رشتہ داری کا لحاظ کر کے رشتہ کر لیتے ہیں۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں لیکن دینی مسائل میں ایسا کرنا محمود نہیں ہوتا یہاں تو: دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ فرمایا گیا ہے۔

ہاں غیر مقلدی اسی کا نام ہے کہ کسی کی نہ مانی جائے اور من مانی کی جائے۔ آپ امام رازیؒ کی باتوں کو ٹھکرا سکتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی باتوں کا انکار بھی کر سکتے ہیں کہ اقوال لکھتے ہیں تقدم علی الامام ہے اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک

جائز ہے۔ لیکن ہم تو دُنیا میں رہ کر باتیں کرتے ہیں۔ آپ دُنیا کے نظام کی پابندی نہیں کرتے تو مرضی آپ کی۔

فائدہ غور فرمائیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْکَاتُکَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَۃِ مَا تَقُوْلُ۔ (بخاری ج۱) یعنی آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان چپ ہو جاتے ہیں آپ اس میں کیا پڑھا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ دُعا پڑھا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ ..... الخ۔ آپؐ سے اس طرح کا یہ سوال کیوں نہ کیا کہ آپ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اور سورۃ پڑھنے کے درمیان جو چپ ہو جاتے ہیں اس میں کیا پڑھا کرتے ہیں؟ وجہ فرق کی کیا ہے۔ اوّل سکتہ کے متعلق سوال کیا اور دوسرے کا نہیں کیا اس سوال کا جواب ہماری نظر میں تو یہ ہے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد آمین کا پڑھنا تو سب جانتے ہی ہیں اگرچہ یہ قرآن میں لکھا ہوا نہیں۔ لیکن لازماً ہر شخص اسے پڑھتا ہے اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد وقفہ سکوت کا محض معمولی ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی سمجھتے تھے کہ یہ سکوت آمین کے پڑھنے کے لیے کیا گیا ہے چونکہ یہ قرآن میں سے نہیں ہے۔ اس لیے اس کو سابق اور لاحق کے طرح اونچا نہ پڑھتے تھے۔ جیسے تکبیر اور قرأت کے درمیان اول سکتہ کرتے تھے۔ یہاں بھی کیا لیکن وقفہ سکوت اوّل میں لمبا ہوتا ہے اور اس میں معمولی انداز کا۔ اس لیے پوچھنے کی نوبت نہیں آئی۔

یہ بھی اگر اوّل کی طرح لمبا سکوت ہوتا تو دریافت کرتے اِسْکَاتُکَ بَیْنَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وَبَیْنَ السُّوْرَۃِ مَا تَقُوْلُ۔ اس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ حضراتِ شافعیہ کا یہ کہنا کہ امام کو چاہیئے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد طویل سکتہ کرے کہ مقتدی لوگ اس وقفہ میں فاتحہ پڑھ لیویں۔ یہ ان کی محض مذہبی عمارت بنانے کی مجبوری کی توجیہ ہے اس کا ثبوت تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے پایا جاتا ہے نہ یہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوا۔ پچھلے لوگ آئے تو انہوں نے ان سکتوں کو فاتحہ کا محل بنا دیا۔ یہ محل کی تعیین چونکہ اجتہادی چیز تھی اسی لیے اس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے اس کا محل متعین کیا اور آپس میں ملتے نہیں اور کیسے ملیں۔ کس نگوید کہ دوغ من ترش است والی بات بن گئی۔

جب معاملہ کی حقیقت آپ کے سامنے آگئی تو آپ اندازہ کر لیں کہ یہ حضرات کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا راستہ ہی سچا ہے۔ اسی کو اختیار کرو جیسے غیر مقلدین کے راہنماؤں کا طرزِ عمل ہے۔ گھر کا اتفاق نہیں دوسروں کو کیسے دعوت دے سکتے ہیں؟ اس لیے ان کے چیلنج میں اگر فساد کی ہوا پھیلانا نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کو اپنے گھر کی تعمیر ثانی کرنے کا حق تو ہے مگر دوسروں سے بلا وجہ الجھاؤ کا کیا مطلب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ مقتدی کے بارہ میں ہے ہی نہیں۔ اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کی استثناء بیان فرما گئے اور حضرت سفیان بن عیینہؒ راوی حدیث ہٰذا اِذَا صَلّٰی وَحْدَہٗ فرما گئے۔ ابوداؤد کو دیکھ لیجئے۔

ہمیں تو جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ قرأت خلف الامام کا دروازہ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بند کر دیا ہے معمولی غور اور فکر سے آپ سمجھ سکتے ہیں ضد بُری بلا ہے۔ دل و دماغ پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ خالی الذہن ہو کر سوچیں تو سمجھ جائیں گے۔ مقتدی اگر ساتھ ساتھ پڑھنا چاہیئے تو اس کے بارہ میں آپؐ کی ممانعت هَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ اٰنِفًا ناراضگی کے لہجے سے کافی دلیل ہے بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ان کی قرأت سے مجھے خلجان ہوا ہے باقی فریق ثانی کا یہ بہانہ کہ انکار اونچے پڑھنے پر کیا ہے یہ محض غلط بیانی اور خلاف واقعی کی بات ہے۔ اونچا پڑھا ہوتا تو هَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ سے سوال ہی کیوں کرتے؟ اور اگر اقل سکتہ میں یہ پڑھنا چاہے تو اس کی رکاوٹ متعدد زبانوں میں فرمادی ہے۔ لَا تُبَادِرُوْنِیْ۔ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ۔ اِنَّمَا

خلف الامام لیؤتم به ای لیتبع جیسے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی بیضاوی سے نقل کیا ہے، گزشتہ بیان مفصل گزر چکا ہے۔ بعض حنفیوں نے بے شک قول سکتہ میں پڑھنے کا معمول بتایا لیکن امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کی کافی تردید گزر چکی ہے۔ کسی نے اجتہادی جگہ تجویز کی ہے لیکن دوسرے اہل تحقیق نے اس کی شدید مخالفت کی۔ بیان گزر چکا ہے۔ اسی طرح قول تجویز بھی سخت کمزور ہے۔ امام ترمذی سے نقل گزر چکی، محدثین حضرات نے اس کو چھوڑ رکھا ہے حافظ ابن تیمیہ نے اس کو اقل قلیل لوگوں کا قول فرمایا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ایسے راستے سے بچنے کی کوشش کرے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة۔ رواہ احمد مشکوٰۃ شریف۔
یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ ہی رہا کرو۔

ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی جماعت کی نشاندہی ان لفظوں میں کی ہے واختار اہل الحدیث ان لایقرء الرجل مع الامام۔ حضرات غیر مقلدین کو بھی چاہیے افسوس تو جماعت اہل حدیث کے منہ پر ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ احناف کے سب جائز ہیں۔ یہ کئی جگہ خیر الکلام کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ انہوں نے عوام کو غلط راستہ پر ڈال رکھا ہے معیت سے پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں اور قول سکتہ میں پڑھنے کو بھی خیر الکلام میں اور اسی کو سلف کا مختار راستہ بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ یہ صریح حدیث کے مخالف ہے لیکن یہ اسی کی تلقین کرتے جاتے ہیں۔ کوئی حنفی اس کو رد کرتے تو جب بھی ان کو موقع ملتا ہے حنفی ضد کرتے ہیں یہ نہیں بلکہ ان کے فاتحہ خوانی کرنے والے محقق حضرات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے روکتے ہیں اور اس کو خطرناک بتاتے ہیں لیکن یہ ضد میں کسی کی نہیں مانتے اور نہ سنتے ہیں۔ یہ رونا کئی جگہ رویا گیا ہے۔ کاش کہ خدا کے بندے اس میں فکر کریں اور سمجھ سے کام لیں۔

تیسرا راستہ آمین کے سکتہ میں پڑھنے کا ہے

اس کو اگرچہ بڑے بڑے حضرات شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے امام کی تابعداری میں اپنایا ہے بقول بعض شوافع حضرات کے امام شافعیؒ ساری زندگی جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے اور ساری عمر کی نمازیں خود نے اسی طرح ادا کیں لیکن آخر میں اجتہاد یعنی ذہن بدل گیا اور اس کو مجموعہ وغیرہ تو ضعف ... جہری نمازوں میں بھی ضروری فرما گئے۔ ان کے عقیدت مند حضرات محدثین نے یہی راہ لے لی۔

فاتحہ خوانی کا محل امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دو راستہ آمین والا پسند کیا لیکن اس میں دیکھا کہ زمانہ فاتحہ کی قرأت کا بہت کم ہے تو راستے یہ یا اس بجوائی کہ امام کو مجبور کیا جائے اور حکم دیا جائے کہ وہ اتنی مقدار ساکت رہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں۔ پھر سورۃ کا پڑھنا شروع کرے جس کو ختم سورۃ کہا جاتا ہے لیکن یہ تجویز قبل تو تو ٹھیک ہے کہ پہلے سے شریک ہونے والے لوگ تو اس میں فاتحہ خوانی کر لیتے ہیں لیکن جو کے آنے والے جو سورۃ پڑھنے کے وقت شریک جماعت ہوئے۔ وہ اگر پڑھیں تو امام کی قرأت کے زمانہ میں پڑھیں گے۔ حالانکہ اس سے بچنے کے لیے تو سکتہ کی تجویز ہوا۔ یا امام صاحب آخر میں قرأت ختم ہونے کے بعد پھر سکتہ کرے تاکہ یہ پچھلے بھی فاتحہ پڑھ لیں۔ خاص کر فجر کی نماز میں تو قرأت لمبی ہوتی ہے۔ کافی تعداد میں لوگ شریک ہو جاتے ہیں۔ ان کی نماز کی تصحیح کا علاج بھی ضروری ہے اور وہ آخر میں سکتہ کرنا ہی بنتا ہے۔

اس صورت میں امام کو آخر میں سکتہ کرنے کا حکم دینا ہوگا۔ حالانکہ یہ حضرت اس کی ہدایت سے ساکت ہیں اور اس سے تو بہتر یہ ہوگا کہ آمین والے سکتہ میں پڑھنے کا حکم نہ دیتے صرف آخر میں امام کو ٹھہرنے کا فرماتے تاکہ امام بار بار نہ انتظار کرتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیان کردہ علاج ناکافی رہا اور نا تمام ہوگیا۔

بعض لوگ یہ بات بتاتے ہیں کہ نہیں انکی نماز بلا فاتحہ پڑھے ہو جائے گی۔ یہ مستثنیٰ ہیں۔ بعض کہہ دیتے ہیں کہ انھوں نے جب رکوع کو پا لیا تو مدرک رکوع کے ضابطہ میں آ گئے۔

مصنف خیر الکلام نے تو ان کے نام لیے تاکہ نسخہ چالو ہو جائے۔ لیکن ایسی باتیں محض عقیدت مندی سے نہیں مانی جاتیں۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ کوئی نادر الوقوع تو نہیں ہے۔ روزمرہ کا مسئلہ ہے اس میں بعضوں کے لیے کوئی بات ہو اور دوسروں کے لیے کچھ اور بات، تو تو یہ دورنگی مستحسن نہیں ہے۔ اس میں فریق ثانی بعد از فاتحہ شریک ہونے والے کہیں گے کہ ایسا سلوک کیوں کیا گیا؟ اوّل سے فاتحہ میں شریک ہونے والوں کے لیے امام صاحب کو ٹھہرنے کا حکم دیا گیا یا سفارش کی گئی کہ انکے فاتحہ پڑھنے کا انتظار کرو اور درمیان میں ملنے والوں کے لیے امام کے پڑھنے پر ہی اکتفا کرنے کا قانون بنا دیا گیا۔ ممکن ہے کہ ان میں بعض چودھری صاحبان ہوں۔ یہ لوگ مدرک رکعت صرف رکوع میں شمولیت سے ہی بن گئے ہیں۔ تو اوّل سے ملنے والے بھی ایسے کیوں نہیں کیے گئے۔ ان کو مستقل فاتحہ پڑھنے کا کیوں کہہ گیا؟ یہ دورنگی بات کیوں کی گئی؟ ایسی تفریق اگر صاحب شرع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بتائیں تو تسلیم کرتے ہیں ورنہ ہم تو اس کو بے انصافی کا برتاؤ کہیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ابتداء سے شامل ہوتے ہوں گے کوئی بعد کو ملتے ہوں گے۔ کیا ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا ہے؟

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ مقتدیوں کو آپ کے قول کے مطابق حکم کیا گیا ہے کہ وہ بھی فاتحہ پڑھیں اس کے سوا ان کی نماز نہیں ہوتی۔ فاتحہ پڑھنے میں کافی وقت کی ضرورت ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتنی دیر ان کے فاتحہ خوانی کے لیے ٹھہرنا ثابت نہیں۔ امام کے ٹھہرنے کا حکم تو پچھلوں نے گھڑا ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ سے سوال کیوں نہیں کیا کہ حضرت ہم فاتحہ آپ کے پیچھے کس وقت پڑھا کریں؟ آپ

کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرتے تھے۔ یا پہلے سکتے میں پڑھ لیا کریں یا دوسرے میں؟
اس پڑھنے سے علاوہ ابتداءً فاتحہ خوانی کا عمل کرتے ہی نہ تھے۔ کرتے تو اشکال پیدا
ہو، پوچھنے کی نوبت آتی۔ عام طور سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی دستور
تھا۔ ہاں بعض حضرات جیسے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
جہری نمازوں میں بھی پڑھنے کو اپنا معمول بنا لیا اور ساتھ ہی پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ان
کا محض ذہنی و اجتہادی نظریہ تھا وہ اپنے اجتہاد میں معذور تو ہو سکتے ہیں مگر قرآن کریم
صحیح احادیث اور جمہور امت کے تعامل کے خلاف ان کا یہ عمل قابلِ تقلید نہیں ہے۔

الحاصل: اگر فاتحہ کا پڑھنا جہری نمازوں میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کا معمول ہوتا اور شرعی حیثیت ہوتی تو اس کے پڑھنے کی جگہ بطور ضابطہ کے متعین
کی جاتی۔ جیسا امام کے سننے کی جگہ متعین ہے تو جگہ پڑھنے کی متعین کی جاتی۔ جب سے آپ
نے خود سب بتا دیا امام بنا دیا جس کو امام سنتا کہا جاتا ہے کبھی یہاں پڑھ لیتے
ہو اور کبھی وہاں پڑھ لیتے ہو۔ ایک فریضہ کی ادائیگی میں ایسی بے ضابطگی مناسب
نہیں جچتی۔ جہاں ممکن ہے پڑھ لو یہ بھی نہیں کیونکہ سکتے کا حکم بیان ہو چکا ہے کہ
بعض وسعت و سہولت کے لیے اور بعض تو خود کہ لیے۔ ترمذی کو دیکھ لیں۔

تنبیہ: حضرت عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پڑھنا یعنی امام کے پیچھے جہری نماز
میں فاتحہ خوانی فرمانا یہ ان کا اجتہادی نظریہ تھا۔ اسی طرح مع الامام پڑھنا بھی ذہنی
تجویز تھی۔ یہی نہ پوچھئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے محلِ قرأت
کی تعیین مروی نہیں ہے اس لیے اختلاف پیدا ہو گیا۔ کوئی مع الامام پڑھا کرتے
ہیں وہ یہ تاویل کرتے ہیں۔ کوئی قبل از قرأتِ امام اور کوئی بعد از قرأت فاتحہ
کرتے ہیں۔ ترمذی شریف میں بعد تمام القرأت بھی سکتہ مروی ہے لیکن اس میں
فاتحہ خوانی کا قول مشہور نہیں اور وجہ یہی ہے کہ یہ بہت ہی خفیف وقفہ ہے حتّٰی
یتردّ الیہ نفسہ آیا ہے۔ یعنی قرأت کے بعد ذرا سا اتنا وقفہ کرتے
تھے کہ سانس برقرار ہو جائے۔

اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پڑھنا اس لیے اجتہادی کہا گیا کہ انھوں نے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو مقتدی کے لیے بھی ضابطہ بنالیا۔ لیکن کثیر التعداد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے خلاف تھے۔ جیسے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزرا ہے۔ بلکہ ابوداؤد شریف کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ص۲۰ مطبوعہ آرام باغ کراچی : ھَلْ تَقْرَءُوْنَ اِذَا جَھَرْتُ فَقَالَ بَعْضُنَا اِنَّا نَصْنَعُ ذٰلِکَ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم پڑھا کرتے ہو جب کہ میں جہر سے قرأت کرتا ہوں؟ تو لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ہم میں سے بعض لوگ پڑھا کرتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا ہاں اکثر لوگ پڑھا کرتے ہیں اور آدھے بھی نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ قلیل ہی پڑھنے والے تھے۔ اکثر قرأت نہ کرنے والے ہیں جنھوں نے آپ کے پیچھے کچھ بھی نہیں پڑھا۔

اب بقول فریق ثانی ان اکثر لوگوں کی نمازیں نہیں ہوئیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو معمولی سی تنبیہ بھی نہیں کی۔ کیا ایسی غلط کاری پر خاموشی حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے قومہ، جلسہ، رکوع، سجود میں معمولی تیزی کی تھی اس کو اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فرمایا۔ دو تین دفعہ اس کو نماز لوٹانے کا ارشاد فرمایا اور یہاں اکثر لوگوں کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ اور باطل ہوئی۔ لیکن ان کو نہ تو لوٹانے کا فرمایا اور نہ ہی کچھ اصلاحی تعلیم دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی نمازیں بالکل صحیح ہوئی ہیں اس کو تقریری حکم کہا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا اور سنا اور انکار نہیں فرمایا۔ ہاں جنھوں نے کچھ پڑھا تھا ان کو ان الفاظ سے ڈانٹا قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِیْ یُنَازِعُنِی الْقُرْاٰنُ۔ یعنی میں دل میں کہتا تھا کہ قرآن کے پڑھنے میں میرے ساتھ کیوں نزاع ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا پڑھنا ہی موجب نزاع و خلجان بناء بر منازعت قرأت سے ہوئی ہے۔ یہاں یہ کہنا نہایت ہی بے انصافی ہے کہ انھوں نے اونچا پڑھا تھا اور اس سے منازعت ہوئی تھی اگر ایسا تھا تو پوچھتے کیوں؟ ھَلْ تَقْرَءُوْنَ نفس قرأت کا ہی سوال کیا ہے۔ اس

کی تقریر پہلے بھی گزر چکی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن بعض حضرات نے اس موقعہ میں پڑھا وہ محض اپنے ذہنی نظریہ سے پڑھا۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ کو مقتدی کے بارہ میں بھی لے لیا۔ چونکہ یہ خلاف مراد شارع ہے اس کے پڑھنے سے قلب مبارک پر گرانی محسوس ہوئی اور ھَلْ تَقْرَءُوْنَ سے سوال کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی استثناء اس حدیث میں صحیح نہیں۔ انھوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہاں فلاں سورت پڑھی تھی کہ اس کے جواب میں آپ اصلاح فرماتے کہ ایسا نہ کیا کرو صرف فاتحہ ہی پڑھا کرو انھوں نے تو نفس قرأت کرنے کا کہا تھا اور یہی موجب خلجان بھی بنا پھر اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کیسے آسکتا ہے؟

اگر اونچی پڑھا تھا اور اس پر انکار کیا گیا تو اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا معنی یہ ہوگا کہ اس کو اونچا بھی پڑھ سکتے ہو۔ جیسے کہا جائے لَا تَجْهَرُوْا اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ ابو داؤد شریف کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے بعض لوگوں نے پڑھا تھا اور اکثر نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ آپ نے نہ پڑھنے والوں کو نہیں فرمایا کہ تمھاری نمازیں نہیں ہوئیں کہ تم نے فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھی۔ کاش یہ سبق اہلِ حدیث جماعت کے علماء بھی سیکھ کر اس پر عمل کرتے تو روزمرہ کے جھگڑے نہ ہوتے۔ لیکن انھوں نے اپنی جماعت بنائی ہے انھوں نے اسی لیے اختلافات کی گرم بازاری سے نئی تشکیل کو کارِ خیر سمجھ رکھا ہے۔

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنھوں نے آپ کے پیچھے فاتحہ خوانی نہیں کی کیا ان کو لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی روایت معلوم نہیں تھی؟ یقیناً معلوم تھی مگر اس کا محل مقتدی کو نہیں سمجھتے تھے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَآءَ الْاِمَامِ

فرما رہے ہیں۔ دیکھئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یاد نہیں کرایا کہ تم نے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ نہیں سنا۔ آپ کے نزدیک مَنْ تو عام ہے اور عام قطعی ہوتا ہے مقتدی بھی اس کے عموم میں آتا ہے۔ اس قاعدہ کے موافق آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تم نے کیوں فاتحہ نہیں پڑھی؟ آپ لوگ حنفیہ کے مقابل ان باتوں پر زور لگاتے ہیں۔ دنگل اور اکھاڑے بناتے ہیں۔ کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نمازوں کے متعلق بھی یہی گفت و شنید ہوگی؟ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور جو بات فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے معلوم ہو رہی تھی یہاں وہی کچھ نظر آ رہا ہے کہ وہ باز آ گئے۔

فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی پانچویں انوکھی تجویز

مصنف خیر الکلام نے ص۲۵۶ میں سکتات میں پڑھنے کی بحث لکھی ہے۔ لکھتے ہیں ہمارے ہاں سکتات میں پڑھنا بہتر ہے اگر امام سکتات میں پڑھنے کا موقعہ دے تو فبہا۔ اگر موقع نہ دے تو امام کے ساتھ ساتھ آہستہ پڑھے۔

غور فرمائیں ان سکتات سے اگر وہی دو سکتے مراد ہیں جو ص۲۹۵ میں لکھے ہیں کہ ابو سلمہ نے کہا ہے امام کے دو سکتے ہیں ان کو غنیمت سمجھو۔ ایک تکبیر کے بعد دوسرا فاتحہ کے بعد۔ کتاب مقروءۃ تو ان کا تذکرہ اور تردید گزر چکی ہے کہ یہ آپ کی فاتحہ خوانی کے لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں بتائے اور سمجھائے۔ ان کا مقصد اور ہی بتایا ہے کہ اول میں سبحانک اللھم یا اور کوئی دعا پڑھی جائے اور دوسرے میں آمین پڑھی جائے۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی گزر چکا ہے کہ یہ دونوں سنت کے درجہ کے سکتے ہیں۔ یہ مفروضہ فاتحہ کا ہرگز محل نہیں بن سکتے کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر فرض ہے تو مقتدی کو اتنی فرصت دینا اور اتنی جگہ دینا بھی فرض ہوگا کہ وہ فاتحہ کو اس میں پڑھ سکے مسنون مقدار کی جگہ ناکافی ہے۔ اسی لیے تو امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ

امام سے سفارش کرتے ہیں کہ اتنا ٹھہرنا چاہیئے کہ مقتدی پڑھ لیں اور حضرت حافظ ابن جر رحمہ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ ضرور ٹھہرو۔ ورنہ مقتدی گناہگار بنے گا کہ وہ قرأت کے زمانہ میں پڑھے گا۔ لیکن ایسا حکم واجب الاطاعت تو صاحبِ شرع کا ہی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی خرابیاں اس میں پائی جاتی ہیں تفصیل گزر چکی ہے سکتہ اُولیٰ میں تقدم علی الامام کا نقص بھی لازم آتا ہے۔ جو منہی ہو چکا ہے۔

اگر مصنف خیر الکلام کی مراد فاتحہ کے اندر کے سکتات ہیں کہ انھوں نے ہر آیت پر وقف کرنے کو سکتہ سے تعبیر کیا ہے کہ مقتدی ہر آیت کے بعد جب امام وقف کرے گا وہ اُس کے بعد آیت پڑھا کرے پھر اس کے بعد امام دوسری آیت پڑھے تو یہ صورت بھی کئی وجوہ سے درست نہیں بنتی۔ ان کا کلام یہ ہے۔ ص۳۹۶: اگر کسی نے یہ کہا کہ صرف سکتات میں پڑھے تو ان لوگوں نے اپنے زمانہ کے دستور کو دیکھ کر کہا کیونکہ اس وقت نماز کے امام سنت کے مطابق ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔ بظاہر مراد یہ ہے کہ ہر آیت پر جب وہ وقف کرتے تھے تو سکتہ پایا گیا۔ ہر آیت کے بعد وقف کے سکتے میں مقتدی امام کی پڑھی ہوئی آیت پڑھ سکتا ہے۔ اس طرح فاتحہ کا سکتات میں پڑھنا ہو گیا۔ اسی کو کسی نے کہا کہ صرف سکتات میں پڑھے۔ (سبحان اللہ یہ سکتات کی انوکھی تصویر ہے)۔

کیوں جناب! ہر آیت پر وقف کرنے کو آپ سکتہ کہتے ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ کی سات آیات پر وقف کرنا سات سکتے نہ بن جائیں گے؟ اور حدیث میں تو دو ہی سکتے مروی ہیں۔ حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکتتین مروی ہے۔ (ترمذی ص۳۴ محصلہ)

اس طرح سات آیتیں امام نے پڑھیں اور سکتہ میں وہی سات مقتدی نے بھی پڑھیں۔ تو ایک رکعت میں ۱۴ آیات کا زمانہ صرف فاتحہ میں گزر جائے گا۔ جب کہ حدیث میں امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے نہ کہ تطویل کا۔

اب سوچیئے کہ جو لوگ فاتحہ کے بعد امام سے ملتے ہیں۔ امام ان کے

فاتحہ کی رعایت بھی کرے گا۔ اس کا آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ اور صاف طور پر یہ بتائیں کہ امام ہر آیت کے بعد ٹھہرے گا یا آخر میں؟ بلکہ یہ بھی بتانا ہوگا کہ فاتحہ پڑھتے ہوئے امام سے جو ملتے ہیں کوئی نصف میں کوئی آخر میں ان کی فاتحہ خوانی کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے تو صرف ساتھ ابتداء سے شریک ہونے والوں کے لیے تدبیر کر دی اور خاموش ہو گئے۔ پھر پڑھنے والے بعض ڈھیلے ہوتے ہیں۔ امام کو کیسے معلوم ہوگا کہ مقتدی پڑھ چکے ہیں تاکہ وہ اس کے بعد والی آیت پڑھنی شروع کرے اگر مقتدیوں سے فاتحہ پڑھوانا ہے تو سب کا لحاظ رکھا جائے۔

اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ والی بات بھی زیر غور لائیں کہ یہ وقف کرنا جس کو آپ سکتہ بتا رہے ہیں فرض واجب تو ہے نہیں۔ اگر امام نے دو تین آیتیں پڑھ لیں تو مقتدی کے پڑھنے کے لیے پھر اتنا ٹھہرنا ہوگا یا کیا کرے گا؟

اس کے علاوہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وقف کرتے تھے تو یہ سکتے ہو گئے سکتے میں پڑھنا ہوا۔ وجہ غلطی کی واضح ہے کہ لوگ کہتے ہیں سکتہ طویل کیا اور خفیف کیا۔ آمین کا سکتہ خفیف سکتہ ہے اس میں فاتحہ کیسے پڑھی جائے گی۔ لیکن کبھی وقف کرنے کو بھی طویل او خفیف سے یاد کرتے ہیں۔ وقف تو وصل کی ضد ہے۔ لہٰذا ان وقفوں میں آیت پڑھنا کیسے معقول ہوا؟ ہاں آپ کا وہ قول کہ سکتہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس میں فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ صرف یہ کہیں گے کہ کر کے بتائیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ خفیف سکتہ میں آپ سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں کیسے پڑھتے ہیں؟ دعویٰ بلا دلیل کون سنتا ہے آپ نے صـ۲۱۲ پر لکھا ہے کہ سکتات میں فاتحہ کا پڑھنا ممکن ہے خواہ سکتہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ (سبحان اللہ)۔ جناب امکان عقلی تو ضرور ہے مگر ہمارا کلام واقعہ نفس الامری میں ہے۔

اس کے علاوہ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ امام کو کیوں مجبور کرتے ہیں کہ آمین کے سکتہ میں ضرور اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ

ہیں۔ صرف آمین کہنے کے زمانہ میں سات آیتیں کیسے پڑھی جا سکتی ہیں اور آپ تو اس سے بھی کم آیت کے خاتمہ پر صرف وقف کرنے کے زمانہ میں پوری آیت کے پڑھ لینے کا دعویٰ کرتے ہیں جو ابھی گزرا۔

اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ آپ امام کو حکم دیں کہ ہر آیت کے وقف کے بعد اتنا ٹھہرو کہ مقتدی صاحبان بھی وہ آیت دُہرا لیا کریں۔ مگر وہ تو کہے گا کہ اس کا ثبوت صاحب شرع سے ثابت کرو جب میں پابندی کروں گا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ورنہ آپ کا عمل بدعت بن جائے گا اور آپ کی یہ تجویز بے کار ہو جائے گی۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ تجویز ہے جو مصنف خیر الکلام نے ص۲۹۷ پر لکھی ہے جس کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ امام جب سورۃ فاتحہ کی کوئی آیت پڑھے تو جب آخری حرف کی مد کو پڑھنے لگے اس وقت مقتدی آیت کی ابتداء کرے۔ امام کے آیت کو ختم کرنے سے پہلے اس کو ختم کر سکتا ہے۔ (مختصراً)

پھر فرماتے ہیں اس صورت میں نہ کامل استماع میں خلل ہوتا ہے نہ انصات کے کامل فرد میں.... الخ (سبحان اللہ)۔

اتنی لمبی مد کھینچنا کہ اس میں پوری آیتیں پڑھی جائیں پھر تو سنت طریقہ یہی ہوگا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کیا ہوگا اور اتنی لمبی مد کھینچنے اور تکلیف اٹھانے کی وجہ بھی ارشاد فرمائی ہوگی کہ یہ میں اس لیے کرتا ہوں تاکہ تم لوگ اس درمیان فاتحہ کی پڑھی ہوئی آیت پڑھ لو۔ کیونکہ فاتحہ کے بدون نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسا کرنا پڑ گیا۔ اور مساجد کے اماموں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کسی صحیح اور صریح حدیث سے ثبوت درکار ہے کہ ایسی مدات کا وجود کہاں ہے؟ یہ میں نے تمتہ اس لیے لگا دیا کہ اس کے سوا یہ تجویز کار آمد نہیں بنتی۔ لوگ کہیں گے کہ یہ تجویز تو کسی نے آج تک بیان نہیں کی۔ نہ اُمت میں اس پر عمل پایا جاتا ہے اور نہ پایا گیا۔ اس میں تو بدعت ہونے کی بُو پائی جاتی ہے۔ بلکہ نری بدعت ہے۔ بدعت سی

کو تو کہتے ہیں کہ دین کی چیز ہو اور اس پر نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمل کیا گیا ہو اور نہ خلفاء راشدین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں۔ دیکھئے عیدین کی نماز کے لیے اذان و اقامت نہیں کہی جاتی کیونکہ زمانہ نبوت میں عید کی نمازیں اس سے خالی پڑھی جاتی تھیں۔ نہ اذان دی گئی نہ اقامت کہی گئی۔ کیا آپ کا یہ سبق عہد نبوت میں یا زمانہ خلافت راشدہؓ میں پایا گیا ہے؟ اگر نہیں تو یہ زہر آلودہ لقمہ ہے جو قوم کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس کی کوئی توجیہ ہے تو بیان کریں تاکہ قوم آسانی سے اس پر عمل کرے ورنہ دونوں باتیں بدعت بن جاتی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ الغرض فاتحہ کی آیات کے درمیان اتنا وقفہ کرنا کہ مقتدی درمیان میں آیت پڑھ لیں اور آیت کے آخر میں مد کو اتنا کھینچنا کہ مقتدی اس مد کے زمانہ میں آیت پڑھ لیں۔ اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔

آپ نے مقتدی پر فاتحہ کا فرض ہونا عقیدہ مسلمہ بنا رکھا ہے اور اس کی جگہ بتا رہے ہیں کہ یہ بھی جگہ ہو سکتی ہے اور یہ بھی بن سکتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے: ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ۔ یعنی پہلے مکان کے بنانے کا کام پورا کرو پھر نقش و نگار کی فکر کرنا۔ جگہ پڑھنے کی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول یا فعل سے یا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے پیش کرنی ہوگی۔ یہ کہنا کچھ کام نہیں دیتا کہ بعض سلف ایسے کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ سکتوں کو غنیمت سمجھو مکحولؒ شام کا مفتی تھا اس نے یہ فرمایا۔ (خیر الکلام ص۳۳۸، ص۳۳۹)۔ آپ سے پہلے عرض کر دیا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اجتہادی محل میں ایک کا قول یا فعل دوسرے پر حجت نہیں بنتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیر الکلام ص۳۳۸، ص۳۳۹ میں جو جلی عنوان سے حضرت مکحولؒ کا فتویٰ لکھ کر ان کے فتوی کے منوانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بالکل بے سود اور خلاف قاعدہ ہے۔ فرمایا شام کا مفتی نام تھا۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں: عالم چار ہیں جن میں سے شام میں مکحول کا ذکر کیا۔ ان کا فتویٰ یہ ہے:

"جب امام جہری نماز میں فاتحہ سے فارغ ہو کر سکوت کرے تو فاتحہ پڑھو۔ اگر سکوت نہ کرے تو فاتحہ امام سے پہلے یا بعد یا اس کے ساتھ پڑھو کسی حال میں نہ چھوڑو " یہ ان کا فتویٰ ابوداؤد ص۱۲۳ آرام باغ کراچی میں مذکور ہے۔

الجواب اوّلاً تو اس فتویٰ کی نسبت جزی طور پر حضرت مکحولؒ کی طرف کرنا ہی زیر بحث ہے کیونکہ اس کے راوی ولید بن مسلم ہیں اور وہ مدلس ہیں۔ مدلس روایت میں کبھی ضعیف راوی کو گرا کر اوپر ثقہ سے عَنْ سے روایت نقل کر دیتا ہے۔ ابوداؤد میں ولید عن سعید بن عبد العزیز و عبد اللہ بن العلاء عن مکحول عن عبادۃ .... الخ مروی ہے تینوں جگہ عن سے روایت ہے۔ مدلس کی روایت عَنْ والی صحیحین کے علاوہ مشکوک ہی رہتی ہے۔ یہی بات گزشتہ محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود کی روایت میں گزر چکی ہے مصنف خیر الکلام نے ص۲۳۹ میں اس کی توجیہ کی ہے لیکن وہ ناکافی ہے فرمایا: اس کی سند میں ولید ہے جو کثیر التدلیس ہے مگر اس میں سماع کا ذکر موجود ہے۔ وہ کہتا ہے حَدَّثَنِيْ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ سَعِيْدُ بْنِ عَبْدُ الْعَزِيْزِ كتاب القرأت ص۴۴۔ لیکن مقولہ ہے۔ كَمْ حَسَرَاتٍ فِيْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ۔ یعنی کتنی ہی حسرتیں ایسی ہوتی ہیں کہ قبرستان پہنچنے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہاں بھی شاید یہی نظر آتا ہے۔

گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ مدلس کبھی اپنے شیخ سے اوپر بھی تدلیس کا ارتکاب کر جاتا ہے۔ جیسے مقدمہ ترمذی حضرت سید السند رحمہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں مذکور ہے اور نقل بھی گزر چکی ہے اسی طرح کی حیلہ سازی محمد بن اسحٰق حدثنی مکحول کی روایت میں بھی کی گئی ہے جس کی تردید گزر چکی ہے عبد العزیز سے اوپر عَنْ مَكْحُوْل عَنْ عِبَادَةؓ سے کام جب بنتا کہ حدثنی مکحول حدثنی عبادۃؓ ہوتا۔ لہٰذا ان کا ص۲۳۹ میں کہنا لیس ولید

کی تدلیس کوئی مضر نہیں غلط ہے۔ اس کے علاوہ فتویٰ میں وہ امام کے فاتحہ پڑھنے سے پہلے پڑھنے کی فرمائش کرتے ہیں اور یہ صریح و صحیح حدیث کے مخالف ہے جو مردود ہے۔ اسی طرح ساتھ ساتھ پڑھنا بھی اِسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا کے حکم کے خلاف ہے بیان گزر چکا ہے۔

دوئم یہ کہ اس روایت کی سند میں مکحول عن عبادۃؓ ہے اور یہ منقطع ہے۔ مکحول کی سماعت حضرت عبادۃؓ سے نہیں ہے اور اس سے پہلے عَنْ مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ ہے اور نافع مجہول ہے۔

سوئم یہ بھی دیکھیے کہ اس ولید بن مسلم راوی فتویٰ کے حال میں خیر الکلام ص ۲۱۹ میں لکھا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں اس کی مسموع اور غیر مسموع روایتیں غلط ملط ہو چکی تھیں۔ بلکہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ نقل کیا گیا ہے کہ "دس حدیثیں اس نے ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں" کیا معلوم یہ بھی انہی دس میں سے ہو؟ بلکہ دس میں حصر کرنا تو کہنے والے نے اپنے علم کے مطابق کیا ہے۔ کیا معلوم اور بھی کوئی اسی طرح کی ہوں۔ بہرحال روایتِ مذکورہ پر وثوق نہیں کیا جا سکتا شاید کسی گزرے ہوئے ضعیف راوی کا یہ قول ہو۔

اس کے علاوہ یہ اگر فتویٰ مکحول کا ان کی صفات کے لحاظ سے لیتے ہو تو فتویٰ حضرت زید بن ثابت جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس سے زیادہ شان والا ہے ان کا فرمان سنئیے جو یہ ہے: لا قراءۃ مع الامام فی شیء۔ رواہ مسلم فی صحیحہ ص ۲۱۵۔ اسی طرح حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص ۱۴۶ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ کتاب میں نقل کیا ہے۔ باب اکتفاء الماموم بقراءۃ الامام۔ مَا اَرَی الْاِمَامَ اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا کَفَاھُمْ یعنی امام جب قوم کی امامت کرتا ہے تو وہ انکی کفایت کرتا ہے، مراد قرأت میں کفایت کرتا ہے اور یہ دونوں فتوے صحیح اور صریح حدیث اِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کے موافق ہیں اور فرمان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مع رسول

اللہ علیہ وسلم کے بھی مطابق ہیں۔

اسی طرح گزشتہ بحوالہ ابوداؤد گزر چکا ہے کہ سری نماز میں حضرت شعبہؒ (جن کو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا گیا ہے) نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہ : لَيْسَ قَوْلُ سَعِيدٍ أَنْصِتْ لِلْقُرْآنِ تو انھوں نے جواب دیا ۔ ذَاكَ إِذَا جَهَرَ بِهِ ۔ یعنی ممانعت تو جہری نماز میں ہے نہ کہ سری میں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے یہ تینوں حضرات مخالف تھے ۔ ہاں سری میں حضرت قتادہؒ جواز کے قائل تھے ۔ مز یتفصیل گزر چکی ہے ۔

اب غور فرمائیں کہ بقول مصنف خیر الکلام مکول شام کا مفتی عالم تھا ۔ اس کو تابعی بتا کر اس کا فتویٰ منوانے کی کوشش کی ہے ۔ اس کے بالمقابل ہمارے بیان کردہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تابعی ہیں اور ان سے جلیل القدر عظیم المرتبہ شان والے ہیں ۔ اسی طرح حضرت قتادہ بھی مشہور و معروف محدث اور مقبول ہیں ۔ حضرت شعبہ کو تو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا گیا ہے جہری نمازوں میں یہ تینوں حضرات متفق ہیں کہ قرأت خلف الامام ممنوع ہے جیسے ابھی معلوم ہو چکا ہے ۔ مصنف خیر الکلام تو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں ۔ ہم یہی عرض کرتے ہیں کہ دوسری آنکھ کو بھی کھول کر بات کریں ۔ اگر ضد سے کام نہ لیا جائے تو ان حضرات کا فتویٰ مکول کے فتویٰ سے فائق نظر آئے گا ۔ خاص کر جب کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ بھی جو حضرت امام نسائی ص۱۴۶ کے حوالے سے ابھی گزرا ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بھی بحوالہ مسلم شریف ص۲۱۵ آچکا ہے ۔ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ ۔ یہ سب مکول کے فتویٰ سے فائق و اعلیٰ ہیں ۔

افسوس کہ مصنف خیر الکلام نے ص۲۲ پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے لَا تَتْرُكْ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ جَهَرَ أَوْ لَمْ يَجْهَرْ اور ترجمہ بھی کر دیا ہے کہ آپ نے فرمایا امام کے پیچھے فاتحہ نہ چھوڑو

امام جہر کرے یا نہ کرے۔ کتاب القراۃ ص۶۵۔ پھر لکھتے ہیں اس اثر کی دوسری سند میں ولید متکلم فیہ ہے مگر ثقہ ہے۔ یعنی قابلِ اعتماد ہے۔ اس کے مُدلس ہونے کا نام نہ لیا۔ یونہی متکلم فیہ کہہ دیا۔

خیال کیا ہوگا کہ مُدلس کہنے سے اس کی معنعن روایت کو لوگ مشکوک بنا دیں گے کہ یہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے مبہم لفظ فرما گئے۔ متکلم فیہ ہے۔ حالانکہ ان کا خود بیان ہے خیر الکلام ص۳۱۶ میں۔ تدلیس کی دو قسمیں ہیں: ایک تدلیس اسناد میں۔ یہ سخت مکروہ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر راوی ثقہ ہو تو بدون تصریح سماع کے ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہوگی۔

اب اس کے بعد کس طرح کہتے ہیں کہ سند میں ولید متکلم فیہ (مُدلس) ہے مگر ثقہ ہے۔ ثقہ ہونے سے تدلیسی عیب تو رفع نہیں ہوتا۔ ہاں وہ روایت صحیحین میں آجائے جب تو معتمد علیہ بن جاتی ہے۔ یہ مسئلہ کئی جگہ گزر چکا ہے فاتحہ خلف الامام ایک رکنِ نماز کے اثبات کے مقام میں ایسی کمزور روایات کا ذکر کرنا طفل تسلی اور محض بے اصولی ہے مگر تنکوں سے سہارا لینے سے کام نہیں بنتا۔ ہاں الغریق یتشبّثُ بِکُلِّ حَشِیشٍ والا مقام ہو تو گنجائش ہو سکتی ہے۔

فائدہ یہی بات ہم نے محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت کی روایت میں عرض کی تھی کہ ابنِ اسحٰق مدلس ہے۔ اسی طرح مکحول بھی اور دونوں عن سے روایت کرتے ہیں۔ جیسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، جزء القرأت میں ہے۔ ایسی روایت بدون ذکر سماع کے معتبر نہیں ہوتی۔ اس لیے فریقِ ثانی کا استدلال اس سے ناتمام ہے۔ مصنف خیر الکلام ابھی ص۳۱۶ میں اقرار کر چکے ہیں اور اس کو سخت مکروہ کہتے ہیں ولید کی روایت میں بھی یہی خرابی ہے۔ ابنِ اسحاق کو بھی ثقہ کہہ کر مصنف خیر الکلام نے جواب دہی کی تھی جیسے کہ یہاں ولید کو ثقہ کہہ کر بچاؤ کر گئے ہیں۔ لیکن یہ بے فائدہ ہے۔ کیونکہ مُدلس کی روایت ثقہ ہونے کے باوجود مشکوک ہوتی ہے، جب کہ

صحیحین کے علاوہ مروی ہو۔

رہا یہ عذر کہ ابن اسحٰق دارقطنی کی روایت میں حدثنی مکحول کہتا ہے اسی طرح ولید فلاں جگہ حَدَّثَنِیْ سَعِیْدٌ نقل کرتا ہے یہ بھی ناتمام بات ہے کیونکہ مُدلّس کبھی شیخ سے اوپر عن سے روایت کرتا ہے اس میں تدلیس کر جاتا ہے درمیان کا ناکارہ ضعیف راوی گرا کر اوپر عَنْ سے روایت پہنچا دیتا ہے۔ جیسے حضرت سید السندؒ کے کلام میں مذکور ہے۔ لہٰذا ولید کا حدثنی سعید کہنا اشکال کو رفع نہیں کرتا۔ سید شریف کی عبارت یہ ہے وَالْمُدَلِّس ربما لم یسقط شیخه بل یسقط من بعده رَجُلاً ضعیفا (صغیر السنن۔ مقدمہ ترمذی ص۲۳)۔ اسی طرح ابن اسحٰق کی روایت میں مکحول کے اوپر عن محمود اور مکحول مُدلّس ہے۔ ممکن ہے ان کے اوپر محمد بن اسحٰق نے ضعیف راوی گرا کر عن محمود کہہ دیا ہو یا خود مکحول نے یہ کاروائی کی ہو۔ دونوں صورتوں میں شبہ اسقاط کا پایا جاتا ہے اور خود مصنف خیر الکلام ص۳۳ لکھ چکے ہیں کہ بدون تصریح سماع کے ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہوتی۔

الفائدۃ الاولیٰ ابھی عنقریب مصنف خیر الکلام ص۳۱۶ کی عبارت گزر چکی ہے کہ تدلیس اسناد میں سخت مکروہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر راوی ثقہ ہو تو بدون تصریح سماع کے ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جماعت اہلِ حدیث کا فریضہ ہے کہ اپنے علماء حضرات سے پوچھیں کہ علماء حنفیہ کا مطالبہ ہے کہ مکحول مدلّس ہے اسی طرح ولید بھی اور دونوں کی روایت مکحول عن محمود عن عبادۃ اور ولید عن سعید عن مکحول عن عبادۃ ہے۔ (ابوداؤد) اور مصنف خیر الکلام ص۳۱۶ بھی مانتے ہیں کہ بدون تصریح سماع کے ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہوتی۔ تو ان کا یہ مطالبہ پورا کرنا آپ کا فریضہ ہے۔ ہم نے یہ بات ابتداء میں بھی کہی تھی لیکن اب جب ان کے فاضل مصنف خیر الکلام نے بھی یہ بات فرمادی

ہے اس لیے مطالبہ کا دوبارہ اعادہ کیا گیا ہے۔

الفائدۃ الثانیۃ ۲۵ | مصنف خیر الکلام نے ص۲۲ پر حضرت ابو الدرداؓ کا اثر علی قلم سے کہ کر ان کا فرمان نقل کیا ہے: کہ

مَتْرُوْکُ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ جَھَرَ اَوْ لَمْ یَجْھَرْ لَمْ یُجْزِئ

ولید مدلس کو متکلم فیہ کہنے کے باوجود کر دیا گیا ہے۔ اس لیے متابعت میں اس کی حدیث قابلِ ذکر ہے۔ سبحان اللہ! ایسے ردی گولہ بارود سے کیسے فتح کی امید کی جا سکتی ہے۔ ابھی ص۲۶۷ پر کہہ چکے ہیں کہ مدلس کی عن والی روایت قابلِ اعتبار نہیں ہوتی، جو چیز قابلِ اعتبار و مقبول نہیں وہ متابعت میں کیسے قوی اور صحیح بن گئی۔ آپ اس کرم خوردہ روایت کو سینہ سے لگا کر ان کی نیک اور صحیح فرمودات کو ٹال رہے ہیں جو آپ کی مرضی کے خلاف ہے اور اسی کا نام ضد ہے۔

گزشتہ نسائی شریف ص۱۴۶ سے ان کا قول مَا اَرٰی الْاِمَامَ اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا کَفَاھُمْ نقل کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت قوم کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کا ترجمۃ الباب یہ بیان کیا ہے: باب اِکْتِفَاءُ الْمَاْمُوْمِ بِقِرَاءَۃِ الْاِمَامِ۔

لیکن مصنف خیر الکلام ص۳۲۸ فرماتے ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے جو اس کے خلاف اثر پیش کیا جاتا ہے وہ مَا زَادَ پر محمول ہے۔ یعنی ان کا یہ قول مَا زَادَ عَلَی الْفَاتِحَۃِ جو امام پڑھتا ہے۔ اس کا پڑھنا مقتدی کو ضروری نہیں۔ اس کلام کا محل یہ ہے۔

الجواب | اس بات کا قرینہ بتائیں۔ ان کا یہ قول تو بالعموم فاتحہ ہو یا مَا زَادَ ہو سب میں کافی ہونا بتا رہا ہے۔ آپ اس کی مَا زَادَ سے اس لیے تخصیص کرتے ہیں کہ اس کے بغیر آپ کا گھر نہیں بنتا۔ آپ کی مراد

میں یہ رکاوٹ بنتا ہے۔ آپ پہلے فاتحہ خلف الامام کا فرض ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت کیجئے پھر یہ تاویل کیجئے۔ وَلَا یُمْکِنُ ذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ ان کی اس تاویل کو صحیح ماننے والوں کے لیے یہ مقام عبرت ہے۔ آپ کے سامنے حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام آچکا ہے کہ وہ اس سے کیا مطلب سمجھے ہیں اور باب اکتفاء الماموم بقراءۃ الامام کیا بتارہا ہے۔ اگر ان کی جماعت والے لوگ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں مصنف خیر الکلام کا علم و فہم احادیث دانی حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زائد سمجھتے ہیں تو بے شک ان کی تقلید کرتے جائیں ورنہ ان کے لیے لازم ہے کہ ان سے اور ان کے خلف کو رفقاء سے مذکورہ باتوں کا تسلی بخش جواب طلب کریں مگر وہ اپنے تعصب کی وجہ سے ایسا نہیں کریں گے۔

ہمارے خیال میں حضرت مکحول کا فتویٰ جو مصنف خیر الکلام نے جماعت کے سامنے رکھا ہے اور اس کی تعریف کی ہے تاکہ لوگ اس کو قبول کریں تو یہ قوم کو دھوکہ میں ڈالا گیا ہے۔ ولید مدلس کو ثقہ کہہ کر قوم کو منوانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ فریب کاری سے خالی نہیں۔

خود مانتے ہیں کہ وہ مدلس ہے اور مدلس کی روایت بدون سماع قبول نہیں ہوتی، تو یہ کیسے قبول کیا جائے گا؟ ایسی بے جان چیز کی متابعت سے کیا فائدہ؟ نیز یہ بھی دیکھئے کہ ولید کی یہ روایت ابوداؤد ص ۱۲۵ مکحول عن عبادۃؓ کے طریقہ سے یقیناً مرسل و منقطع ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ شاید اس میں متروک نافع مجہول ہی ہو۔ جیسے اس سے پہلے زید بن واقد کی روایت میں وہ آچکا ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحٰق کی روایت بھی پانچ طریقے سے مکحول عن عبادۃؓ مرسل و منقطع مروی ہے۔ ایسی روایتیں ایک فریضہ کے اثبات کے لیے کیسے کافی ہوسکتی ہیں؟ بہرحال ہم نے بیماری کی نشاندہی کردی ہے اب مناسب ہے کہ علاج کر کے صحت حاصل کی جائے۔ ہاں کسی کو مرض ہی پسند ہے تو اس کی مرضی۔ اس

سے یہ بھی پتہ لگ گیا ہوگا کہ خیر الکلام کی دکان کا سامان معیاری نہیں۔ آنکھیں بند کر کے لینے والا نقصان ہی اٹھائے گا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

دارقطنی کی روایت میں مصنف خیر الکلام ص۲۵۷ کی حیرانی اور پریشانی

فرمایا دارقطنی کی حدیث حسن الاسناد میں ہے " مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَقْرَءُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ۔ یعنی کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ قرأت کرتا ہو جب کہ میں جہر کرتا ہوں "

اس حدیث کے ظاہر سے قرأت خلف الامام کی ممانعت نکلتی ہے۔ کیونکہ استفہام بظاہر انکار کے لہجے میں کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے ہیں کہ جب آیتِ کریمہ کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا نازل ہو چکی ہے اور اس کا نزول بھی جماعت کے بارہ میں ہے اور اس میں مقتدی کو حکم دیا گیا ہے کہ تم نہایت توجہ سے امام کی قرأت کی طرف کان لگایا کرو اور زبان کو حرکت تک نہ دیا کرو اور انصات کیا کرو۔

تو اس کے بعد لوگ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے ہوں گے کیونکہ ان کا قرأت کرنا منہی ہو چکا ہے۔ قرأت کرنا صرف امام کا حق ہے جو کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی قرأت میں خلجان سا محسوس ہوا تو اس کے سبب پر غور کیا۔ آپؐ نے سوچا کہ شاید پیچھے والوں میں سے کسی نے قرأتِ قرآن کی ہو گی۔ ان کے اس منہی عمل ہی سے آپ کو خلجان کا واقع ہونا خیال آیا تو دریافت فرمایا: مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَقْرَءُ شَيْئًا .... الخ۔ یعنی کہ کیا تم لوگوں سے کسی شخص نے میری قرأت کے وقت قرأت کی ہے۔ اس میں پچھلوں کی خاص فاتحہ پڑھنے کا تذکرہ نہیں کیونکہ ممانعت آیت کریمہ کو کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ .... الخ۔ میں مطلق قرأت کی ہے فاتحہ ہو یا اور کچھ ہو۔ اس لیے حدیث میں شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ کا لفظ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے

کو مقتدی کو مطلق قرأت کی ممانعت ہے۔ استماع اور انصات اسی کو چاہتے ہیں
اس حدیث کے ان الفاظ میں استفہام کا جواب مذکور نہیں۔ مصنف خیر الکلام نے
اس حدیث کے یہ الفاظ ۲۵ میں بعد اس کے لکھے ہیں۔

"اس حدیث میں بصورت استفہام مطلق قرآن پڑھنے کا انکار ہے۔ اب فاتحہ کو کیسے واجب ٹھہرایا جاسکتا ہے؟"

یہ حنفیہ کی جانب سے سوال کی تقریر کرکے آگے اس کا جواب لکھتے ہیں۔

الجواب | اس استدلال میں استفہام کے انکاری ہونے پر کوئی دلیل بیان نہیں کی گئی۔ (مختصراً)

۲ــــ اگر استفہام انکاری ہوتا تو نہی سے فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دیا جاتا۔ کیونکہ منکر کو نہی سے خارج کرنا ٹھیک نہیں۔

۳ــــ اگر انکاری بنایا جائے تو اس کا محل جہر کو قرار دینا چاہیئے۔ اور فاتحہ جہراً نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

کسی نے خوب کہا ہے:

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

ہر مراد انسان کی پوری نہیں ہوا کرتی۔

ان کے پہلے بیان کو دیکھئے کہ استفہام کے انکاری ہونے پر کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ کیوں جناب یہی مضمون جو اس حدیث میں آیا ہے مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَقْرَءُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ .... الخ اور احادیث میں آیا ہے یا یہی ایک ہی حدیث ہے جو اس مسئلہ میں روایت کی گئی ہے؟

إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ (ترمذی) تَقْرَءُونَ کا معنیٰ تَقْرَءُونَ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ ہی ہے۔ اس کے آخر میں انکاری لفظ لَا تَفْعَلُوا بھی آیا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے بعد إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کا لفظ بھی ہے تو اس

کا تذکرہ ابھی آنے والا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تسلی ہو جائے گی۔
اسی طرح هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ اٰنِفًا بھی آیا ہے۔ اس کا معنی بھی هَلْ قَرَءَ اَحَدٌ مَعِيَ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰن ہے اس کے آخر میں بھی انکار قرأت کرنے پر کیا گیا ہے۔ دارقطنی کی روایت بھی اسی انداز کی ہے۔ اس کو استفہام انکاری پر محمول نہ کرنا اس کا کیا داعیہ ہے؟

۲ــــ یہ کہنا کہ استفہام انکاری ہوتا تو فاتحہ کو نہی سے مستثنیٰ نہ کیا جاتا ... الخ
جناب یہ استثناء کسی صحیح روایت میں مروی ہوتی تو آپ کے قول کی گنجائش ہوتی۔ وہ تو مکحول عن عبادۃؓ کی روایت میں یا مکحول عن نافع بن محمود کی روایت میں آپ کو نظر آرہی ہے۔ اول مرسل و منقطع ہے اور دوم نافع مجہول کی روایت ہے۔ اور ابنِ اسحٰق عن مکحول عن محمود عن عبادۃؓ کی سند سے شاذ طریقہ ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ شاید یہ استثناء غلط ہے۔ یہ کسی گرائے ہوئے راوی کی کرم فرمائی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابنِ اسحٰق اور مکحول دونوں مدلس ہیں اور عَنْ۔ عَنْ سے روایت کر رہے ہیں۔ اس روایت کے پہلے حصہ میں جب انکار مطلق قرأت پر ہے اور اس کو ہی سبب خلجان اور التباس کا بتایا گیا ہے تو اس کے بعد استثناء فاتحہ کی درست نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ص۲۵۷ میں خود لکھا ہے کہ منکر کو نہی سے خارج کرنا ٹھیک نہیں۔

آپ کی چال اُلٹی ہے۔ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب کو تو صحیح مان لیا اور سینے سے لگا لیا اور اس کے بعد استفہام کے انکاری ہونے کا انکار کر دیا۔ کہتے ہیں ص۲۵۷ کہ استفہام انکاری ہوتا تو فاتحہ کو نہی سے مستثنیٰ نہ کیا جاتا۔ یہ الٹی گنگا بہانا نہیں تو اور کیا ہے؟ پہلے آپ اس استثناء کو صحیح ثابت کریں۔ پھر استفہام کے انکاری ہونے کا انکار کریں۔ اس کے بعد

۳ــــ میں آپ نے لکھا اگر انکاری بنایا جائے تو اس کا محل جہر کو قرار دینا

چاہیئے ..... الخ اور فاتحہ جہراً نہیں پڑھی جاتی بلکہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اس بات کو فاضل مصنف نے کئی جگہ مکرر لکھا ہے۔

الجواب | محل انکار جہر کرنا اس کی دلیل حضرت شارع علیہ السلام کے کلام سے بتائیں کہ کس جگہ آپؐ نے ایسے الفاظ فرمائے ہیں کہ لَا تَجْهَرُوْا خَلْفَ الْاِمَامِ بِالْقِرَاءَةِ یا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقِرَاءَةِ وغیرہا الفاظ کس حدیث میں مروی ہیں۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ فرمایا ہے۔ اسی طرح اِنِّیْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ هَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ آنِفًا۔ ان سب میں نفس قراءۃ ہی کا ذکر ہے اور اس پر آگے ناپسندیدگی کا فرمان انکاری ہر جگہ مذکور ہے۔ ان میں تو ان لوگوں کی قرأت کے سننے کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ ہاں ان کی قرأت سے خلجان قلبی کا ذکر کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جو آپ کے پیچھے قرأت کی تو وہ امر مکروہ اور ممنوع کا ارتکاب کیا۔ اس لیے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر گرانی کا احساس ہوا ہو۔ ہاں ایک جگہ ظہر کی نماز میں ایکم قرء سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی بھی روایت میں مروی ہے۔ لیکن ظہر کی نماز میں جہر سے قرأت تو جاہل سے جاہل بھی نہیں کرتا۔ وہ آہستہ آواز ہو گی جو بعض لوگوں سے تصحیح حروف کرتے وقت کچھ اونچی ہو جاتی ہے۔ مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن یہ آواز صرف ذریعہ علم بنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سمجھ لیا اور فرمایا اَیُّكُمْ قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔ آپ نے انکار آواز کے اونچے کرنے پر نہیں کیا۔ صرف یہ فرمایا عَلِمْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيْهَا۔ صرف خلجان قلبی کا ذکر کیا ہے اور یہ خلجان صرف قرأت سے ہی ہوا جو ممنوع تھی اور کی گئی۔ اگر انکار جہر پر منظور ہوتا تو اَیُّكُمْ جَهَرَ یا رَفَعَ صَوْتَهٗ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی فرماتے۔ یہ باتیں پہلے آچکی ہیں۔ لیکن مصنف خیر الکلام جب جگہ جگہ یہی سبق لوگوں کو دیتے جاتے ہیں کہ انکار اونچے

پڑھنے پر ہوا۔ تو ہمیں بھی ہر جگہ کچھ کہنا ہی پڑ جاتا ہے تا کہ عوام مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔ انھوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ جھوٹ کو جتنا پھیلایا جائے بہتر ہے۔ اس کی کثرتِ ذکر سے لوگ اسے سچ سمجھ لیں گے۔ اگر ان کا واقعی اجتہاد یہی ہے تو خدا تعالیٰ معاف فرمائے۔ غلطی انسان سے ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کے سامنے پوری بات واضح کر دی ہے اس میں غور کرنے سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ انکار اونچے پڑھنے پر نہیں کیا بلکہ نفسِ قرأت پر کیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ۔ هَلْ قَرَءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ۔ إِنِّيْ أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ کے الفاظ کو دیکھیں اور سوچیں کہ ان سے جو آپ کو سمجھ میں آتا ہے اسی کو لیں۔ کیا ان میں جہر پر دلالت ہے؟ خلجان اور التباس کا یہ پڑھنا ہی سبب بنا کہ یہ منہی چیز تھی۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا کے مخالف ہے۔ وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوْا فرمانِ نبویؐ کے مخالف ہے۔ ایسے ہی موقع میں فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی آیا ہوا ہے۔

اس کے بعد ہمارے حضرات حنفیہ کرام بطورِ تنزل تھوڑی سی دیر کے لیے آپ کی بات بن خواہ کتنی ہی بعید ہے تسلیم کر لیتے ہیں کہ انکار کا محل جہر ہے۔ جیسے آپ کے الفاظ میں ص۲۵۶۔ اگر استفہام انکاری ہے تو اس کا محل جہر کو قرار دینا چاہیئے۔ لیکن آپ کچھ اور باتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مقصد تک پہنچ جائیں گے۔

ترمذی شریف ص۴۲ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی قرأت کرنے میں گرانی محسوس کی فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ إِنِّيْ أَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ۔ میرا خیال ہوتا ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے کچھ قرأت کرتے ہو۔ انھوں نے کہا جی ہاں۔ نَعَمْ۔

اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ گرانی کا سبب آپ نے سوچنے سے سمجھا

کہ پچھلوں نے شاید قرأت کی ہے۔ اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ سے یہی مفہوم ہوتا ہے اگر جہر کیا ہوتا تو ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اِنِّیْ اَرَاکُمْ سے تعبیر کیوں فرماتے؟ جب قرأت پچھلوں میں سے جس نے بھی خفیہ کی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نفسِ قرأت ہی ثقل کا سبب بنی۔ کیونکہ وَرَاءَ الْاِمَامِ یعنی مقتدیوں کو استماع وانصات کا حکم دیا گیا ہے۔ قرأت کرنا ان کا خلاف حکم شرع مکروہ اور فعل ممنوع عمل ہوا۔ یہی سبب خلجان اور ثقل کا بنا۔ اونچا پڑھا ہوتا تو اس سوال و جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلکہ یہ بے موقع بات بن جاتی ہے۔ صاف طور سے فرمادیتے کہ امام کے پیچھے جہر سے مت پڑھا کرو۔ لم تجهرون وراء اِمَامِکُمْ فرماتے۔ اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ جہر کی صورت میں کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد یہ بھی سوچیں کہ جب قرأت خفیہ کی ہے اور پوچھنے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے قرأت کی ہے تو ممکن ہے بلکہ اقرب ہے کہ انھوں نے فاتحہ خوانی ہی کی ہوگی لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو انھوں نے مقتدی کے بارہ میں سمجھ لیا ہوگا جیسے آج کل کے اہلِ حدیث کہلانے والے حضرات کہتے ہیں۔ تو اس سے تو پتہ لگا کہ ان کا فاتحہ خلف الامام پڑھنا ہی موجب ثقل و گرانی بنا۔ لہٰذا حدیث میں لَا تَفْعَلُوْا جو نہی عن القراءۃ پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کیسے درست ہوسکتا ہے یہ تعجب آتا کہ معلوم ہو کہ انھوں نے کچھ اور پڑھا تھا۔ حالانکہ حدیث میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ خفیہ قرأت کی گئی تھی اس میں شاید فاتحہ ہی انھوں نے پڑھی ہوگی۔ پھر اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کیسے آسکتا ہے؟

اس کے بعد بائیں جانب بھی نظر ڈالیے۔ مصنف خیرالکلام ترجمان عجائبات اہلِ حدیث کے نظریات والہامات کا بھی جائزہ لیجئے۔ حق و باطل کھرے اور کھوٹے کی تمیز بھی کیجئے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ۔

گزشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا ص۲۵۷ میں یہ کہنا کہ استفہام انکاری بنایا جائے تو اس کا محل جہر کو قرار دینا چاہیے اور فاتحہ جہر سے نہیں پڑھی جاتی۔ صرف مطلب سازی کی بات ہے تاکہ کہا جائے کہ انکار جہر پہ ہے نفس قرأت نہیں۔ فاتحہ امام کے پیچھے آہستہ پڑھی جاتی ہے وہ تو محلِ انکار نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو انکار لَا تَجْهَرُوْا بِالْقِرَاْءَةِ فانہ یفضی الی المنازعۃ کے عنوان سے ہوتا۔ حالانکہ کسی صحیح روایت میں جہر پر انکار نہیں آیا۔ نفس قرأت پر ہی آیا ہے۔ اسی لیے سوال کیا هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ یا لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ وَغَيْرَ ذٰلِكَ۔ اسی لیے فصل الخطاب ص۸۹ میں فرمایا: وَلَا اَثَرَ فِي الطُّرُقِ لِتَقْيِيْدِهٖ بِمَا فَوْقَ الْفَاتِحَةِ وَلَا لِتَقْيِيْدِهٖ بِجَهْرِهٖ اَصْلًا فَهُوَ اِذَنْ عَنْ اَصْلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا رَيْبَ فِيْهِ، یعنی کسی طریقہ سے احادیث میں یہ نہیں آیا کہ فاتحہ سے اوپر کے پڑھنے کا انکار کیا گیا ہے ورنہ ان لوگوں کے جہر سے قرأت کرنے پر کہیں انکار مروی ہے۔ یہ انکار صرف ان کے قرأت کرنے پر ہی روایات میں مذکور ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے تو لوگوں کے لیے استماع و انصات کرنا ضروری ہے۔ یعنی صرف سُنیں اور پڑھیں نہیں۔

الحاصل: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں سے سوال کیا هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ وَغَيْرَ ذٰلِكَ اس وقت آپ لوگوں کا پڑھنا جزوی طور سے نہیں جانتے تھے۔ ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ ہاں بعضوں نے پڑھا ہے۔ اگر فاتحہ مقتدی پر فرض ہوتی تو آپ ضرور جانتے کہ انھوں نے فاتحہ خوانی ہی تو کی ہوگی تو اس وقت هَلْ قَرَءَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ کیسے فرماتے؟ اور اِنِّي اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ کیسے کہا جاتا؟

فصل الخطاب ص۸۹ میں فرمایا وَلَمْ يَتَحَقَّقْ حِيْنَ السُّوَالِ اَنَّهُمْ يَقْرَءُوْنَ نَعَمْ۔ یعنی آپ کو سوال کے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ لوگ نعم

کہیں گے یعنی جی ہاں، ہم نے پڑھا ہے یا پڑھا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے پڑھا تھا اس نے اپنے اجتہاد ہی سے پڑھا تھا۔ اگر مقتدی کو پڑھنے کا حکم حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے صریح طور پر ہوتا تو یہ پوچھتے ہی کیوں! کیا کبھی یہ پوچھا کہ کیا تم اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ پڑھا کرتے ہو؟ حقیقت حال تو یہی ہے کہ امام کے پیچھے جہر سے کوئی نہیں پڑھتا۔ مذکورہ صورت میں خفیہ قرأت کی گئی لیکن وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گرانی طبع شریف کا باعث بنی کیونکہ قرأت ممنوع ہو چکی تھی۔ ایسی ممنوع و مکروہ چیز کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ خود مصنف خیر الکلام ص۲۵۷ میں لکھتے ہیں: منکر کو نہی سے خارج کرنا ٹھیک نہیں۔ گزشتہ بھی یہ گزر چکا ہے۔

الغرض حدیث میں اونچا پڑھنے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ ترمذی اور دارقطنی کی مذکورہ روایت میں منازعت کا لفظ بھی نہیں جس کو جہر کا قرینہ بنایا جاتا ہے۔ جہر کا انکار صرف اس لیے کیا گیا کہ فاتحہ پڑھنے کی مقتدی کے لیے گنجائش نکل آئے۔ کہتے ہیں ص۲۵۷ فاتحہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ (کس دلیل سے؟ مگر یہ نہ پوچھیے)۔

بالفرض مان لیجئے کہ کل انکار جہر ہے اور موجب ثقل جہر ہی بنا جیسے کہ ترمذی کی روایت میں ہے فَثَقُلَتْ عَلَیْہِ الْقِرَاءَۃُ۔ اور روایت میں —— اس کے بعد فَلَا تَفْعَلُوْا کا معنی جہر سے پڑھنے کی ممانعت ہی ہے اور اس طرح مصنف خیر الکلام کی مراد پوری ہو جائے گی کہ فاتحہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اور وہ ممانعت کے نیچے نہیں آتی۔

لیکن علم نحو کا قانون ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہوتا ہے اور مستثنیٰ کا حکم مستثنیٰ منہ کے خلاف ہوا کرتا ہے جیسے مَا جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدٌ قوم سے کوئی نہیں آیا مگر زید۔ اس طرح لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا معنی یہ ہوگا لَا تَقْرَءُوْا شَیْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ بِالْجَهْرِ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کہ امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ سورۃ ہو یا کوئی اور آیت ہو جہر سے نہ پڑھا جائے مگر فاتحہ

کہ وہ جہر سے پڑھی جا سکتی ہے جب کہ اِلاّ استثنائیہ سے ماقبل جہر کی بالعموم نفی اور انکار ہوگا تو مابعد جہر سے پڑھنے کی رخصت ثابت ہوگی۔ کیا آپ فاتحہ کے جہراً پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ تو فاتحہ کو آہستہ پڑھنا کہتے ہیں۔ آہستہ پڑھنا جہر سے پڑھنے کے غیر جنس ہے تو یہ استثنا منقطع بن جائے گی۔ جیسے جَاءَ نِی القومِ اِلاّ حِمَاراً اور یہ خلاف الاصل ہوتی ہے اور معنی رکیک ہو جائے گا۔

الحاصل: اِلاّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب دونوں صورتوں میں آپ کو مہنگا پڑ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل انکار جہر کو قرار دینا محض باطل ہے۔ بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑا ہونا اسی کو کہتے ہیں۔

اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ خفیہ قرأت امام کے پیچھے کسی سورت یا آیت کی نہ کی جائے مگر فاتحۃ الکتاب کی۔ تو بظاہر آپ کی مراد صحیح بن جاتی ہے۔ لیکن حدیث میں صبح کی نماز کے قصے میں یہ پھر مشکل ہو جائے گی۔ کیونکہ جن لوگوں نے خفیہ قرأت کی تھی کیا معلوم کہ انھوں نے کیا پڑھا ہوگا؟ مگر گرانی کا سبب تو وہ قرأت ہی بنی۔ ممکن ہے کہ انھوں نے فاتحہ ہی پڑھی ہو تو وہی محل انکار بن جائے گی۔ پھر اِلاّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب کی استثناء کیسے درست ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر آپ ثابت کریں کہ انھوں نے فاتحہ کے علاوہ قرأت کی تھی اور وہ محل انکار بنی تو فاتحۃ الکتاب کی اجازت نکل سکتی ہے کہ خفیہ اور کچھ نہ پڑھا جائے مگر صرف سورۃ فاتحہ۔ لیکن مذکورہ روایت میں یہ توجیہ چل نہیں سکتی۔ کیونکہ پڑھی ہوئی چیز متعین نہیں کی گئی۔ اِنِّی اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ کے سوال کے بعد انھوں نے نَعَمْ فرمایا ہے۔ کیا چیز پڑھی گئی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا اور پڑھانا حلوا نہیں کہ آسانی سے لقمہ بن جائے بلکہ اس کے لیے لوہے کے دانت درکار ہوں گے اور پھر پیٹ میں جانے کے بعد ھاضوم کے استعمال کرنے کی بھی شاید ضرورت پڑ جائے۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ

ممنوع ایسی قرأت ہے جس میں شور وغل پایا جائے۔ دیکھئے مذکورہ روایات میں خلفہ قرأت کو مکروہ وممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس نے بھی قلب مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گرانی پیدا کی۔ ثقلت علیہ القراءۃ حدیث میں ہے۔ حالانکہ اس میں شور وغل نہیں پایا گیا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ قرأت کی ہے۔ یہ بھی قرأت معلوم نہیں کہ فاتحہ کی تھی یا کچھ پڑھا گیا تھا۔ یہ ثقل قرأت خلف الامام ممنوع ہونے کی وجہ سے ہوا اسی کو دوسرے لفظوں میں مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ منازعت کا معنی شور وغل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ منازعت تو قلبی پریشانی سے قرأت میں اختلال پیدا ہونا ہے جو عمل مکروہ وممنوع کے کرنے سے ہُوا۔ جیسے بعض لوگوں نے وضو میں نقصان کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اِنَّمَا یَلْبِسُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِکَ۔ یہ بات پہلے باحوالہ مفصل گزر چکی ہے۔

محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود ترمذی کی حدیث کا جواب بطور معارضہ

یہ حدیث ابوداؤد، نسائی اور جزء القرأت میں بھی آچکی ہے اور ترمذی میں اس کو حَسَن بھی کہا گیا ہے۔ لیکن اس میں فنِ حدیث کے قوانین کے لحاظ سے کئی نقص پائے جاتے ہیں۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے حضرات عموماً اسی پر سہارا لگائے نظر آتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حَسَن ہونا مشکل ہے۔ ابنِ اسحٰق اور مکحول دونوں مُدَلِّس ہیں اور روایت عَنْ۔ عَنْ سے نقل کرتے ہیں۔ ایسی روایت غیر صحیحین میں آئے تو وہ مشکوک ہی رہتی ہے فریقِ ثانی کے فاضل مصنف توضیح الکلام ص ۴۳۳/۲ میں لکھتے ہیں:

"محاربی مدلّس ہے اور روایت معنعن ہے تو یہ روایت کیوں کر قابلِ استدلال ہے؟"

اس بات کو ابن اسحٰق اور مکحول کی مذکورہ روایت میں بھول جاتے ہیں اور ان کو ثقہ بتا کر قابلِ اعتبار بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ترمذی نے حَسَن کہا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے مزید دیکھئے اور سنیے اور اللہ تعالےٰ سے توفیقِ ہدایت کا سوال بھی کیجیے۔

مَیں نے گزشتہ عرض کیا تھا کہ حَسَن اور صحیح دونوں میں شرط ہے کہ روایت شذوذ سے خالی ہو اور ابنِ اسحٰق کی روایت اسناد کے اعتبار سے شاذ ہے۔ ابنِ اسحٰق مکحول کے سات شاگردوں کے خلاف اسناد میں مکحول عن محمود عن عبادہؓ ذکر کرتا ہے۔ ان میں پہلے پانچ تو مکحول عن عبادہؓ مرسل نقل کرتے ہیں اور دو مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہؓ کہتے ہیں۔ شاذ اسی کو کہتے ہیں کہ ثقہ راوی اور ثقات کے مخالف نقل کرے۔ تفصیل گزر چکی ہے اور ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ترمذیؒ کا حَسَن کہنا صرف ظاہر اسناد کے لحاظ سے ہے اسی طرح صحیح کہنا بھی، جیسے بیہقیؒ نے کہا ہے۔ ممکن ہے کہ فریقِ ثانی کے بعض لوگ کبیدہ خاطر ہوئے ہوں اور طعن و تشنیع تک نوبت آئی ہو۔

مَیں ان کی ناراضگی دُور کرنے کے لیے انہی کے فاضل مصنف توضیح الکلام کا کلام نقل کرتا ہوں جو اس کی نظیر میں انھوں نے کہا ہے۔ توضیح الکلام ص ۴۹۱ ج ۲: ثقہ اوثق کی یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہاں اس کی روایت کو شاذ کہا جاتا ہے۔

اور توضیح الکلام ص ۷۵۴ ج ۲ میں ہے: ابو اسحٰق کی تدلیس مرتفع نہیں ہوئی کیمی رواۃ کے ثقہ ہونے پر بھی سند کو صحیح یا حَسَن کہہ دیتے ہیں۔

اب آپ ابو اسحٰق کی جگہ ابنِ اسحٰق اور مکحول کو رکھ کر بقیہ کلام دُہرا لیجیے۔ اس سے پتہ لگ جائے گا کہ ترمذیؒ کا حَسَن کہنا اور بیہقی کا اس کو صحیح کہنا صرف ظاہری سند کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ یہ سند یقیناً شاذ ہے۔ ان سات مکحول کے شاگردوں کے علاوہ دو اور ثقات کے بھی مخالف ہے۔ وہ بھی مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہؓ کہتے ہیں۔ اسی طرح چار نافع بن

محمود کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور پانچ مرسل طور سے مکحول عن عبادہؓ کہتے ہیں۔ ابنِ اسحٰق نو حضرات ثقات کے مخالف اسناد لاتا ہے اور یہ مردود ہی ہے۔ لیکن ضرورت مند لوگ اس کو گلے لگا لیتے ہیں اور کھرے کھوٹے کی تمیز ہی نہیں کرتے۔ گزشتہ تفصیل گزر چکی ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت امام بیہقیؒ کا ابنِ اسحٰقؒ کی اس روایت کو صحیح کہنا صرف مذہبی فائدہ کے لیے کیا گیا ہے۔ شذوذ جیسے حسن ہونے کے منافی ہے صحیح کے لیے بھی بطریقِ اولیٰ منافی ہے۔ ہاں خارجی احوال کو نظر انداز کر کے رواۃ کی ذاتی صفات کو دیکھ کر کسی نے حسن کہہ دیا اور کسی نے صحیح جیسے ابھی صاحبِ توضیح الکلام کے حوالہ سے گزرا کہ کبھی رواۃ کے ثقہ ہونے پر بھی سند کو صحیح یا حسن کہہ دیتے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضرت حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالےٰ ایسی مشکوک اور کرم خوردہ روایت کو فاتحہ خلف الامام کے فریضہ کے لیے دلیل بناتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ شاید صحیحین کی عنوان عام والی روایت لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ یقرء بفاتحۃ الکتاب اسی روایت سے مختصر کی گئی ہے۔ جس میں جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا تذکرہ ہے اور اس میں اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب کی نہی کے بعد استثنار کی گئی ہے۔ حالانکہ ابھی گزرا کہ یہ مفصل روایت بے جان ہے۔ محمد بن اسحٰق اور مکحول دونوں راوی مدلس ہیں اور روایت معنعن طریقے مروی ہے۔ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب ..... الخ کسی صحیح روایت میں نہیں۔ یہ روایت شاذ ہے اگرچہ محدثینِ شافعیہ اس کے شذوذ کا تذکرہ نہیں کرتے کیونکہ اس سے ان کا مطلب فوت ہوتا ہے۔

گزشتہ بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود کی حدیث کو صحیح کہہ دینا کچھ فائدہ مند نہیں بنتا۔ ابنِ اسحٰق اگر حدثنی مکحول کہے جب بھی اوپر عن۔ عن سے روایت ہے مکحول بھی مدلس ہے۔ اس کے علاوہ اس میں شذوذ بھی پایا جاتا ہے اور

شاذ حدیث صحیح نہیں ہوتی ۔ قواعد حدیثی یہی بتاتے ہیں ۔ حضرت امام بیہقی صرف مذہبی ضرورت کے لیے اس کو صحیح فرما رہے ہیں ۔ حضرت امام بیہقیؒ کی مذہبی مراعاۃ کی ایک اور مثال عرض کرتا ہوں ۔ رفع یدین عند الرکوع وعند الرفع منہ کی حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ عند الرکوع صحیح مروی ہے ۔ لیکن اس سے اس عمل کا دوام یا اکثری ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔ کانَ کی خبر فعل مضارع ہونے سے لوگ استمرار سمجھ لیتے ہیں مگر علامہ نوویؒ نے تصریح کی ہے کہ اس میں دوام اس عمل کا ضروری نہیں ہوتا ۔ جیسے کَانَ یَطُوفُ عَلٰی نِسَاءِہٖ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ وغیرہ امثال میں مذکور ہے ۔ ایسی حدیث صرف فعلیتہ اور وجود پر دلالت کرتی ہے ۔ جیسے بعض اور روایات صحیحہ میں طَافَ عَلٰی نِسَائِہٖ اسی حدیث میں مروی ہے ۔ مزید تفصیل کی گنجائش نہیں مقصد سے دوری ہو جائے گی ۔

حنفیہ کرام تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا عمل ہوا لیکن بعد میں نوبت ترک کی بھی آئی ۔ انہی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ترک الرفع بھی صحیح طریقہ سے مروی ہے اور ان سے مرفوع حدیث بھی صحیح ابو عوانہ ص۹۰ ج۲ اور مسند حمیدی ص۲۷۷ ج۲ میں مروی ہے : وَاِذَا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع لا یرفعہما فیض الباری ص۲۵۶ ج۲ میں ہے : عند الطحاوی عن مجاھد باسناد صحیح انہ صَحِبَ اِبْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَشْرَ سِنِیْنَ وَلَمْ یَرَہٗ یَرْفَعُ یَدَیْہِ مع ابن عمر رضی اللہ عنہما ھو الذی رفع لواء رفع الیدین ۔آہ فلعلہ اطّلع عَلٰی ناسخہٖ ۔ یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں دس سال حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ رہا ۔ لیکن میں نے ان کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں انھوں نے یہ عمل چھوڑ دیا تھا ۔ جیسے مزارعت کا معاملہ ہمیشہ وہ کیا کرتے تھے مگر آخر میں انھوں نے اس کو چھوڑ دیا ۔

(رواہ البخاری ص۳۱۵ ج۱)

اس وقت ادلہ کا بیان کرنا مقصد نہیں ، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے جب صحیحین کی روایت کو دیکھا کہ ان میں فی الجملہ رفع یدین پر دلالت ہے اور دوام یا اکثریت پر دلیل نہیں بنتی ، مقصد ناتمام رہ جاتا ہے ۔ تو جھٹ سے عصمۃ بن محمد انصاری کی روایت نقل کر دی جس میں ہے کہ ان کا یہ عمل تادمِ حیات اسی طرح رہا ۔ اس سے حضرت مجاہدؒ کی نقل کردہ روایت کا جواب بھی دینا چاہتے ہیں کہ وہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ عصمت بن محمد انصاری یہ بیان کر رہے ہیں کہ رفع یدین دوامی رہا ۔ ان کی روایت میں رفع یدین عند الرکوع و عند الرفع کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں ۔ فَمَازَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتَه حَتّٰى مَاتَ ۔ یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نماز تا موت اسی طرح کی ہوتی تھی ۔ اس ضمیمہ سے ان کا مقصد پیدا ہو گیا کہ رفع یدین کو انھوں نے تا موت نہیں چھوڑا ۔ لیکن یہ دیکھیے کہ یہ عصمت بن محمد انصاری جن کے بل بوتے پر سہارا لگایا گیا وہ کیسے بزرگ و مقبول شخص ہیں اور کیسے ثقہ و عادل راوی ہیں ؟ سنیے ! نصب الرایہ ص۴۰۹ ج۱ میں ہے ۔ قال ابو حاتم لیس بالقوی . قال یحییٰ کذّابٌ و یضع الحدیث ۔ قال العقیلی یُحَدِّثُ بِالاَبَاطِیْلِ عَنِ الثِّقَاتِ ۔ و قال الدارقطنی متروك (میزان) ۔ اور حاشیہ میں ہے : قال یحییٰ بن معین هُوَ مِنْ اَكْذَبِ النَّاسِ كَانَ كَذَّابًا يروى الاحاديث كذبًا ۔ زیلعی ص۴۱۲ ج۱ ۔ غیر مقلدین حضرات امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے لوگوں کو اعتماد دلاتے ہیں کہ انھوں نے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل اسی طرح ہمیشہ کے لیے رہا ۔ پھر طحاوی کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے ؟ لیکن ابھی آپ پر اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے ۔ اس وقت رفع یدین کے مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں صرف حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غیر ذمہ دارانہ (روش) کا بیان کرنا مقصود ہے ۔ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ ایسی حدیثوں کا کتابوں میں لانا ہی اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا کے قبیلہ

سے نظر آتا ہے۔ ایک اور بات بھی دیکھ اور سن لیجئے :

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ کی ایک بے اعتدالی کی شکایت

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ جلالت شان کے باوجود مذہبی حمایت میں بعض جگہ انصاف کو چھوڑ جاتے ہیں۔ فاتحہ خلف الامام کے اختلافی مسئلہ میں محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود کی روایت میں کلام کرتے ہوئے فرما گئے کہ اگرچہ بعض روایات میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ آیا ہے اور حنفیہ اس کو مخالفت پر محمول کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی مخالفت او منافات نہیں لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ سَمِعَهُ عنهما۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ مکحول نے یہ حدیث محمود بن الربیع سے بھی سنی ہو اور ان کے بیٹے نافع بن محمود سے بھی سنی ہو۔ اس میں کوئی تضاد نہیں، دونوں طرح صحیح ہے۔ استدلال شافعیہ کا تمام ہے۔

مصنف خیر الکلام نے اس کو اپنے توشہ دان میں رکھ لیا اور لوگوں کو حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے منوانے کی کوشش کی اور اس کو سد سکندری سمجھ کر مطمئن ہو گئے۔ لیکن فاضل مصنف الدلیل المبین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص۱۴۶ میں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رویہ کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فما

قال الامام البیھقی سمع مکحول ھذا الحدیث عن محمود بن الربیع ونافع بن محمود ومحمود سمعه عن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه ففیه مخافة بَيِّنَةٌ لَا تَخْفٰی۔ مَبْنَاهُ تَعَصُّبُهُ الْمَشْهُوْرُ وَهُوَ تَصْحِيْحُ الضَّعِيْفِ وَتَضْعِيْفُ الصَّحِيْحِ كَمَا هُوَ دَابُ شَيْخِهِ الدَّارقطنی أَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافظ رحمه اللہ تعالی

— یعنی امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ اس حدیث کو مکحول نے محمود بن الربیع اور نافع بن محمود دونوں سے سنا ہے اس بیان میں کھلی ہوئی کمزوری

ہے اور اس کا مبنیٰ ان کا مذہبی تعصب ہے کہ کبھی وہ ضعیف کو صحیح کہہ دیتے ہیں اور کبھی بالعکس حکم کرجاتے ہیں اور ان کے شیخ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یہی طریقہ ہے۔ اللہ تعالٰی قدم کو بے جا چلنے سے اور قلم کو غلط لکھنے سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس مقام میں مکحول کا محمود اور نافع بن محمود دونوں سے سماع کا دعوٰی کرکے گلو خلاصی کی ہے جو قطعًا ناکافی بات کی ہے۔ بلکہ یہ دعوٰی ہی بلا دلیل ہے اور مسموع نہیں ہوسکتا اور نہ نافع بن سکتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کئی اور امراض اس میں موجود اور قابلِ علاج ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ان کا یہ بیان کہ مکحول کا محمود سے سماع محتمل ہے۔ لِاَنَّہٗ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ سَمِعَہٗ مِنْھُمَا فرما رہے ہیں اور گزشتہ ترمذی ص ۲۵۹ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ انھوں نے صرف تین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سنا ہے۔ ان میں محمود بن الربیع نہیں ہے بلکہ صریح فرمایا: ویقال اِنَّہٗ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم غیر ھٰؤلاء الثَّلَاثَۃِ۔

تھوڑی دیر کے لیے مان لیجئے کہ سنا ہے تو اس سے کیا بنتا ہے؟ مکحول مُدلّس ہے۔ اسی طرح ابن اسحٰق بھی اور یہ روایت جو ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں مروی ہے جس میں فجر کی نماز کا قصہ مذکور ہے وہ معنعن طریقہ سے مروی ہے ابن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اس میں مکحول کا سماع محمود سے مروی نہیں۔ مُدلّس کبھی اپنے اور شیخ کے درمیان سے ضعیف راوی کو گرا کر اوپر عَنْ کے ذریعہ سے روایات کردیتا ہے۔ ایسی روایت حجت نہیں بنتی اور اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ محمود کے اوپر بھی عَنْ عبادۃ ہے۔ مُدلّس کبھی شیخ سے اوپر بھی اسی طرح

تدلیسی کاروائی کر دیتا ہے۔ بیان کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اس وقت استدلال اس حدیث سے جب صحیح ہوگا کہ مکحول سے دونوں جگہ سماع یا تحدیث مروی ہو۔ سمعت محمودًا سمعتُ عبادۃ ہو۔ یا دونوں جگہ حدثنی روایت میں ہو۔ معنعن روایت مشکوک ہوتی ہے۔ اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ کَمَا مَرَّ۔

اسی طرح دوسرا طریقہ جو نافع بن محمود کا ہے۔ اس میں بھی مکحول سمعت نافع بن محمود سمعت عبادۃ ہو جب روایت قبول ہوگی۔ ابھی عنقریب مصنف توضیح الکلام کی عبارت نقل ہو چکی ہے اور قانون یہی ہے۔

اس وقت اس بات کا کیا فائدہ ہے لِاَنَّہٗ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ سمعہ منہما۔ جیسے حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کیا اس سماع کے ہونے سے شبہ تدلیس کا رفع ہو سکتا ہے؟ تدلیس تو اسی کو کہتے ہیں کہ شیخ سے سماع تو ہے لیکن بعض احادیث ان سے بلا واسطہ نہ سُنی ہوں کسی ضعیف یا صغیر السن کے واسطہ سے سُنی گئی ہوں لیکن اس واسطہ کو گرا کر اوپر ثقہ کی طرف نسبت کر دی ہو جیسے کئی جگہ یہ گزر چکا ہے۔ اس شبہ کا دور کرنا سمعت یا حدثنی کے ذکر سے ہی ہو سکتا ہے اس لیے کہا گیا کہ مکحول کے اوپر سمعت محمودًا۔ سمعت عبادۃ آئے گا تو جب حدیث قابل اعتبار ہوگی ورنہ نہیں۔ یہ بار بار عرض کیا گیا ہے۔ یہ بات جب ہے کہ مکحول کا سماع محمود سے مان لیا جائے جیسے حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

۲۔۔۔۔۔ اور اگر سماع نہ ہو جیسے حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان سے معلوم ہو رہا ہے تو مکحول عن محمود ارسال بن جائے گا جس کو انقطاع بھی کہتے ہیں پھر بھی واسطہ درمیان میں ہوگا۔ معلوم نہیں کہ وہ عادل ہے یا ضعیف شخص ہے اس صورت میں بھی یہ حدیث قابلِ اعتماد نہیں بن سکتی۔ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَاِنَّہٗ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِہَا کا جملہ محض مشکوک ہی رہ جائے گا۔

انصال، وہ ظہور مستقر ہیں اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے اس جگہ اختلال اسناد ہے جس کا تذکرہ مفصل گزر چکا ہے کہ
کی روایت میں مکحول عن محمود عن عبادۃ ہے۔ اس میں وہ مکحول کے
شاگردوں کے خلاف سند نقل کرتا ہے۔ یا تو محمود عن عبادۃ مرسل
نقل کرتے ہیں اور دو مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ نقل کرتے ہیں۔
پھر مکحول کے دو متابع تو بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ کل نو ثقات کے خلاف
محمد بن اسحاق سند بیان کرتا ہے اس لیے اس کو شاذ کہا جائے گا۔ گزشتہ نقشہ
میں تفصیل آ چکی ہے اور بیان ہو چکا ہے کہ شذوذ صحیح ہونے کے خلاف ہے۔
اس پہلے ضعف امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہی لانہ نخشی ان یکون سمعہ
منہما ۔ محمود و نافع بن محمود ہیں نامشکور اور نامقبول ہے۔ مصنف غیر اللہ راہ
ترجیح اسلام نے جان کا سہارا لیا اور لوگوں کو تسلی دی بے سود کی سے۔ ہمت
ہے تو ان اشکالات کا جواب دیں:

یَا نَاطِحَ الْجَبَلِ الْعَالِی لِیَکْلِمَہٗ
اَشْفِقْ عَلَی الرَّاْسِ لَا تُشْفِقْ عَلَی الْجَبَلِ

اے پہاڑ کو سینگوں سے زخمی کرنے والے، اپنے سر پر ترس کر کہ پھٹ
نہ جائے۔ پہاڑ پر ترس کرنے کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: گزشتہ نافع بن محمود کے مجہول الحال ہونے کا تذکرہ بھی گزر چکا ہے۔

جب مکحول عن نافع بن محمود میں ایک اور علت بھی معلوم ہو گئی کہ اگر ثقات
سے روایت تو بھی ہو جیسے ابن حبان رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں تو بھی تدلیس کا احتمال
ہے جیسے محمود بن ربیع میں کہا گیا ہے اور گزر چکا ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ
کا ثقات ان کی اپنی اصطلاح ہے کہ وہ مجہول کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے یحییٰ کندی
کے بیان میں گزر چکا ہے کہ وہ من لم یجرح کو ثقہ کہہ دیتے ہیں خواہ مجہول
ہی ہو۔

محمد بن اسحٰق کی روایت میں

اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب کی استثناء کا بیان

۱ ــــــ اس حدیث کی اسناد کے متعلق بیان گزر چکا ہے اور کچھ متنِ حدیث کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے کہ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰن کی استثناء جو اس حدیث میں ہے اور بتاتی ہے کہ مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کی اجازت ہے یہ اس سے زیادہ قوی اور صحیح روایات کے مخالف ہے جو مسلم شریف میں وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کے الفاظ سے مروی ہے۔ ابن اسحٰق والی اگر حَسَن ہے تو صحیح مسلم کی یہ روایت فائق ہے۔ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اخرجہ مسلم فی صحیحہ فرما چکے ہیں۔ اور اگر اس کو حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح کہا ہے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسائی شریف والی روایت کو جس میں وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا مروی ہے اس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ھو عندی صحیح فرما چکے ہیں۔

انصاف سے سوچیں۔ اور دل جو فتویٰ دے اسے لیں کہ فنِ حدیث میں امام مسلمؒ کا درجہ بلند ہے یا امام ترمذیؒ کا ؟

۲ ــــــ یہ استثناء اس لیے بھی مشکوک ہے کہ گزشتہ حصہ میں ثقلت علیہ القراءۃ آچکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ قرأت ہی موجبِ ثقل بنی کیونکہ قرآن و حدیث نے مقتدی کا وظیفہ عند قراءۃ الامام استماع و انصات ہی بتایا ہے۔ مقتدی کا قرأت کرنا استماعِ مامور اور انصاتِ واجب کے خلاف مکروہ فعل کا ارتکاب ہے پھر قرأت مقتدی کی کیسے مشروع ہو سکتی ہے ؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِنِّیْ اُرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قرأت مخفی کی تھی۔ ممکن ہے کہ انھوں نے اس مخفی قرأت میں فاتحہ ہی پڑھی ہو۔ بلکہ اقرب یہی ہے کہ شاید انھوں نے لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِاُمِّ الْکِتَابِ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ

ارتکاب کو مقتدی کے بارہ میں بھی ہے کہ اسی کی قرأت کی ہو جیسے کہ فریق ثانی کے لوگ بھی راستہ لیے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا پڑھنا دوسری طرف دیکھتے ہوئے مُفَوِّتِ واجب بن کر ممنوع فعل کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے یہ موجب ثقل بن گیا اور اس لیے اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی استثنار صحیح نہیں بنتی۔ اور روایت کے راوی مدلس ہیں اور عَنْ عَنْ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اس لیے روایت مشکوک بن جاتی ہے۔ ایک رکن اور فریضہ کا اثبات اس سے کیسے معقول ہے؟ یہ باتیں پہلے بھی بار بار گزر چکی ہیں۔ ہمیں اس وقت ایک اور چیز بیان کرنی ہے۔ وہ یہ کہ:

۳ـــــ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ میں نہی کے بعد استثنار آرہی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ نہی کسی عمل کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس کے بعد استثنار کا آنا اس کی اجازت کی دلیل بنتی ہے جس کو اباحت بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں فرمایا کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْھَا میں امر کو اباحت کے لیے کہا جاتا ہے۔ استثنار میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ اس قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حدیث محمد بن اسحٰق میں لَا تَفْعَلُوْا میں قرأت خلف الامام کی ممانعت کی گئی ہے اس کے بعد اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ میں فاتحہ کی صرف اجازت ہی مدلول کلام بنتی ہے۔ اور یہ فریق ثانی کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ وہ اس کو فرض کہتا ہے اور اس کے بغیر نماز کو صحیح نہیں کہتا۔ اس ضابطہ کا مصنف خیر الکلام بھی انکار نہیں کرتے لیکن ص۲۵۴، ص۲۵۵ میں یہ حیلہ سازی کر رہے ہیں کہ اباحت متعین نہیں ہوتی۔ کبھی دلیلِ خارجی سے وجوب بھی ثابت ہو جاتا ہے جیسے وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ میں فرمایا کہ استثنار سے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت حرمت سے نکل گئی۔ مگر اس کا وجوب دوسری دلیل سے ثابت ہے وہ دلیل یہ ہے اُعْبُدُوا اللّٰہَ (النحل) کیونکہ امر دلیل وجوب کی ہے اور یہ بھی لکھا کہ اگرچہ استثنار سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی مگر استثنار فرضیت کے منافی بھی نہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ دلیل تام نہیں بنتی جب تک کہ خارجی دلیل وجوب فاتحہ علی المقتدی کی اس کے ساتھ نہ ملائی جائے۔ ہمارا خیال تھا کہ فاضل مصنف خیر الکلام اس وجوب کی دلیل قرآن سے یا حدیث صحیح سے پیش کریں گے۔ خواہ بخاری و مسلم کی ہو یا علیٰ شرط البخاری و شرط مسلم ہو۔ یا ویسے جمہور محدثین نے یا اکثر نے اسے صحیح کہا ہو۔ کیونکہ فرض کا ثبوت تو ایسی قوی مسلم الصدق حدیث سے ہی ہو سکتا ہے جیسے گزشتہ اس کی نظیر میں انھوں نے اُعْبُدُوا اللّٰہَ قرآنی محکم آیت پیش کی ہے۔ ہم بھی اس کو مانتے ہیں اور ساری دُنیا مانتی ہے کوئی اس کا انکار نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔

مگر دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خیر الکلام ص۲۵۵ میں لکھتے ہیں اب محمد بن اسحق والی حدیث کو دیکھ لیں۔ اس میں پہلے قرأت کی ممانعت ہے جو تحریم کے لیے ہے۔ فاتحہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا حرام نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ مباح ہے یا مستحب یا واجب دوسری دلیل پر موقوف ہے اور وہ دلیل یہاں آخری جملہ ہے۔ تھوڑے سے کلام کے بعد آخری جملہ کا بیان کرتے ہیں یعنی فاتحہ کو حرمت سے اس لیے نکالا گیا کہ اس کے پڑھنے کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ یعنی فاتحہ نماز میں لازمی چیز ہے۔ (آخری جملہ سے مراد ان کی فَاِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِھَا ہے۔) سبحان اللہ!

مثل مشہور ہے کہا کرتے ہیں کہ ساری رات چکی پر چکی پھرتی رہی۔ گڑ گڑ کی آواز آتی رہی لیکن آٹا ہاتھ نہ آیا۔ جب بھیگی ہوئی اور ترمکئی پر چکی چلائی گئی تو ہاتھ میں کیا آتا ہے؟ کیوں جناب یہ آخری جملہ جو اس حدیث میں آپ نے دیکھا اور پایا جس سے آپ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر فرض ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا یہ قرآن کی آیت ہے؟ خواہ منسوخ التلاوت ہی سہی، یا بخاری و مسلم کی حدیث صحیح کا ٹکڑا ہے۔ یا علی شرطہما سے مروی ہے۔ یا محدثین کرام

کل یا اکثر نے اس کو جز، حدیث مان کر اس حدیث کو صحیح کہا ہے ہرگز نہیں۔ یہ جملہ فَاِنَّہٗ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِھَا تو ایک حَسَنْ درجہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا حَسَن ہونا بھی مشکل ہے۔ آپ نے اس کو اُعْبُدُوْا اللہ آیت قرآنی اور وحیِ ربانی جیسے محفوظ بنا دیا۔ اگر اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح کہتے ہیں تو وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ سکتے ہیں مگر اور لوگوں پر اس کو آپ کیسے حجت بنا سکتے ہیں؟ وہ تو اس کو بمشکل حسن کہتے ہیں۔ صحیح تو مانتے ہی نہیں۔ امام بیہقیؒ کا فتویٰ آپ اوروں پر کیسے ٹھونس رہے ہیں؟

بے شک لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ حدیث کے الفاظ صحیح ہیں لیکن حدیث ترمذی کی جس میں صبح کی نماز کا واقعہ ہے اور اس کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے اور یہ پوری حدیث صحیحین میں نہیں ہے۔ اس لیے گزشتہ ہم نے کہا تھا کہ جو صحیح ہے وہ صریح بحق مقتدی نہیں ہے اور جو صریح ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے فرضیت فاتحہ ثابت کرنا بالخصوص مقتدی کے لیے تنکے سے ستون کا کام لینا بنتا ہے۔ آپ کی قوم امام بیہقیؒ کی تقلید کرتی ہے تو کرے۔

الحاصل جس حدیث میں صبح کی نماز کا واقعہ اور نہی لَا تَفْعَلُوْا کے بعد اِلَّا بِاُمِّ الْکِتَابِ ... الخ ہے وہ صحیح نہیں۔ وہ مدلسین حضرات رواۃ کی معنعن روایت ہے اور وہ قابلِ احتجاج نہیں اور جو عمومی عنوان والی صحیح ہے وہ بھی مقتدی صریح نہیں۔ مزید بیان گزر چکا ہے کہ وہ بقول حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت جابرؓ، امام احمدؒ، امام سفیان بن عیینہؒ اور حافظ اسماعیلیؒ صرف منفرد کے حق میں ہے۔ لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَہٗ

فائدہ فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والے حضرات عموماً اسی ابنِ اسحٰق اور مکحول کی روایت کو دلیل بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ تو اسی کو عنوانِ عام والی روایت کا مبنیٰ اور ماخذ بتلا رہے ہیں

کردہ اس سے مختصر کی گئی ہے۔ اصل روایت یہی ہے۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں۔ وہ مفصل روایت کو جس میں مکحول سے صبح کی نماز کا قصہ مذکور ہے معلول قرار دیتے ہیں اور استدلال صرف عموم کے عنوان والی روایت سے کرتے ہیں۔ یعنی صرف لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ سے استدلال کرتے ہیں۔ جزء القرأت کی عبارت سے اس کا صاف پتہ چلتا ہے۔ فصل الخطاب ص۹۳ میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل کیا ہے۔ وَالَّذی زاد مکحول وحرام بن معاویۃ ورجاء بن حیٰوۃ عن محمود بن الربیع عن عبادۃ فھو تبع لما رواہ الزھری لان الزھری قال حدثنا محمود ان عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ اخبرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھٰؤلاءِ لَمْ یَذْکُرُوْا اَنَّھُمْ سَمِعُوْا مَحْمُوْدًا۔ یعنی زہریؒ اگرچہ مدلس ہے لیکن دونوں جگہ تحدیث اور اخبار سے روایت کر رہا ہے اور روایت صرف لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ نقل کرتا ہے اور مکحول اور انکے دو رفیق روایت میں فجر کی نماز کا قصہ اور قرأت کرنا اور اس پر انکار کی زیادۃ نقل کر رہے ہیں۔ لیکن مکحول نے روایت میں سماع، تحدیث کا تذکرہ نہیں کیا عن محمود عن عبادۃ بن الصامت نقل کیا ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعتماد زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت پر ہی کیا ہے۔ اسی لیے ص۹۴ میں فرمایا فالاستدلال بالعموم لاغیر۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صرف روایت کے عموم نفی سے استدلال کرتے ہیں۔ (لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ) مکحول والی روایت جس میں خاص فجر کا واقعہ ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ اسی لیے اس کو دوسری جگہ بصیغۂ تمریض بیان کرتے ہیں فرمایا وَذُکِرَ عَنْ عبادۃ بن الصامت وعبد اللہ بن عمرو صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر فقرء رجل خلفہ فقال

لَا یَقْرَءُنَّ اَحَدُکُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ۔ فَذَکَرَھُمَا بصیغۃ التمریض. یعنی ذکر کیا گیا ہے ۔ حضرت عبادۃ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور کسی شخص نے آپؐ کے پیچھے قرأت کی۔ آپؐ نے فرمایا جب امام قرأت کر رہا ہو تو کوئی شخص قرأت نہ کرے مگر اُمّ القرآن کی ۔ اس کے بعد فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی روایت کو تمریض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے۔ یہ ضُعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے ۔ آپ نے دیکھا کہ امام بخاریؒ نے اس مکحول کی روایت کو مجہول کے صیغہ (ذُکِرَ) سے بیان کیا ہے ۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ اس کو مشکوک سمجھتے ہیں اور اس پر اعتماد نہیں کرتے ۔ صرف ضمناً و تبعاً اس کو ذکر کر دیا ہے ۔ اس لیے فرمایا صلا فھو تبع لما رواہ الزھری ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح نہیں مانتے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس کو صحیح کہنا محل نظر ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے رجحان کے خلاف ہے ۔ غور سے کام لیں ۔ اگر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا درجہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے نزدیک رفیع ہے تو ان کے قول پر اعتماد کر سکتے ہیں ۔ لیکن ساری دنیا کے محدثین اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں ۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں مجہول کا صیغہ ترجمۃ الباب میں ذُکِرَ ، یُذْکَرُ عن فلان ۔ یُنْمیٰ اِلیٰ فلان ذکر کرتے ہیں تو تمام محدثین حضرات اس سے ضعف کی طرف اشارہ کہتے ہیں ضعف سند میں ہو یا متنِ حدیث میں ۔ مکحول کی روایت میں بھی یہی کچھ فرمایا ہے اور ضعف کی وجہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا ۔ لم یذکروا انھم سمعوا محموداً ۔

پہلے اس حدیث کی صحت ثابت کریں پھر اس سے استدلال کریں ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا ص۲۵۳ میں یہ کہنا ناتمام ہے کہ ؛ اگر یہ حدیث دو حدیثوں سے مرکب ہوتی تو درمیان میں لفظ فانہ نہ

ہوتا۔ یہ لفظ بتارہا ہے کہ ایک ہی حدیث ہے :

اوّل تو اس حدیث کی صحت ثابت کیجیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر اعتماد نہیں کر رہے اور امام بخاریؒ نے حنفیہ کی طرف داری میں یہ بات نہیں فرمائی بلکہ علمی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرًا۔

دوئم یہ کہ حدیث کے الفاظ کا نظم قرآن کی طرح محفوظ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ احادیث میں رواۃ کی بعض اپنی تعبیریں ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خریدا اور اس کے مالکوں نے اپنے لیے ولاء (یعنی وراثت) کی شرط لگائی۔ اس کے بیان میں بعض راوی واشترطی لھم الولاء نقل کر دیتے ہیں۔ (بخاری ص۳۴۸ ج۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شرط تسلیم کی گئی اور بعض ودعیھم یشرطوا ماشاءوا (بخاری ص۳۴۹ ج۱) نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ شرط لغو و خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔ وغیرہ ذالک امثال میں تطویل ہو جائے گی اور مقصد سے بُعد ہو جائے گا۔

سوئم یہ ہے اگر یہ لفظ محفوظ ہیں تو ممکن ہے کہ یہ اجازت مرجوح ہو جو سابق بیان میں مذکور ہوئی۔ اور یہ اس کی تطویل ہو۔ جس کا ماحصل یہ ہوگا کہ نہی قرأت خلف الامام کے بعد فاتحہ کو جو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ اس کی شان دیگر قرآنی آیات اور سورتوں سے رفیع ہے۔ کیونکہ کوئی حصہ قرآن کا نماز کے لیے لازمی نہیں قرار دیا گیا۔ ہاں فاتحہ کو متعین کیا گیا ہے اور لازم قرار دیا گیا ہے اور منشا شاید قرآنِ کریم کا یہ اشارہ ہو۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ اس سے مُراد فاتحۃ الکتاب ہی ہے اس میں تخصیص اس نعمت کی بیان کی گئی ہے۔ ورنہ سب قرآنِ کریم خداوند تعالیٰ کی نعمت کا عطیہ ہی ہے۔ کوئی نماز خالی فاتحہ سے نہیں ہوتی۔ اور اجازتِ مرجوحہ اس لیے کہا گیا کہ گزشتہ حدیث کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ مقتدی کا پڑھنا ہی موجبِ ثقل بنا اور ایسی چیز ممنوع ہی ہونی چاہیئے لیکن فاتحہ

کی عظمت شان کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت بھی بعد میں ختم کردی گئی۔ انما جعل الامام لیؤتم به اذا کبر فکبروا وَاذا قرءَ فانصتوا کے حکم نے خالص خاموشی کا حکم دے دیا۔ چونکہ اصل اباحت ہی ہے اس کو مقدم رکھا گیا اور ممانعت بوجہ عارض ہوگئی کہ قرأت حق امام کا ہے اِذَا اَمَّنَ الْقَارِئُ میں قاری امام کا لقب بنایا گیا ہے۔ قرآن کی شان کے ساتھ خلفیت مناسب بھی نہیں ہے۔

مکحول کی حدیث عَنْ عبادۃ لَاتَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰن کا بیان

اس حدیث کے سیاق کو دیکھیں صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القراءۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرءون وراء امامکم ..... الخ ۔ اس کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نفس قرأت کرنا ہی موجبِ ثقل بنا۔ نہ تو اونچا پڑھنے کی شکایت ہے اور نہ مَازَادَ عَلَی الْفَاتِحَۃ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لَا تَفْعَلُوْا کے فرمان میں اسی وراء الامام پڑھنے کی ہی ممانعت کی گئی ہے۔ جیسے شرعًا امام کا سُترہ قوم کا سُترہ حکمی طور سے سمجھا گیا ہے اسی طرح امام کی قرأت قوم کی قرأت قرار دی گئی ہے۔ امام کی اتباع میں قوم کا اپنے لیے الگ سُترہ رکھنا نہیں فرمایا گیا بلکہ قوم کا حق امام کے سُترے پر کفایت کرنا ہے اور اسی کو اپنا سُترہ سمجھنا ہے جیسے ان کا حق ترک السترہ ہے اسی طرح ان کا حق ترک القرأت یعنی صرف انصات واستماع ہے۔ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کو جانتے ہوئے لَاتَفْعَلُوْا کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب کی استثنار غیر موزوں بن جاتی ہے جیسے امام کے پیچھے مقتدی سترہ اپنا خود رکھے اور سمجھے کہ امام کا سُترہ تو امام کا ہی ہے مجھے خود اپنا مستقل سُترہ رکھنا چاہیئے، خلافِ سنت عمل ہوگا۔

اسی طرح کوئی روایت صحیح اور صریح مقتدی کے بارہ میں قرأت کرنے کی نہیں ہے اور قرأت فاتحہ کی جگہ بھی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعین مروی نہیں ہے کہ مقتدی کس جگہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھیں۔ اس لیے اس میں فاتحہ خوانی کرنے والوں کا اختلاف ہو گیا۔ ان وجوہ کو دیکھتے ہوئے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا مقتدی کے بارے شرعی حکم معلوم نہیں ہوتا۔ شاید یہ کسی راوی کا ضمیمہ ہو جس نے عام عنوان والی روایت لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کو مقتدی کے بارہ میں بھی لے لیا ہے اور اس نے اس کی استثنار کردی اور ممکن ہے کہ خود حضرت عبادہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نظریہ کے مطابق اس کا اضافہ کر دیا ہو۔ اپنا مقولہ مرفوع روایت کے بعد ذکر کر دیا ہو جیسے گزر گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مَالِيْ أُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ فرمانِ نبویؐ کے بعد فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اپنا مقولہ ملا کر ذکر کر دیا ہے۔

جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمانِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَالِيْ أُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ کے بعد اپنی طرف سے فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرمایا۔ جیسے کہ حضرت ابن السرح رحمہ اللہ تعالیٰ راوی حدیث کے بیان میں گزرا۔ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَانْتَهَى النَّاسُ ... الخ (رواہ ابوداؤد)۔ یہ آخری جملہ ضمیمہ یقیناً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمودہ ہے مرفوع نہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ حضرت مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت عن محمود عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو زیر بحث ہے درمیان کے کسی راوی نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان جو دوسری حدیث میں ہے جس کو خیر الکلام ص۲۸۳ میں نقل کیا ہے وہ اس مکحول کی روایت میں فرمانِ نبویؐ لَا تَفْعَلُوْا کے بعد نقل کر دیا ہو اور لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا بن گیا جس سے وہم

ہوتا ہے کہ استثناء بھی اصل حدیث مرفوع میں ہو۔ حالانکہ یہ دوسری حدیث میں صراحۃ کوٹ سے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ ص۲۸۳ میں ہے۔ عَنْ محمود بن الربیع سَمِعْتُ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عنه یَقْرَءُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقُلْتُ لَهٗ تَقْرَءُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالَ عُبَادَةُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ (سُنَنُ الکبریٰ ص۶۲ج۲) وَفِیْ کتاب القراءۃ ص۲۳: اَلَمْ اَسْمَعْكَ قَرَاْتَ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔ قَالَ اَجَلْ اِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا۔ یعنی محمود کہتے ہیں کہ میں نے عبادہؓ بن الصامت سے سنا کہ امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے میں نے کہا آپ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ حضرت عبادہؓ نے فرمایا بغیر پڑھنے کے نماز نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ محمود نے کہا: کیا میں نے آپ سے سورۃ فاتحہ نہیں سنی؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

غور فرمائیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے۔ جو آپ نے پڑھنے کی صحت کی دلیل بیان فرمائی۔ بے شک حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل تھے لیکن یہ ان کا اجتہادی نظریہ تھا۔ استدلال میں عام عنوان والی حدیث پیش کی۔ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ اور اس کو مقتدی کے لیے بھی ہونا سمجھے اس لیے پڑھا کرتے تھے۔ اس جگہ ان کا فرمان اَجَلْ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا صحیح ہے اور یہ ان کے نظریہ کی دلیل ہے۔

لیکن حدیث زیر بحث مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃؓ ہے جس میں صبح کا واقعہ مذکور ہے اور اس کے آخر میں فرمانِ نبویؐ لَا تَفْعَلُوْا ہے۔ اس کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ صحیح نہیں بنتا۔ یہ شاید کسی راوی نے ص۲۸۳ والی روایت کا آخری جملہ جو محمود کے سوال کے جواب میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَجَلْ اِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ ہے وہ اول حدیث

مکحول عن محمود والی میں ذکر کر دیا ہو یا خود حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ ضمیمہ ملا دیا ہو اور لَا تَفْعَلُوْا کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَاِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِھَا زیادہ کر دیا ہو کیونکہ ان کا نظریہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا ہی ہے۔ جیسے ابھی مذکورہ روایت ص۲۸۳ میں گزر چکا ہے۔

اور اس ضمیمہ کے صحیح نہ ہونے کی وجہ عنقریب گزر چکی ہے کہ اس حدیث میں مقتدیوں کا قرأت جہر سے پڑھنا مذکور نہیں، نہ منازعت کا تذکرہ ہے۔ مخفی قرأت ہی کی تھی۔ جبھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرا خیال ہوتا ہے کہ تم امام کے پیچھے پڑھا کرتے ہو، یا تم نے امام کے پیچھے پڑھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مخفی قرأت کی تھی اور یہی موجب ثقل بنی۔ روایت ہے فثقلت علیہ القراءۃ اور اسی کی نہی کی گئی لَا تَفْعَلُوْا پھر اس کے بعد فاتحہ پڑھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ شاید انھوں نے مخفی یہی فاتحۃ الکتاب ہی پڑھی۔ ہاں اجازت مرجوحہ کا احتمال ہے۔ لیکن اس کا واجب اور فرض کرنا کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نہی اونچا پڑھنے کی ہے۔ اونچا انھوں نے پڑھا ہی نہ تھا اس کے علاوہ اگر اونچا پڑھنے کی نہی کہی جائے جیسے کہ مصنف خیر الکلام بار بار کہتے ہیں تو اِلَّا استثنائیہ سے اس کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ حالانکہ خود مصنف خیر الکلام کہتے ہیں کہ نہی تو اونچا پڑھنے سے ہے اور فاتحہ تو امام کے پیچھے آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اب جب نہی اونچا پڑھنے کی ہوئی تو اونچا پڑھنا حرام ہو گیا تو استثناء کے بعد اس اونچا پڑھنے کی اجازت آئے گی تو لازم ہے کہ اونچا پڑھنے کی اجازت ہو۔ جب اجازت ہو گی تو مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ کا معنیٰ کیا ہو گا؟

بہرحال یہ حدیث ابن اسحٰق عن مکحول عن محمود مشکوک ہی ہے۔ اصل روایت وہی زہری عن محمود بن الربیع عن عبادہؓ کی ہے جو صحیح ہے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ جو عام عنوان والی ہے۔ مکحول کی عنعن

روایت جس میں فجر کی نماز کا قصہ ہے اس کے آخر میں لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ... الخ صحیح نہیں۔ اسی لیے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو حسن فرما گئے ہیں۔ صحیح نہیں فرمایا۔ فصل الخطاب ص۹۲ میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طویل کلام نقل کیا ہے اس کے آخر میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے عرض کر دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فرماتے ہیں الحدیث الصحیح قول رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فهذا هو الذی اخرجاه فی الصحیح رواه الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادةَ فغلط فیه بعض الشامیین واصله ان عبادةَ كان یوماً فی بیت المقدس فقال هذا فاشتبه علیهم المرفوع بالموقوف علی عبادةَؓ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یعنی صحیح روایت وہی ہے جو بخاری و مسلم میں لائی گئی ہے۔ اس میں لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ہے اور یہ زہری کی محمود بن الربیع سے اور ان کی حضرت عبادہؓ کی سند سے مروی ہے۔ اس روایت میں بعض شام کے راویوں سے غلطی ہو گئی ہے۔ دراصل حضرت عبادہؓ کسی وقت بیت المقدس میں تھے کہ انھوں نے اپنی طرف سے ایسی بات کی تھی اور اس میں راویوں پر اشتباہ ہو گیا۔ انھوں نے حضرت عبادہؓ کے موقوف کو مرفوع حدیث اور فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا دیا اور جوڑ دیا۔ یہ حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھا جو خلاصۂ بحث کے طور پر انھوں نے فرمایا۔ فجزاه اللّٰه خیر الجزاء۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی حنفی المذہب نہیں تھے کہ آپ کہیں کہ منہ سے یہ بات کہہ دی ہے اور نہ غیر مقلدوں کی جماعت کے ساتھ ضد و عناد رکھنے والے تھے اس وقت تو غیر مقلدین کا جماعتی طور سے وجود ہی نہ تھا۔ یہ تو انگریز کے دور کی پیداوار ہے انھوں نے محض اپنی تحقیق کے مطابق فرمایا کہ فَقَدْ غلط فیه بعض الشامیین ..... الخ۔ ولله درّه۔

خلاصۃ الکلام فی حدیث محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود من اختلال النظام

۱ــــ اوّل اور دوم راوی دونوں مدلّس ہیں اور روایت معنعن نقل کرتے ہیں اور غیر صحیحین میں ایسی روایت قابلِ حجت نہیں ہوتی ۔

۲ــــ اگرچہ بعض محدثین نے اوّل مُدلّس حدثنی مکحول نقل کیا ہے لیکن یہ کافی نہیں اور عن ۔ عن سے روایت ہے ۔ مکحول بھی مدلّس ہے ۔

۳ــــ اگرچہ مصنف خیر الکلام نے متابعات محمد بن اسحاق کے ذکر کیے ہیں تاکہ شبہ رفع ہو جائے لیکن وہ حقیقی متابعات نہیں ہیں تفصیل گزر چکی ہے اسی طرح مکحول کا متابع جو انھوں نے ذکر کیا ۔ وہ بھی فائدہ مند نہیں بنتا ۔ بیان گزر گیا ہے ۔

۴ــــ محمود کا سند میں لانا شاذ ہے اور یہ مکحول کے پانچ شاگردوں کے خلاف ہے ۔ ابن اسحٰق کے ثقہ کہنے سے شذوذ رفع نہیں ہوتا ۔ شاذ اسی کو کہتے ہیں کہ ثقہ اور ثقات کی مخالفت کرے ۔ مزید تفصیل گزر چکی ہے ۔

۵ــــ شاذ ہونے کے بعد یہ حدیث نہ حسن بن سکتی ہے نہ صحیح کہی جا سکتی ہے ۔ دونوں میں شرط ہے کہ روایت شذوذ سے خالی ہو ۔

۶ــــ اصل روایت مکحول عن عبادۃؓ مرسل ہے ۔ پانچ ثقات اسی طرح نقل کرتے ہیں ۔ امام بیہقیؒ نے فرمایا رواہ اہل الشام مرسلاً ۔

۷ــــ ترمذی ص۳۵۹ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکحول کا محمود سے سماع نہیں تو حدیث میں ارسال پایا گیا ۔ تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۸ج۱ میں ہے کہ مکحول یرسل کثیرا ویدلس ۔

۸ــــ مکحول کے دو شاگرد زید بن واقد (عند ابی داؤد) اور یزید بن یزید (عند البیہقی) سند میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃؓ ذکر کرتے

ہیں۔ اسی طرح مکحول کے دو رفیق اور متابع بھی نقل کرتے ہیں۔ حرام بن حکیم (عند النسائی والدارقطنی والبیہقی) اور عثمان بن الاسود (عند الدارقطنی)۔ ابن اسحٰق کی روایت ان چار ثقات کے بھی مخالف ہے۔ کل نو ثقات کے مخالف ہے۔ شاذ ہونے کے علاوہ نافع بن محمود مجہول الحال ہے۔ گزشتہ مزید بیان گزر چکا ہے نخبۃ الفکر ص۲۵ میں ہے: الشاذ ما یخالف فیہ الراوی من ھو ارجح منہ۔

۹ — ان حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس قرأت پچھلے لوگوں کی موجبِ ثقل بنی۔ نہ جہر کا کوئی اشارہ ہے اور نہ مازاد علی الفاتحۃ کا۔ تو نفس پڑھنا ہی ممنوع، مکروہ ہوا۔ اس کے بعد استثناء فاتحہ کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اس کی قرأت کراہت سے خالی نہیں ہوگی۔ اگر ممانعت جہر کی کی جائے تو استثناء سے فاتحہ کے جہر سے پڑھنے کا جواز بھی ثابت ہوگا مگر اس کا کوئی قائل نہیں۔

۱۰ — حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حدیث میں بعض شامی راویوں کو مغالطہ لگا ہے۔ استثناء سے صرف اباحت نکلتی ہے یعنی رفع حرمت اور عدمِ وجوب علی المقتدی کا ہے۔ اور یہ روایت فَاِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِھَا ثابت ہی نہیں تفصیل گزر چکی ہے۔

ان بیماریوں کا علاج کیا جائے۔ صحت کے حصول کے بعد میدانِ کارزار میں اس کو کھڑا کیا جائے۔

مصنف خیر الکلام کی فریب کاری ص۲۸۳

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اور فتویٰ سنیے لکھ کر ان کی وہ روایت لکھتے ہیں جس میں ہے کہ محمود بن الربیع کے ساتھ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ محمود نے سوال کیا تو فرمایا اس لیے پڑھی ہے کہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ عنقریب اس حدیث کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ یہ پڑھنا ان کا اجتہادی عمل تھا۔ عام عنوان والی حدیث کو مقتدی کے لیے بھی لے لیا اور امام

کے پیچھے بھی پڑھا۔ حالانکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو مقتدی کے بارے میں نہیں لیتے۔ وہ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ (ترمذی ص۷۱) فرما گئے ہیں۔ سفیان بن عیینہ راوی حدیث بھی ھٰذَا اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ فرما رہے ہیں (ابوداؤد)

بہر حال یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ بے شک حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسری جانب بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت ہے۔ زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ترک القراۃ خلف الامام کے قائل تھے۔ جو کہ سابقہ بیان ہو چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقتدی پر فاتحہ فرض نہ کہنے والوں میں شمار کیا ہے۔ مصنف خیر الکلام نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل اور فتویٰ کو منوانے کی اس طرح کوشش کی۔ اوّل نصف صفحہ میں ان کے مناقب لکھے تاکہ ان کو پڑھنے والا بلا تأمل فوری طور سے ان کی طرف جھک جائے اور قبول کرے اور ہمارا ساتھی بن جائے۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ مناقب سے مسائل ثابت نہیں ہوتے۔ مسائل دلائل سے ثابت ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم یا سنّتِ صحیحہ سے اور تعامل حضرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیے جاتے ہیں۔ بالمقابل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب شاید اس سے زائد آپ پائیں گے۔

مشہور بھی ہے اَلْعِبْرَۃُ لِمَا رَوٰی لَا لِمَا رَاٰی۔ دیکھئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں مناقب کثیرہ والے ہیں۔ جب وفات کا وقت قریب ہوا تو گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے نئے کپڑے اور عمدہ لباس تیار کر کے پہناؤ۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے: اَلْمَیِّتُ یُبْعَثُ فِیْ ثِیَابِہِ الَّتِیْ یَمُوْتُ فِیْھَا یعنی انسان ان کپڑوں میں اٹھے گا جن میں اس کی موت ہوئی ہو۔ شاید گھر والوں نے نئے کپڑے ان کو پہنائے ہوں گے (رواہ ابوداؤد ص۴۴۲ ج۲)۔ کیا آپ راوی کے فہم و عمل پر چلتے ہیں۔ یا یہ کہتے ہیں کہ یہ راوی کا اجتہادی نظریہ تھا۔ اس کی پابندی ضروری نہیں ؟ کیونکہ مراد حسی لباس نہیں

بلکہ اطلاق عملی ہے۔ مقتدی کو اتباع امام کا حکم ہے۔ اور یہ شان مقتدی کی ذات سے خصوصیت
اگر آپ حضرات امام محمد ... رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تحقیق کرتے
فرماتے الصلوٰۃ الا بالحمد ... تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ
کی حدیث کی مناسبت ... باب ... جابر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ...
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ لا قراءۃ مع الامام فی شیء
مسلم شریف ... صحیح ... روایت ... قرآن
فانصتوا ... آپ ... ثابت ہے ... صحیح
حدیث مقتدی پر قراءت فرض ہونے کی ... حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا اثر لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ ... کے بارے میں تھا جو بعض امام
انہوں نے ابھی تھی۔ انہوں نے ... صحیح حدیث تو بعض امام کی
قید سے خالی ہے ... ہے ... مقتدی پر بھی ...
یہ ان کا اجتہادی عمل تھا اس سے ... قابل ... جا سکتا ...
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمانا ... ہے۔ اسی طرح حضرت زید
بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ... ہے ... حدیث و اذا
قرأ فانصتوا کی صحیح حدیث ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل
بھی اسی کے موافق ہے۔ ان کی علمی شان تو اس قدر اونچی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا قرآن کریم ... سیکھنا اور پڑھنا ان ... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
سے کرو۔ ان سب میں اول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ بخاری
شریف ص ۵۳۶ج ۱ میں راوی فرماتے ہیں فبدأ بہ۔

الحاصل اگر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کسی دلیل سے آپ حجت
نہیں سمجھتے تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ خلاف امام عمل بھی ان دلائل سے چھوڑا
جا سکتا ہے محض اپنے مناقب کی فہرست اس باب میں ناکافی ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں مصنف خیر الکلام اور حضرت امام بیہقیؒ کا بیان مغالطہ سے خالی نہیں خیر الکلام ص۲۸۲

اوّل دعویٰ کرتے ہیں صحابہ کرامؓ سے بالعموم فاتحہ خلف الامام کا ثبوت۔ پھر اس کے بعد حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ يَقْرَءُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأَوَّلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَيَقْرَءُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ إِنَّهُ لَا تَجُوْزُ صَلوٰةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَشَيْءٍ مَعَهُ. وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ بِشْرٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ أَوْ قَالَ فَمَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (ترجمہ کیا) جابرؓ بن عبد اللہؓ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے اور فرماتے ہم یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ جس نماز میں فاتحہ اور کچھ اور اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ جائز نہیں ہوتی۔ بشر کی روایت میں ہے جس نماز میں فاتحہ یا زیادہ نہ ہو وہ نماز جائز نہیں ہوتی۔"

ترجمہ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ کا فاتحہ یا زیادہ نہ ہو کرنا غلط ہے۔ یا کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ ابن بشر کی جگہ بشر لکھ دیا۔ ممکن ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو کچھ اور خرابی بھی ہے لیکن اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل کیا:

وَهٰذَا اللَّفْظُ عَامٌ يَجْمَعُ الْمُنْفَرِدَ وَالْمَأْمُوْمَ وَالْإِمَامَ۔ کتاب القراءۃ ص۲۳

پہلے مصنف خیر الکلام کے دعویٰ اور دلیل کو دیکھیں۔ دعویٰ ص۲۸۲ میں فرمایا؟ "صحابہ کرامؓ سے بالعموم فاتحہ خلف الامام کا ثبوت۔" اور دلیل میں کہتے ہیں۔ جابرؓ بن عبد اللہؓ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے۔ کیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑھنے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بالعموم فاتحہ خلف الامام پڑھنا ثابت

ہوگیا ؛ اور اگر یہ مطلب ہے کہ صرف حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل نہیں تھے بلکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے قائل ہیں تو بھی اس کو بالعموم صحابہ کرامؓ سے ثبوت نہیں کہہ سکتے۔ ہم نے ان دوؔ کے بالمقابل تینؔ حضرات ذکر کر دیئے ہیں۔ حضرتؔ ابن عمر، حضرتؔ ابنِ مسعود، حضرتؔ زید بن ثابت کاتب وحی النبی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنھیں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تاركین فاتحہ خلف الامام فرما گئے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت وہی لوگ کہتے ہیں جو فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں۔ ان میں ان تینوں حضرات کا نام لیا ہے۔

درصل یہ اعتراض مَبْنیٰ کے فساد پر مَبنِی ہے۔ حدیث میں كَانَ يُقْرَءُ فِي الركعتين الاوليين ... الخ بصیغہ مجہول تھا یعنی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ اور کچھ بھی پڑھا جاتا تھا۔ اس سے بظاہر عموم کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ هٰذَا عام للمنفرد والماموم والامام یعنی یہ منفرد، مقتدی اور امام سب اس طرح پڑھا کرتے تھے اور اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ مقتدی بھی فاتحہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرات شافعیہ کا معمول ہے۔ مجہول کے صیغے میں (كَانَ يُقْرَءُ) یہ معنی بن جاتے ہیں۔ مصنف خیر الکلام کو مغالطہ لگا انھوں نے معلوم کا صیغہ (كَانَ يَقْرَءُ) سمجھ کر یہ معنی کر دیئے: "جابرؓ بن عبداللہؓ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے" اس معنی میں عموم کا اشارہ بھی نہیں۔ حالانکہ دعویٰ میں یہ کہہ گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بالعموم فاتحہ خلف الامام کا ثبوت: دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پڑھنا بیان کر دیا۔ یہ غلط فہمی ہے بلکہ یہ معنی سیاق کے بھی خلاف ہے۔ روایت یوں ہے: عَنْ جَابِرِؓ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ كَانَ يقرء فى الركعتين ... الخ۔ غور فرمائیں فرق سمجھ میں آ جائے گا کہ یہ کاروائی تو تنہا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی نہ کہ سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی۔

۲ ـــــ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ مقصد نماز کے ترکیبی اجزاء کا بیان ہے کہ نماز میں اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد کچھ اور بھی پڑھا جاتا ہے خواہ سورت ہو یا کچھ آیتیں ہوں۔ وَشَیْئٌ مَعَهَا سے یہی مراد ہے اس میں عموم احوال پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ منفرد ہو یا مقتدی ہو یا امام ہو سب فاتحہ کے ساتھ سورت یا کچھ اور آیات ملایا کرتے ہیں بلکہ اس میں صرف نماز کے بعض اجزاء ترکیبیہ کا تذکرہ ہے جیسے کہا جائے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ پڑھا کرتے ہیں۔ یہ بیان بالکل صحیح اور تام ہے۔ لیکن جب جماعت سے نماز پڑھنے کی تعلیم کا مقام ہو تو اس وقت اس طرح کہا جائے گا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہنا اور جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم خاموش ہو کر سننا اس کے بعد تم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھنا۔ اوّل مقام نماز کے اجزاء ترکیبیہ کا ہے۔ اگرچہ ظاہر الفاظ سے عموم سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن عموم مراد نہیں ہوتا۔ اس کو ابہام کہا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے یہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کی اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا کچھ آیات پڑھی جاتی ہیں اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور لوگ پڑھا کرتے ہیں۔ اس میں عموم احوال کا صرف ابہام ہے۔ عموم کا لفظ نہیں ہوتا۔ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عموم بنا کر مقتدی کو بھی شامل کر لیا ہے اسی طرح ان کی تابعداری میں مصنف خیر الکلام ص ۲۸۲ بھی فرماتے ہیں: "اس حدیث کے ظاہر سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ فاتحہ کو ہر نماز کے لیے لازم قرار دیتے تھے۔"

الجواب: آپ نے تو صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ذکر کیا ہے اس سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فاتحہ کو ہر نماز کے لیے لازم قرار دینا کیسے ثابت ہو گیا؟ آپ کا بیان تو حدیث کے مضمون کے ہی مخالف ہے بلکہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے بھی مطابق نہیں۔ وہ عموم بتاتے ہیں،

آپ منصوص عمل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتلا رہے ہیں۔

۲ ـــــ عموم کا کون سا لفظ آپ کو نظر آتا ہے؟ یہ تو امام کا عنوان ہے۔

۳ ـــــ تمام ص ۲۹۲ پڑھے ص ۲۹۲ بالعموم فاتحہ خلف الامام کا ثبوت اگر اس بیان سے سمجھتے ہیں تو اس میں تو یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اوّل دو رکعتوں میں ہم فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ملاتے تھے۔ بفاتحة الکتاب وسورة. بفاتحة الکتاب وشیٔ معها. بفاتحة الکتاب فما فوق ذلک. فما اکثر من ذلک ہاں پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے۔

کیا آپ کی جماعت اہلِ حدیث مقتدی کو اوّل دو رکعتوں میں سورة کے ملانے کا بھی حکم دیتے ہیں؟ اور کیا ایسا کیا کرتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل تو اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ یقرء فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة. پچھلی رکعتوں میں فاتحہ کا لفظ تو آپ نے بائیں آنکھ سے دیکھا مگر دائیں آنکھ کو بھی کھولیے۔ رکعتین اولیین میں فاتحہ و سورة بھی اسی حدیث میں ہے۔

۴ ـــــ آپ نے ص ۲۹۲ میں لکھا: فاتحہ یا فاتحہ اور زیادة کے بدون نماز جائز نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں تو فاتحہ صرف پچھلی رکعتوں میں پڑھنا بتایا گیا ہے۔ آپ فاتحہ سب رکعتوں میں پڑھنا بتاتے ہیں۔ آپ کا قول اور عمل مقتدیوں کے بارہ میں اس حدیث کے مخالف ہے۔ آپ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے عموم کا قول کرتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں تو مقتدیوں کو اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ وَشَیْءٌ معها پڑھنے کا بھی حکم دیں ہم تو اس کو نفسِ نماز کی تعلیم بتاتے ہیں۔ آپ عموم بنا کر مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں کہ اس حدیث میں عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل خلف الامام فاتحہ پڑھنا بتایا گیا ہے۔ حالانکہ صرف فاتحہ کا پڑھنا ہی بتایا گیا بلکہ اول دو رکعتوں میں وَشُوْرَة مَّعَهَا بھی فرمایا گیا ہے۔

۵ـــــ مصنف خیر الکلام کا ص۲۸۲ میں یہ کہنا بھی غلط ہے اس حدیث کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاتحہ کو ہر نماز کے لیے لازم قرار دیتے تھے کیونکہ حضرت جابرؓ نے کسی صحابی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

ابھی عنقریب گزر چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت وہی لوگ کہتے ہیں جو مقتدی کے لیے فاتحہ ضروری نہیں قرار دیتے۔ ان میں سے حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیا۔ اس کے بعد یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ تمام صحابہؓ فاتحہ کو ہر نماز کے لیے لازم قرار دیتے تھے بلکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں ہیں وہ تو لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو بیان کر کے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کی استثناء کرتے ہیں۔

بلکہ خود مصنف خیر الکلام نے ص۳۱ میں لکھا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کے متعلق لکھا ہے کہ وہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت کو صحیح سمجھتے تھے اس وقت ان کے ہاں مقتدی پر فاتحہ لازم نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص۴۲ میں ان کی حدیث نقل کی: عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَءْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کی طرح مقتدی پر فاتحہ لازم نہیں کہتے تھے۔

مگر افسوس کہ مصنف خیر الکلام نے اس کا حلیہ کیسا بگاڑا؟ اور کیسی نامعقول توجیہ کی۔ دیکھئے ص۳۱: ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس صورت کو ملحوظ رکھ کر فرمایا ہو، یعنی اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کا معنیٰ مراد یہ ہے کہ رکوع پانے والے کی نماز بلا فاتحہ پڑھے ہوئے ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس

قول کی انھوں نے یہ توجیہ کی اور یہ کہا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس صورت کو ملحوظ رکھ کر فرمایا ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ خیر الکلام ص۳۵ "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال مقتدی کے بارہ میں یہ تھا فاتحہ ضرور پڑھی جائے۔ مگر رکوع میں شامل ہونے پر وہ رکعت کی صحت کے قائل تھے" (سبحان اللہ العلی العظیم)

مشہور ہے: "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" ضد و عناد سے آنکھوں کی روشنی بھی کبھی کام نہیں کرتی۔ مصنف خیر الکلام کو توفیق ہوتی کہ ائمہ حدیث کے اقوال کو دیکھتے۔ ترمذی ص۴۲ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا: قال احمد فهذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ان هذا اذا کان وحده۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کے بعد فرمایا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں کہتے تھے۔ اسی لیے لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے بعد الا ان یکون وراء الامام کی استثناء کر رہے ہیں مرفوع حدیث کو هٰذَا لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَهٗ سے مخصوص کر رہے ہیں۔ اور مصنف خیر الکلام فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مقتدی کے بارہ میں یہ تھا کہ فاتحہ ضرور پڑھی جائے۔ یہ خالص جھوٹ اور خلافِ واقع ہے۔ بلکہ یہ تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بھی مخالف ہے۔ انما اجاز ادراک الرکعۃ بادراک الرکوع من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذین لم یروا القراءۃ خلف الامام..... الخ۔ یعنی صحابہؓ میں جو لوگ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔ وہ رکوع میں ملنے سے رکعت کا پالینا کہتے ہیں۔ مگر مصنف خیر الکلام نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرأت خلف الامام ضروری کہنے والا بھی بنا دیا اور رکوع پالینے سے رکعت کا ہو جانا بھی کہہ دیا۔ یہ حضرت امام

بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بالکل خلاف ہے۔ اتُمَّا اَجَازَ... الخ

تنبیہ حضرت جابرؓ وہ تین سابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ صرف یہی چار ترک القرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ بلکہ یہ صرف اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ مصنف خیر الکلام نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر قرأت خلف الامام کرنے والوں میں نام لے کر کیا ہے اور ان کے مناقب بیان کیے ہیں تاکہ حدیث مقبول ہو جائے۔ ہم نے بالمقابل چار کا ذکر کر دیا۔ اور ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ شان ذکر کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر علمی شان میں اتنا اعتماد تھا کہ فرمایا قرآن سیکھنا ہو تو ان چار سے سیکھو اور سب سے اول انہی کا نام لیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بخاری شریف ص۵۳۱ پ۱ میں دیکھ لیجئے۔

رہا اجمالی طور سے تارکین قرأتِ خلف الامام کی تعداد تو اکثریت معلوم ہوتی ہے فانتہی الناس عن القرءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ کا بیان گزر چکا ہے خواہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہو یا حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو۔

رہا مصنف خیر الکلام کا قول ص۲۸۲ میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بالعموم فاتحہ خوانی کا ثبوت۔ اس کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خلف الامام فاتحہ خوانی کا ذکر نہیں ہے یہ محض غلط بیانی کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان میں اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا مذکور ہے۔ یہ پڑھنا خلف الامام کہاں سے بن گیا؟ آپ کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں یا لوگوں کی آنکھوں میں غبار ڈالنا چاہتے ہیں؟

لَمْحَۃٌ فِکْرِیَّہ فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والے حضرات کبھی تو حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل اور فتویٰ سے استدلال کرتے ہیں جیسے مصنف خیر الکلام نے ص۲۸۳ پر ذکر کیا جس کا کچھ تذکرہ گزر چکا ہے۔ فی الحال ایک اور مقصد کے لیے اس کا

تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ محمودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے تو میں نے ان کو کہا: اَلَمْ اَسْمَعْكَ قَرَأْتَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ اَجَلْ اِنَّهُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا "کیا میں نے آپؓ سے سورۃ فاتحہ نہیں سنی؟ آپؓ نے فرمایا ہاں کیونکہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود ان کی دائیں جانب یا بائیں بازو میں کھڑے ہوں گے کہ ان کی قرأت محمود نے سنی اور ان سے دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں... الخ۔ کتاب القرأت ص۶۳ اور سنن الکبریٰ ص۱۶۸ ج۲ سے یہ روایت کی گئی ہے۔ لیکن امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص۱۲۰ پر یہی مضمون کچھ تفصیل کے ساتھ نافعؒ بن محمودؓ سے نقل کیا ہے:

عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری قال نافع ابطاء عبادة بن الصامت علی صلوة الصبح فاقام ابو نعیم المؤذن الصلوٰة. فصلی ابو نعیم بالناس. واقبل عبادة وانا معه حتی صففنا خلف ابو نعیم. وابو نعیم یجهر. فجعل عبادة یقرء بام القرآن فلما انصرف قلت لعبادة سمعتك تقرء بام القرآن وابو نعیم یجهر قال اجل (الی) الا بام القرآن۔

"یعنی نافع بن محمود فرماتے ہیں کہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز میں دیری کی تو ابونعیمؒ مؤذن نے نماز پڑھانی شروع کر دی۔ اس اثنائیں حضرت عبادہؓ آگئے اور میں بھی ساتھ تھا۔ ہم دونوں صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عبادہؓ ام القرآن (یعنی فاتحہ) پڑھنے لگے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے سورۃ فاتحہ سنی۔ آپ نے جہری نماز میں امام کے پیچھے پڑھی۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، میں نے پڑھی"

ان دونوں روایتوں کو ملا لیجیے۔ محمودؓ اور نافع بن محمود کا سوال ایک ہی ہے اور الفاظ بھی تقریباً ایک ہی ہیں اور دونوں کا مفہوم قرأت سننا بتاتا ہے کہ دونوں

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دائیں بائیں کھڑے تھے۔ ایک نے جب حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اور انھوں نے جواب دیا۔ تو دوسرے نے بھی سنا ہوگا پھر دوسرے کے سوال کرنے کے کیا معنیٰ ؟ اس کا سوال بھی یہی ہے جو دوسرے نے دریافت کرلیا اور جواب بھی مل گیا۔ ہاں دوسرے کو آپ بہرا بنائیں کہ اس نے اوّل کا سوال اور جواب نہیں سنا اور سوال کر دیا۔ تو یہ توجیہ ممکن ہو سکتی ہے لیکن اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ پھر اس بہرے نے قرأت کیسے سُن لی ؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ تو مقتدی تھے۔ مقتدی قرأت اونچی تو نہیں کرتا۔ دریں صورت بہرے کا سننا کرامت ہی ہوگی۔

بہرحال دوسرے کا سوال وجواب لغو بن جاتا ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ نے یہ تو فرما دیا کہ ممکن ہے کہ مکحول نے محمود اور نافع بن محمود دونوں سے یہ حدیث سُنی ہو۔ لیکن یہ بتانا ہوگا کہ باپ کے سوال وجواب کے بعد بیٹے نے سوال کیوں کیا ؟ جب کہ سوال وہی ہے جو باپ پوچھ چکے تھے۔ یہی بات فصل الخطاب ص۲۰ میں حضرت الشیخ الاستاد العلامہ مرحوم السید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرما گئے ہیں:

وَلَا اُرِیْدُ الْاِخْتِلَافَ فِی الرِّوَایَۃِ عَنْ مَحْمُوْدٍ اَوْ نَافِعٍ اِنَّمَا اُرِیْدُ صُوْرَۃَ السُّوَالِ فَبَعْضُھُمْ یَجْعَلُہٗ لِمَحْمُوْدٍ وَبَعْضُھُمْ لِنَافِعٍ بِعَیْنِ تِلْکَ الْاَلْفَاظِ۔ وَیُرَتِّبُ السُّوَالَ عَنْ عُبَادَۃَ عَلٰی سِمَاعِ کُلٍّ مِنْھُمَا عَنْہُ الْفَاتِحَۃَ وَھُوَ بِجَنْبِہٖ وَیُوَجِّہُ السِّمَاعَ مِنْہُ بِقُرْبِہٖ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ السُّوَالَ عَنْ اَحَدِھِمَا فَقَطْ وَالْوَاقِعَۃُ۔ یعنی ہمارا مقصد یہ نہیں کہ کوئی راوی مکحول عن محمود نقل کرتے ہیں اور کوئی مکحول عن نافع بن محمود کہتے ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ بعض روایات میں محمود کا حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرأت کے متعلق سوال کرنا مذکور ہے کہ آپ نے امام کے پیچھے قرأت کیوں کی ؟ اور بعض میں ہے کہ سوال کرنے والا نافع بن محمود ہے۔ انھوں نے قرأت یقیناً مخفی انداز میں کی ہوگی۔ امام کے پیچھے جہر کون کرتا ہے ؟ ایسی قرأت کا سننا ہی بتاتا ہے کہ

باپ اور بیٹا حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دائیں بائیں بازو میں کھڑے ہوں گے کیونکہ ایسی ہی قرأت بازو میں کھڑے ہونے والا ہی سنتا ہے جب کہ الفاظ حدیث کے الفاظ ہی حدیث میں مذکور ہیں جب دونوں آس پاس متصل کھڑے ہیں تو ان میں ایک نے سوال قرأت کے متعلق کیا دوسرا سنتا ہوگا۔ پھر اس کا سوال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب کہ اس کا سوال وہی ہے جو پہلے نے کیا۔ یہاں تک سوال کے الفاظ بھی ایک ہی ہیں اور جواب جو پہلے کو دیا گیا دوسرے کو بھی وہی جواب دیا گیا۔ اس سوال اور جواب کی تکرار کا کیا فائدہ؟ ایسے موقع میں دوسرے بہرے والے کو ڈانٹا جاتا ہے کہ تو بہرا ہے نہیں سنا کہ میں نے کیا کہا؟ پھر سوال کرنے کا کیا معنی؟ کیونکہ باپ اور بیٹے کے سوال و جواب کا ایک دوسرے کو ضرور پتہ ہوگا جب کہ نماز تو مسلمان کے لیے روزمرہ کا مسئلہ ہے۔ یقیناً سوال ایک نے کیا ہوگا۔ خاص کر جب کہ واقعہ بھی ایک ہی ہے۔ اگر بالفرض واقعہ متعدد آگے پیچھے ہی ہو جب بھی یہی بات اور اختلال اس حدیث میں پایا جاتا ہے حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان سے یہ اختلال رفع نہیں ہوتا جو یہ فرماتے ہیں کہ يُحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ مَحْمُوْلٌ سَمِعَهٗ مِنْهُمَا ۔ جب انھوں نے اس کا حل نہیں کیا تو غیر مقلدین کے مذہبی راہنماؤں کے ذمہ اس کا حل واجب رہ گیا۔ دلیل جب درست ہوگی کہ یہ شبہ دور کیا جائے۔ گمان یہ ہوتا ہے واللہ اعلم کہ یہ کارروائی کسی حذف کیے ہوئے راوی کی ہے جو ضعیف الحال ہوگا۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ مکحول مدلس بھی ہے اور کثرت سے ارسال بھی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں گزشتہ بیان گزر چکا ہے۔

شاید یہ کسی ایسے راوی کا تصرف ہو جو فاتحہ خلف الامام پڑھنا ضروری سمجھتا ہو اس نے کبھی محمود کی طرف اس بیان کو منسوب کر دیا ہو اور کبھی نافع بن محمود کی طرف اور اسی نے نہی عن القرأت خلف الامام کے جملہ لَا تَفْعَلُوْا کے بعد اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِهَا ضم کر دیا ہو۔ خواہ ارسال کی صورت ہو یا تدلیس

کی، احتمال قوی یہی فہم والی بات ہے۔

اس میں اصل روایت حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے جیسے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیحین میں نقل کیا لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ص۲ میں اسی کو فرمایا ھٰذَا اَصَحُّ۔ لیکن اَصَحُّ صحیح کے معنی میں ہے کیونکہ ابنِ اسحٰق کی روایت عَنْ مَکْحُوْلٍ عَنْ مَحْمُوْدٍ عَنْ عُبَادَۃَ رضی اللہ عنہ میں مکحول مدلّس ہے اور عَنْ سے روایت کرتا ہے۔ اسی طرح ابنِ اسحٰق کی ایسی روایت مشکوک بن جاتی ہے جو اَصَحُّ نہیں ہو سکتی۔ اس کا بیان گزر چکا ہے اسی وجہ سے حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو صرف حَسَنٌ ہی فرمایا ہے اور صحیح نہیں کہا۔ گزشتہ بیان گزر چکا ہے کہ حَسَنْ ہونا بھی مشکل ہے اور حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سَمِعْتُ مَحْمُوْدًا سَمِعْتُ عُبَادَۃَ رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے مروی ہے۔

اسی طرح گزشتہ حضرت امام بخاریؒ کا فرمان بھی گزرا ہے کہ وہ مکحول والی روایت کو اصل نہیں فرماتے بلکہ ھٰذَا اتبع لما رواہ الزھری عن محمود فرماتے ہیں۔ مکحول والی روایت کی نہ سند صحیح ہے اور نہ معنی ہی صحیح بنتے ہیں۔ بیان گزر چکا ہے۔ ہاں عام عنوان والی روایت صحیح ہے۔ لیکن اس کے عموم میں مقتدی کو داخل کرنا یہ فریق ثانی کا صرف ذہنی مفروضہ ہے۔ اس کے خلاف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ۔ صحیح ترمذی ص۳ میں آچکا ہے کہ اس عموم میں مقتدی داخل نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو حَسَنٌ صَحِیْحٌ فرمایا ہے۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ راویٔ حدیث ھٰذَا لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَہٗ فرما چکے ہیں۔ ابو داؤد کو دیکھ لیں یعنی فاتحہ کا ضروری ہونا اس شخص کے لیے ہے جو اکیلے نماز پڑھتا ہو۔ امام بھی اسی کے حکم میں ہے۔ شریعت نے مقتدی کو صرف استماع و انصات کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح حضرت

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی روایت میں فرمایا ہے۔ فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما جهر فیه۔ امام محمد ان کا فتویٰ بھی یہی ہے تکفیهم قراءة الامام فرما چکے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا ہے۔

امام کے ساتھ رکوع پا لینے سے رکعت کا مل جانا تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مُسلّم اصول ہے

گزشتہ بیان ہوا ہے کہ مصنف خیر الکلام نے تو فاتحہ خلف الامام پڑھنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمومی معمول بتایا ہے اور اس دعویٰ کی دلیل میں صرف حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان نقل کیا ہے۔ ہم لوگ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا آیتیں ملایا کرتے ہیں اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ هذا عام منفرد ومأموم وامام ان کو اس سے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا ثابت کرنا مقصود ہے۔ امام اور منفرد میں تو اختلاف ہی نہیں۔ وہ تو پڑھا ہی کرتے ہیں۔ اور اس کی تردید بھی گزر چکی ہے کہ اس میں تو فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا بھی بیان ہوا ہے۔ کیا آپ لوگ ان دونوں کے پڑھنے کا مقتدیوں کو حکم دیتے ہیں اور خود بھی پڑھا کرتے ہیں؟ آدھی بات کو لینا اور آدھی کو چھوڑنا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میں اگر مقتدی کا مسئلہ ہے تو آپ لوگ اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ اس کے بعد آپ کو اصل حقیقت بتانا چاہتا ہوں۔ دوسری جانب کو بھی دیکھ لیں پھر فیصلہ کریں۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔

ابو داؤد صفحہ میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ كان یطول فی الرکعة الاولیٰ ما لا یطول فی الثانیة یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نماز کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت سے قرأت کو طول دیا کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نمازوں میں کرتے تھے ایک روایت میں مزید فرمایا فَظَنَنَّا اَنَّہٗ یُرِیْدُ بِذٰلِکَ اَنْ یُّدْرِکَ النَّاسُ الرَّکْعَۃَ الْاُوْلٰی ۔ (ابوداؤد ص۱۱۴) یعنی ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ اس لیے کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رکوع کے مل جانے سے رکعت کا پالینا جانتے تھے۔ اسی لیے اس طول قرأت کی یہ حکمت بیان فرمائی۔ خواہ فاتحہ پڑھی ہو یا نہ، رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو رکعت مل جاتی ہے۔ اور گزشتہ گزر بھی چکا ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں تھے آکر مل گئے۔ لیکن انھوں نے آنے میں کچھ تیز رفتاری کی۔ سانس پھول گیا تھا اور صف سے قدم دو پہلے ہی جھک کر رکوع کر لیا تھا۔ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیوں ایسا کیا ہے؟ تو اس نے عرض کیا خَشِیْتُ اَنْ تَفُوْتَنِیْ الرَّکْعَۃُ ۔ کہ مجھے خوف ہوا کہ آرام سے جاؤں گا تو رکعت فوت ہو جائے گی۔ اس لیے جلدی کی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ رکوع کے پالینے سے رکعت کا پالینا جانتے تھے اسی لیے رکوع میں ملنے کی جلدی کی۔ انھوں نے فاتحہ یقیناً نہیں پڑھی۔ لیکن رکعت ہو گئی اور نماز صحیح ہو گئی۔ آپ نے ان کو نہیں فرمایا۔ نماز کا اعادہ کرو۔ کیونکہ تم نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ بلکہ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات خَشِیْتُ اَنْ تَفُوْتَنِیْ الرَّکْعَۃُ کی تردید نہیں کی تو یہ بیان ہے کہ اس کی یہ بات صحیح ہے، اسی کو تقریر النبیؐ عَلٰی شَیْءٍ کہا جاتا ہے اور یہ حجت بن جاتی ہے۔ ورنہ تقریر علی الباطل بن جائے گی۔ جو یقیناً ناروا ہے۔ گزشتہ بھی بیان گزر چکا ہے۔

الحاصل گزشتہ روایت میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل رکعۃ میں قرأت کا لمبا کرنا اس لیے ہوتا تھا کہ لوگ اوّل رکعت کو پالیں اور نماز مکمل مع الامام ہو جائے۔ یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ مقتدی قرأت

کے زمانہ میں امام سے جا ملے۔ خواہ آخر تک ہی ہو تو وہ رکعت کا پالینے والا ہوگا۔ جبکہ رکوع میں شامل ہو گیا ہو اور یہ گمان وہ صرف اپنا نہیں بتاتے بلکہ فرمایا فَظَنَنَّا أَنَّهُ يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يُدْرِكَ النَّاسُ الرَّكْعَةَ الأُولٰى۔ یہ جمع متکلم کے صیغہ سے بیان کرنا۔ فَظَنَنَّا بتاتا ہے کہ یہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی خیال وگمان تھا۔ آپ نے ابھی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل میں دیکھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات فاتحہ خلف الامام کا ضروری ہونا کہ اس کے بدون نماز نہیں ہوتی، اس کے قائل نہ تھے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ بات زیر نظر لائیں کہ رکوع کے پانے سے رکعت کا پانا وہ لوگ کہتے ہیں جو فاتحہ خلف الامام ضروری نہیں کہتے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شمار کیا۔ ہم نے ان کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو بھی ملا دیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوداؤد ص۸۹ کے روایت کے بیان والے اور مزید حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی جن کا تذکرہ ابھی گزرا۔ ان سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملا لیجئے۔ بلکہ اس سے زیادہ قوی صحیح اور صریح دلیل اس بارہ میں وہ ہے جو حضرت علامہ السید الشیخ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ فصل الخطاب ص۸۳ میں علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف المطالب العالیہ سے نقل فرمائی۔ فرمایا قال الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیۃ مسدد حدثنا یحیی عن سُفْیَانَ حَدَّثَنِی عبد العزیز بن رفیع عن شیخ من الْأَنْصَارِ قَالَ ان رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَسَمِعَ رَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم خَفْقَ نَعْلَيْهِ فلما سَلَّمَ قَالَ كَيْفَ ادرکتنا قال سجودٌ فسجدتُ قال كَذٰلِكَ فافْعَلُ ولا تعتدوا بالسجدة مالم تدرکوا الرکعۃ اِذَا رَأَيْتُمُ الإِمَامَ قَائِمًا فَقُوْمُوْا وَرَاكِعًا فَارْكَعُوْا وَسَاجِدًا فَاسْجُدُوْا وَجَالِسًا فَاجْلِسُوْا۔ صَحِيْح۔ آہ۔ یعنی انصار کے

شیخ نے فرمایا کہ ایک شخص مسجد میں آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جوتوں کی آواز سن لی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تم نے ہمیں کیسے پایا تھا؟ اس نے کہا کہ سجدہ میں پایا پھر میں نے بھی سجدہ کر لیا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی کیا کرو اور ایسے سجدہ کا اعتبار نہ کرنا جب کہ رکوع کو نہ پایا ہو۔ امام کو قیام میں پاؤ تو قیام کرو۔ رکوع میں پاؤ تو رکوع کرو۔ سجدہ میں ہو تو سجدہ میں شامل ہو جاؤ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث کئی حضرات محدثین کرامؒ نے روایت کی ہے لیکن میں نے مطالب عالیہ سے نقل کی کہ حضرت حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور فرمایا: وَهو عند آخرين أيضًا وانما نقلته من المطالب لتصحيحه اياه۔ (فصل الخطاب ص۸۳)

مزید فرمایا: وما قاله البيهقي في رسالته المعرفة انه مُرسَلٌ فانه يريد ما لم يُسَمّ صحابيه۔ یعنی امام بیہقیؒ نے جو اسے مرسل کہہ دیا ہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحابی کا نام نہیں لیا گیا۔ عَنْ شَيْخٍ مِنَ الْاَنْصَارِ کہہ دیا ہے لیکن اس سے کچھ نقص نہیں ہوتا۔ محدثین کا مسلم قاعدہ ہے الصَّحَابَة كُلُّهُمْ عُدُولٌ۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سب عادل ہیں۔ صحابی کی جہالت مضر نہیں ہے۔

بہر حال یہ صحیح و مرفوع حدیث اپنے مفہوم سے بتاتی ہے کہ رکوع کو پالینے سے رکعت مل جاتی ہے۔ اگرچہ فاتحہ نہ پڑھی ہو۔ اسی کو جانتے ہوئے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع میں ملنے کی کوشش کی تاکہ رکعت مل جائے۔ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَفُوْتَنِيَ الرَّكْعَةُ۔ گزشتہ بیان گزر چکا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت امام ابن خزیمہؒ اور بعض محدثین شافعیہ نے مذہبی پاسداری میں کہہ دیا کہ رکوع کے پانے سے رکعت نہیں ملتی کیونکہ فاتحہ نہیں پڑھی گئی اور یہ کہا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ رکعت اعادہ کی ہوگی۔ اگرچہ مذکور نہیں۔ (خیر الکلام ص۲۵۱) یہ صریح ناانصافی ہے اور اس صریح اور صحیح حدیث کے مخالف ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ یہ جب ہوگا

کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ خلف الامام کو فرض کہتے ہوں۔ پہلے آپ ان کا مذہب اس طرح ہونا ثابت کیجئے۔ یہ تو آپ کو ذہنی مفروضہ ہے۔ وہ ان کے ذمہ کیسے لگا سکتے ہیں؟ اسی طرح یہ کہنا بھی بیکار ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے جلدی اس لیے کی کہ رکوع ملنے کا ثواب پالیں جیسے مصنف خیر الکلام صفحہ ۲۱۵ نے کہا۔ انھوں (ابوبکرہؓ) نے اس لیے اتنی تکلیف کی کہ آنحضرتؐ کے ساتھ رکوع پا کر فضیلت میں شامل ہو جائیں۔ اگر ثواب پانے کے لیے یہ جلد بازی کی گئی ہے تو بتائیے کہ سجدہ کے ثواب پانے کے لیے بھی کبھی کسی نے ایسی عجلت کی ہے؟ خود صاحب واقعہ کا بیان تو یہ ہے اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَفُوْتَنِی الرَّکْعَۃُ۔ (جزء القرأت) کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ مجھ سے رکعت فوت ہو جائے گی۔ آپ نے مضاف محذوف نکال کر ثواب الرکعۃ کا معنی کر دیا کہ مجھے رکعت کے ملنے کا ثواب فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، اس لیے یہ جلد بازی کی۔ اس مضاف کی تقدیر ماننے کا آپ کے پاس کیا قرینہ ہے؟ اس میں تَوْجِیْہُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ نہیں تو اور کیا ہے؟ وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ میں مضاف نکالتے ہیں کہ مراد اہل القریۃ ہے کیونکہ قریہ تو در و دیوار اور اینٹ پتھر کا نام ہے اس سے سوال تو نہیں ہو سکتا۔ مراد اہلِ قریہ کیا کرتے ہیں۔ مگر خَشِیْتُ اَنْ تَفُوْتَنِی الرَّکْعَۃُ میں بتائیے کون سا استحالہ ہے؟ اور تقدیر کی کیا حاجت ہے؟ سوائے اس کے کہ آپ کا گھر نہیں بنتا اور مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس کو تحریف ہی کہا جائے گا۔ مجاز بلا قرینہ صارفہ نہیں لیا جا سکتا۔ یہ ٹھوکریں غلط چال سے لگتی ہیں۔ جہاں راستہ بند ہوتا ہے مجاز بنا دیتے ہیں۔

دیکھئے خیر الکلام صفحہ ۲۱۱ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا لَا یُقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے (الجوہر النقی ص ۱۶۱ علی البیہقی)، کیسی صاف اور صریح بات ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے فرمان کے مطابق ہے کہ وہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ

الکتاب کے بعد اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کی استثنا بھی کہتے ہیں اور ترمذی میں اس حدیث کو حَسَنٌ صَحِیْحٌ کہا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت پڑھنے کے قائل نہیں ہیں جیسے گزشتہ گزر چکا ہے لیکن مصنف خیر الکلام اپنی عادت کے مطابق راستہ بند ہو جائے تو بلا دلیل محض مطلب سازی کے لیے مجاز بنا کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ فرمایا لَا یَقْرَءْ خَلْفَ الْاِمَامِ کے معنی اس طرح کیے جائیں۔ یعنی امام کے پیچھے بلند آواز سے قرأت نہ پڑھی جائے۔ قرأت کا لفظ بول کر مراد جہر لینا قرینے کے بنا پر جائز ہے۔ (خیر الکلام ص۳۳) اس کے بعد آیت نقل کی اِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں قرأت سے مراد جہر سے پڑھنا ہی ہے۔ (سبحان اللہ) خدا جانے عقل کہاں چلی گئی؟ جناب یہاں تو حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وحی پڑھنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنانا مقصد ہے یہ تو خفیہ پڑھنے سے نہیں ہو سکتا۔ کیا امام کے پیچھے مقتدی بھی امام کو یا اور لوگوں کو سنایا کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں امام کے پیچھے بلند آواز سے قرأت نہ پڑھی جائے؟ اسی طرح دوسری آیت اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ میں کفار کو قرآن پڑھ کر سنانا مقصود ہے۔ یہاں تو جہر ہی سے پڑھنا مراد ہے۔ قرینہ دوسرے کو سنانا ہے۔ ان دونوں جگہ قرینہ جہر کا موجود ہے۔ مگر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ آپ لَا یَقْرَءْ خَلْفَ الْاِمَامِ میں جو فرمان حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے، جہر کی نفی کا قرینہ بتائیے جو آپ نے کہا یہ صرف آپ کے ضمیر کی مطلب ساز آواز ہے۔ بلکہ قائل کے فرمان کے بھی خلاف ہے یعنی اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کے۔ کیا لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص فاتحہ اونچی نہیں پڑھتا اور جہر نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ ہاں مگر یہ کہ امام کے پیچھے جہر کرتا رہے۔ کیا حدیث کا یہی مطلب ہے؟ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ

کی استثنار تو بقول آپ کے اسی کو چاہتی ہے کہ امام کے پیچھے جہر کرے۔ حالانکہ حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ میں تو نفس فاتحہ کا پڑھنا ضروری بتایا گیا ہے اور استثناء میں اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ میں نفس فاتحہ پڑھنے کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یہ سب کاروائی مصنف خیر الکلام کی تعصب کی پیداوار ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ ہمیں کسی کی تنقیص مقصود نہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعصبانہ رویہ کی ایک مثال عرض کر دوں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

مصنّف خیر الکلام کے متعصبانہ رویّہ کی شکایت

صـ۳۱۲ میں لکھتے ہیں اور پہلا اثر جس میں مقتدی کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب مقتدی رکوع میں شامل ہو تو اس وقت سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ (سبحان اللہ) یہ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ کی مراد بیان کر رہے ہیں۔ ہم پوچھنے کے حق دار ہیں کہ اس تخصیص کا کیا قرینہ ہے۔ رکوع میں ملنے والے کی تخصیص آپ نے کہاں سے نکالی؟ پہلے آپ ان کا مذہب قرأت خلف الامام کا فرض ہونا ثابت کریں پھر اس تقیید کی بات کیجئے۔ یہاں اس کہنے کی گنجائش بھی نہیں کیونکہ وہ تو امام اسحٰق بن راہویہؒ کے کلام میں اس کا ہونا بتا رہے ہیں جو بیہقیؒ نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت ہمارا سوال سب سے ہے یہ ان کی ذہنی تجویز ہے دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کی مجبوری کی حیلہ سازی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مراد ہونا ان کے بیان سے بتانی ہوگی۔ مصنف خیر الکلام تو صـ۳۰۵ میں فرما چکے ہیں کہ جو مسئلہ صحابہؓ میں اختلافی ہو وہاں کسی کا قول و فعل آخری سند نہیں ہو سکتا۔ یہی بات ہم نے کہی تھی کہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے تو یہ دلیل و حجت نہیں بن سکتی۔ دوسری

جانب بھی کبار صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال ہیں اور یہاں بھی ہم امام اسحٰق اور حضرت امام بیہقیؒ کی من مانی کاروائی کا ثبوت آپ سے پوچھتے ہیں آپ ان کی تقلید کرتے ہیں تو کریں تقلید بھی جب جائز ہو گی کہ اطمینان قلبی ہو۔ دوسروں پر بلا دلیل اور بجبر اس کو ٹھونسنا کہاں کا انصاف ہے؟

اس کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی زیر نظر رکھیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت کا پانا وہی لوگ کہتے ہیں کہ جو فاتحہ خلف الامام پڑھنا ضروری نہیں کہتے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کے ملنے والے کی نماز بلا فاتحہ جائز کہتے ہیں تو وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں ہوں گے۔

۲۔ خیر الکلام صفحہ ۲۹۶ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک بیان کرتے ہیں یزید بن شریک کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے پڑھنا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا: اقرء بفاتحۃ الکتاب قلت وان کنت انت قال وان کنت انا قلت وان جھرت قال وان جھرت یعنی میرے پیچھے اگرچہ جہری نماز ہو قرأت کیا کرو۔ دارقطنی، بیہقی وغیرہ۔ پھر لکھا یہ فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے لیکن بعض حنفیہ نے اس پر اعتراضات کیے کہ عجلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس کے راوی محمد یوسف نے ایک سو پچاس روایتوں میں خطا کی۔ اور ثوری سے افراد نقل کرتے ہیں۔ آخر میں لکھا صفحہ ۲۹۸ کہ محمد یوسف تقہ راوی ہے۔ وغیر ذلک۔

پھر جوابات میں لکھتے ہیں: ۱۔ جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہو گیا تو اس صورت میں ان کا تفرد کوئی مضر نہیں ہو گا۔ پھر کہتے ہیں کہ ایک سو پچاس غلطیاں تو ان کی حفظ کی دلیل ہے کہ حدیث کے اتنے ذخیرہ میں جو ان کے پاس تھا۔ صرف ۱۵۰ میں غلطی کی ہے۔ گویا یہ بہت بڑے ثقہ ہیں۔ سبحان اللہ العلی العظیم۔

ایک سو پچاس (۱۵۰) غلطیاں کرنا محدث کا ان کے ثقہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں۔ بتائیں کہ غلطی کرنے کا ثقہ ہونے میں کیا دخل ہے؟ مگر یہ نہ پوچھیے کیونکہ

اس کے بغیر گاڑی نہیں چلتی ۔

۲ ـــــ اتنے ذخیرہ میں ۱۵۰ غلطیوں کو ان کے کامل حافظے کی دلیل بناتے تو کچھ بات بن بھی جاتی ۔ انسان کو غلطی لگ ہی جاتی ہے۔ لیکن آپ نے تو غلطیوں کو ثقہ ہونا بلکہ فاضل ہونے کی دلیل بنا دیا ہے ۔ خیر الکلام ص۲۸۹ میں لکھتے ہیں بجز ایک سو پچاس غلطی کی ہے۔ گویا بہت بڑے ثقہ اور فاضل ہیں ۔ لوگ تو کہا کرتے ہیں فلاں نے یہ غلطی کی ہے ۔ اللہ معاف کرے ۔ آپ غلطی کرنے والے کو فاضل بنا رہے ہیں ۔ شاید آپ کی قوم میں یہ رواج ہوگا ۔ مدارس میں امتحان ہوتا ہے تو ممتحنین حضرات غلطیوں پر نمبروں میں کمی کرتے ہیں ۔ ایک درجن سے کم غلطی کرنے والے کو فیل کرتے ہیں ۔ آپ ایک سو پچاس غلطی والے صاحب کو پاس کرتے ہیں بلکہ اس کو فاضل کا لقب دیتے ہیں یہ مطلب سازی نہیں تو کیا ہے ؟ ایسے بزرگوں کی روایتوں سے فاتحہ خلف الامام کا فریضہ ثابت کرتے ہیں ۔ آپ کی قوم مانتی ہے تو بے شک پڑھتی جائے ہم تو ایسے فاضل کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتے ۔ ہم تو فرضیت کی قطعی دلیل مانگتے ہیں جو نادرد ہے ۔

۳ ـــــ ایک سو پچاس غلطیاں کرنا آپ اس کو اتنے ذخیرہ میں بہت کم بتا رہے ہیں تو بتائیے کہ اس کے پاس ذخیرہ حدیثوں کا کتنا بھاری تھا کہ ۱۵۰ ان میں کم ہو گئیں ۔ حدیث میں تو الثلث کثیر فرمایا ہے ۔ ساڑھے چار سو (۴۵۰) حدیثیں ہوں جب بھی یہ ثلث ہی بنتا ہے ۔ آپ کو اس سے زائد مقدار بالحوالہ بیان کرنی ہوگی اور ان کی تعیین کرنی ہوگی ۔ ورنہ غلط بیان کو واپس لینے کا قانون ہے ۔ قرآن شریف کا حافظ رمضان کی تراویح میں ۱۵۰ غلطیاں کرے تو روزمرہ پانچ بنتی ہیں ۔ کیا آپ اس کو کم کہیں گے ؟

۴ ـــــ اس کے بعد ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ نے خیر الکلام ص۲۸۹ میں فرمایا : جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہو گیا تو اس صورت میں ان کا تفرد کوئی مضر نہیں ہو گا ۔ اگر یہ واقعی دیانت داری سے کہتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں ۔ تو

وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوْا کی حدیث کی زیادۃ میں کیوں آپ کہا کرتے ہیں کہ اس میں سلیمان تیمیؒ متفرد ہیں اور لوگ اس کو نقل نہیں کرتے۔ آپ نے اس کا تفرد کیوں مضر بنا دیا ہے کہ وہ محمد یوسف مذکور سے جو ایک سو پچاس غلطیوں کے مرتکب ہیں، زیادہ ثقہ اور بخاری و مسلم کے فاضل راوی نہیں ہیں؛

اور اسی طرح لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے بعد فَصَاعِدًا نقل کرنے والے حضرت معمرؒ جو صحیحین کا راوی ہے، اس کی زیادۃ کو کیوں تفرد کے بہانے سے ٹالا جاتا ہے؟ اپنے گھر کا ۱۵۰ غلطیوں والا راوی جب ثقہ اور فاضل ہے تو حضرت معمرؒ جو اس سے اونچی شان و محل والا ہے اس کو کیوں محل طعن بنایا جا سکتا ہے؛ کیا یہ انصاف ہے؟

اس سے معلوم ہو گیا کہ خیر الکلام کی دکان کا یہ سامان بھی ناکارہ ہے۔ ان کے اپنے لوگ ہی شاید اس کو اپنا سمجھ کر آنکھیں بند کر کے خرید لیں تو ان کی مرضی، اور ایسا کرتے ہیں مگر یہ اصولِ انصاف کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالےٰ عدل و انصاف کی توفیق دے۔

اس کے بعد مزید حیرت کی چیز وہ ہے جو مصنف خیر الکلام نے صـ $\frac{۲۸۹}{۲۹۰}$ میں لکھی ہے:

سوال اس کی سند میں جوآب تیمی ہے۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ میں خرجان گیا تو وہاں جوآب تیمی تھا مگر میں نے اس کی روایت کی مطلق پروا نہ کی۔ احسن الکلام صـ $\frac{۵۷}{۲۶}$ ۔ مصنف خیر الکلام اس کا یہ جواب دیتے ہیں:

سفیان کا پروا نہ کرنا اس بنا پر تھا کہ وہ مرجیہ تھے۔ میزان صـ $\frac{۱۹۸}{۱}$ ۔ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: صـ ۲۹۰ ارجاء وغیرہ بدعات کے اعتراضات سے ثقہ ہونے میں خلل پیدا نہیں ہوتا۔ (سبحان اللہ)

ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ اور آپ فرماتے ہیں بدعات سے ثقہ ہونے میں خلل ہی نہیں آتا۔ کیا آپ کے ہاں

ضلالت اور ثقہ ہونا بھائی اور بہن ہیں۔ آپ کو ہم ثقہ کہتے ہیں اس کے ساتھ صاحب بِدْعَتْ اور ضَلاَلَتْ بھی کہہ دیں تو ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آپ نے صاف فرمادیا ہے کہ بدعت کے ارتکاب سے ثقہ ہونے میں نقصان اور خلل نہیں پیدا ہوتا۔ بدعت کو ضلالت حدیث میں فرمایا ہے۔ دونوں صفتیں لازم وملزوم ہیں لیکن آپ کی اس نرالی تحقیق سے شاید لوگ بے خبر تھے ورنہ جواب تیمی کے ذخیرہ علمی سے کیوں نفع نہ اٹھاتے؟ اچھا ہوا آپ کو اس کے فیوض و برکات پہنچے اور آپ کی مشکل آسان ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواب تیمی کی اس روایت کو جس سے آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فاتحہ خلف الامام کا قائل ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو حضرت سفیانؒ ناکارہ ہی سمجھتے تھے۔ جب حضرت سفیانؒ اس کو ناکارہ سمجھ کر چھوڑ چکے ہیں تو ان کے عقیدت مند حضرات محدثین بھی اس کو لازماً ناکارہ ہی سمجھتے ہوں گے۔ تو آپ کے اس استدلال میں جان نہ رہی حضرات حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ آپ کی تحقیق آپ کے مرید یا مقلد ہی مان سکتے ہیں آج تک تو ہم نے نہیں سنا کہ بدعات سے ثقہ ہونے میں خلل نہیں پڑتا۔

ہم تو کہتے ہیں کہ ارجاء کا مذہب اور عقیدہ اہل سنت وجماعت کے خلاف بدعت سیئہ چھوڑ کر کفر ملت کے خطرات میں ہے۔ آپ مشکوٰۃ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ص۲۲ ہے رواہ الترمذی: صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ: اَلْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔ میری امت کے دو گروہ ہیں جن کا اسلام میں کچھ نصیبہ خیر نہیں ہے۔ مرجئہ اور قدریہ۔ اس میں تو لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ ہے اور مصنف خیر الکلام فرماتے ہیں کہ مرجئہ ہونے سے ثقہ ہونے میں کچھ خلل نہیں پڑتا۔ آپ کو ان کے عقائد اور اعمال کا علم ہو جائے تو پھر پتہ لگ جائے گا کہ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ کیوں کہا گیا ہے؟ اور حضرت سفیانؒ کیوں ان سے بیزاری فرما کر جواب راوی حدیث عمر بن الخطاب کے فاتحہ خوانی کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور انکی حدیث کی پروا نہیں

کرتے۔ شاید آپ کی قوم بھی ان کے اعمال واقوال کو دیکھ کر ان سے بیزاری کا اعلان کرے۔ شاید صرف آپ ہی یہ جانیں کہ یہ کہا جائے کہ مرجئہ ہونے سے ثقہ ہونے میں کچھ خلل پیدا نہیں ہوتا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الایمان کو اٹھا کر دیکھیے۔ اس میں مُرجئہ کا عقیدہ اور قول یہ لکھا ہے لا یضر مع الایمان معصیۃ یعنی ایمان صرف عقیدہ کا نام ہے اور اعمال کیسے ہی ہوں ان کا کرنا کوئی نقصان دہ نہیں بنتا۔ خواہ ترک فرائض کریں خواہ فعل کبائر کریں۔ ایمان میں کچھ نقص و خلل نہیں آتا۔ نماز ایک نہ پڑھو، روزہ ایک نہ رکھو، زکوٰۃ ایک پیسہ نہ دو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ نہ عذاب نہ قرب خداوندی میں کچھ نمائی اور کمی آتی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے الفاظ یہ ہیں: ولو فعل ماذا او ترك ماذا کچھ بھی عمل کرتا ہے اس کا درجہ انبیاء کا درجہ ہوگا۔ زنا، چوری، ڈاکہ، قتل جیسے اعمال سے بھی کچھ نقصان نہیں آتا۔ یہ ہے نظریہ مرجئہ کروہ کا۔

مزید تفصیل کتاب الایمان میں ہے۔ ان کے اقوال ظلمات بعضها فوق بعض ہیں۔ بعض تو ایسے اقوال ہیں کہ ان کا نقل کرنا بھی طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ لیکن مصنف خیرالکلام فرما رہے ہیں کہ "ارجاء وغیرہ بدعات کے اختیار سے ثقہ ہونے میں خلل پیدا نہیں ہوتا"

جناب! جب مرجئہ کے مسلک میں جھوٹ بولنا جرم ہی نہیں ہے جیسے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا قول ہے: لا یضر مع الایمان معصیۃ تو آپ ان کی باتوں پر کیسے اطمینان کر سکتے ہیں اور اس جواب تیمیہ کو کیسے ثقہ کہہ سکتے ہیں؟ یہ سوائے فریب کاری کے اور کیا ہے؟ قوم کو اگر مرجئہ کے مردود مذہب کی خبر نہیں تو آپ تو شاید جانتے ہوں گے۔ پھر یہ جملہ کہہ کر اس کو دھوکہ میں کیوں ڈالا گیا ہے؟ کیا ایسی کتاب کا نام خیرالکلام رکھنا درست ہے؟ کیا تھوڑے نفع کے لیے زیادہ نقصان کرنا دانشمندی ہے؟

ہاں اگر آپ کو ان کی سیادۃ دانی نہیں تو معذور ہو سکتے ہیں۔ مگر آپ تو دفعہ حاضرہ کے غیر مقلدین کے استاذ الکل اور عمدۃ المحدثین ہیں؟ ع

بت زیب دعویٰ خدائی کا

مصنف خیر الکلام کا حنفیہ کو مرجیہ کہنا دروغگوئی ہے

آپ جانتے ہیں کہ حنفیہ کو مرجیہ متبدعین کے اقوال و نظریات کے خلاف ہیں۔ ترک فرائض اور ارتکاب کبائر کو موجب نقصان دین کہتے ہیں اور عامل کو مجرم اور مستحق عذاب خداوندی فرماتے ہیں۔ انھیں کیسے مرجیہ کہا جا سکتا ہے؟ وہ تو مرجیہ کے نظریات کی تردید کرتے ہیں اور ان کو بدعتی اور خارج جماعت اہل سنت سے قرار دیتے ہیں۔ بعض غیر مقلدین کے راہبر متعصبانہ اور ظالمانہ رویہ سے حضرات حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو مرجیہ میں شمار کر کے خیانت اور بددیانتی کا ثبوت دیتے ہیں۔ عبد الجبار [illegible] نے اپنے رسالہ النبیان میں یہی چال چلی۔ اور مصنف خیر الکلام نے بھی قوم کو یہی سبق دیا۔ ص۲۹ میں لکھتے ہیں۔ حنفیہ کو شیخ عبد القادر جیلانی نے مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔ یہ صرف اپنی عقیدہ کاری پر پردہ ڈالنے کے لیے لکھا ہے تاکہ لوگ میری چالاکی اور جعل سازی سے مجھے سچا سمجھیں اور اس جہالت میں پھنس جائیں کہ مرجیہ ہونا ثقہ ہونے کے منافی نہیں۔ دیکھو شیخ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حنفیہ کو مرجیہ میں شمار کر رہے ہیں۔ جیسے ہم نے کہا۔

اس سے اس کا مقصد اس جواب مرجیہ کو جسے حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے نظر انداز کیا۔ اس کو مصنف خیر الکلام ثقہ کہہ کر سینے اور گلے سے لگا کر اس کی روایت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل تھے" اسی لیے ص۲۹ لکھتے ہیں پس اس اعتراض سے کہ جواب مرجیہ سے ہے، راوی غیر معتبر نہیں

نکلتا۔ اس میں یہ خیانت کی کہ قوم کو مرجئہ کے نظریات سے آگاہ نہیں کیا کہ وہ کیسے بزرگ لوگ ہیں؟ وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيْمَانِ مَعْصِيَةٌ یعنی نمازیں نہ پڑھنا، روزے نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس سے کچھ ضرر دین کا نہیں ہوتا، نہ اس کی سزا، بد ملنے کا خطرہ کیا جائے۔ شراب نوشی، زناکاری، چوری وغیرہ سے دین میں کچھ کمی نہیں آتی۔ ان کے باوجود آدمی ثقہ اور پکا مسلمان اور بزرگ رہتا ہے۔ صرف توحید و رسالت کے ماننے کا نام ایمان ہے۔ یعنی زبانی اسلام ہی کافی ہے۔ اس کے بعد اعمال کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ فرائض کا ترک کرنا کبائر کا ارتکاب کرنا نقصان دہ نہیں بنتا۔ مزید تفصیل حضرت امام ابن تیمیہؒ کی کتاب الایمان میں بیان کی گئی ہے اور ان کے نظریات کی تردید نہایت شاندار انداز میں فرمادی ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء امت پر بڑا احسان فرمایا کہ انکی خرافات سے آگاہ کردیا۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حنفیہ کو مرجئہ میں سے شمار کیا ہے تو اس کا بیان آرہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔ وَمِنَ الْهِدَايَةِ۔

افسوس تو اس کا ہے کہ مصنف خیر الکلام نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کو مرجئہ کہنے کی وجہ تسمیہ محدثین کرامؒ نے یہ لکھی ہے کہ ارجاء، تاخیر کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ای موخرون اور مرجئہ فرقہ نے اعمال کو مؤخر کردیا ہے کہ یہ ساقط الاعتبار ہیں لانھم اخروا العمل عن الایمان۔ یعنی صرف ایمان کو کافی اور وافی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيْمَانِ معصیۃ کا اعلان کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کیے گئے اور گمراہ فرقوں میں شمار کیے گئے ہیں۔

جب حال یہ ہے تو حنفیہ کرام کثرہم اللہ تعالیٰ کو انھوں نے مرجئہ میں کیسے

کہہ دیا اور بنا دیا۔ اپنے لوگوں کو یہ غلط کاری کیوں سکھاتے ہیں؟ عبدالجبار کندیلی غیر مقلد بھی اسی مجرمانہ حرکت میں رہے اور مصنف خیر الکلام بھی یہی غلط بیانی قوم کو بتا اور سکھلا رہے ہیں۔ کیا مَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَلَہٗ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا کی وعید ان کو اس وحشیانہ حرکت سے نہیں روکتی؟

اس غیبت میں تو لُحُوْمُ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَۃٌ کا مقولہ زیر نظر رکھنا تھا۔ میں ان کی غیبت نہیں کر رہا۔ صرف ان کی قوم کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان کے کلام پر اعتماد کرنے کی بجائے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب الایمان کا مطالعہ کریں اور گمراہی اور غلط کاری سے اپنے کو بچا لیں۔

حنفیہ نے کب اعمال کو مؤخر عن الاعتبار کیا ہے۔ جیسے وہ لوگ کر رہے ہیں۔ حنفیہ تو ادروں سے زیادہ اعمال کا اعتبار کرتے ہیں۔ آپ لوگ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں حنفیہ موافق سنت تین پڑھتے ہیں۔ تم وتر کو سنت کہتے ہو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔ آپ تراویح آٹھ پڑھتے ہیں۔ حنفیہ بلکہ تمام ائمہ کرام مع ان کے مقلدین کے از شرق تا غرب، از شمال تا جنوب بشمولیت حرمین شریفین بیس ۲۰ پڑھا کرتے ہیں۔ تم ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہو حنفیہ دو ہاتھوں سے کرتے ہیں تم نوافل نہیں پڑھتے وہ نوافل بھی پڑھتے ہیں۔ تو ان کے اعمال تو تم سے زیادہ ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے مرجئہ تو غیر مقلدین بن گئے کہ عمل میں کمی کا راستہ اختیار کیا۔

یہ باتیں ضمنی طور سے آگئی ہیں کہ انھوں نے بلا سوچے سمجھے حنفیہ کو مرجئہ کہہ دیا ہے اور احناف کو مرجئہ کس اعتبار سے کہتے ہو؟ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہم حنفیہ کو تو مرجئہ نہیں کہا۔ ہمارے لوگوں نے کب مرجئہ کے بدترین عقائد لوگوں کو بتائے اور سکھائے؟ ہم تو ایسے عقیدہ پر لعنت بھیجتے ہیں انھوں نے یا تو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں سمجھی یا شقاوت قلبی سے دھوکہ دے کر لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ من شر الشیطٰن والطغیان۔

حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو دیکھیں جو انھوں

نے تفہیمات ج۲ ص۲۷ سے لے کر ص۲۹ ج۲ تک مبسوط فرمایا ہے۔ مختصر سی کلام درج کرتا ہوں۔ طالبِ حق کو شفا رہو جائے گی۔

التفهيم في حل كلام الشيخ الجيلاني رحمه الله تعالى وَعَدِّهِ الْحَنَفِيَّةَ مِنَ الْمُرْجِئَةِ۔ ما نصه: فقد سألني سائل عَنْ قَوْلِ إِمَامِ الطَّرِيْقَةِ قُطْبِ الْحَقِيْقَةِ الشَّيْخِ عبد القادر الجيلاني رَحِمَهُ الله تعالى عند ذكر الفرق الغير الناجية في الْغُنْيَةِ. قسم الْمُرْجِئَة اثنتي عشرة فرقة. فرقة منهم حنفية

اس کے بعد بعض لوگوں کا کلام نقل کر کے فرماتے ہیں: يرد عليه وجهان مِنَ الْاِعْتِرَاضِ اَحَدُهُمَا اَنَّ الْحَنَفِيَّةَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ باتفاق مَنْ يُعْتَدُّ بِهٖ فلا يَصِحُّ عَدُّهَا مِنَ الْمُرْجِئَةِ وَتَعْيِيْنُهَا وَحُكْمُ بِاَنَّهَا غَيْرُ نَاجٍ۔ یعنی جن لوگوں نے حنفیہ کرام کو اہل السنت سے خارج فرقوں میں شمار کیا ہے اور ان کو فرقِ ضالہ میں سے قرار دیا ہے۔

اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں اول یہ کہ حنفیہ کرام ان اہل حق کے نزدیک جن کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ حنفیہ کو اہل السنت والجماعت میں سے قرار دیتے ہیں۔ پھر ان کو اہل سنت سے خارج کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ اور ان کو مرجئہ ضالہ سے کیسے مناسبت ہے؟

وثانيهما انه بيّن العقائد التي سُمِّيَتْ لِاَجْلِهَا الْمُرْجِئَةُ مُرْجِئَةً وَجَعَلَ الْحَنَفِيَّةَ مِنْهُمْ فَكَانَ مُقْتَضٰى كَلَامِهٖ اَنَّ الْحَنَفِيَّةَ قَائِلُوْنَ بِهَا يَعْتَقِدُوْنَ اِيَّاهَا وَلَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔ قَالَ اِنَّمَا سُمُّوْا مُرْجِئَةً لِاَنَّهَا زَعَمَتْ اَنَّ الْوَاحِدَ مِنَ الْمُكَلَّفِيْنَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَفَعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ سَائِرَ الْمَعَاصِيْ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ اَصْلًا۔ وَمِمَّا لَا شَكَّ فِيْهِ اَنَّ الْحَنَفِيَّةَ بَرِيْئُوْنَ مِنْ هٰذَا الْاِعْتِقَادِ۔

یعنی دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت جیلانیؒ نے وہ عقائد بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے مرجئہ کو مرجئہ کہتے ہیں اور حنفیہ کو ان میں شمار کیا ہے۔ تو اس کلام کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ حنفیہ بھی ان کے قائل ہوں اور ان کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ حالانکہ حنفیہ کرام نہ ان کے قائل ہیں اور نہ معتقد۔ انھوں نے فرمایا کہ مرجئہ ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جس مکلف نے کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لیا اس کے بعد وہ جتنے بھی گناہ کرتا رہے اس نے آگ میں نہیں جانا ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات حنفیہ کرام اس اعتقاد سے بری اور بیزار ہیں پھر حنفیہ کو مرجئہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

قُلْتُ اَلْاِرْجَاءُ اِرْجَاءَانِ۔ اِرْجَاءٌ یَخْرُجُ بِہِ الْقَائِلُ مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَاِرْجَاءٌ لَا یَخْرُجُ بِہٖ۔ اَمَّا الْاَوَّلُ فَھُوَ اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّ مَنْ اَقَرَّ بِاللِّسَانِ وَصَدَّقَ بِالْجَنَانِ لَا یَضُرُّہٗ مَعْصِیَۃٌ اَصْلًا وَالثَّانِیُ اَنْ یَعْتَقِدَ اَنَّ الْعَمَلَ لَیْسَ مِنَ الْاِیْمَانِ وَلٰکِنَّ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ مُتَرَتِّبٌ عَلَیْہِ۔ وَسَبَبُ الْفَرْقِ اَنَّ الصَّحَابَۃَ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعُوْا عَلٰی تَخْطِیَۃِ الْمُرْجِئَۃِ فَقَالُوا الْعَمَلُ یَتَرَتَّبُ عَلَیْہِ الثَّوَابُ وَالْعَذَابُ فَکَانَ مُخَالِفُھُمْ ضَالًّا مُبْتَدِعًا۔

جواب یہ ہے کہ ارجاء کی دو صورتیں ہیں ایک سے شخص اہل السنّت سے نکل جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ اعتقاد رکھے کہ صرف تصدیقِ قلبی اور اقرار توحید و رسالت کو کافی کہا جائے۔ اعمال واجبات ہوں یا فرائض ان کا ترک کرنا مضر نہ کہا جائے اور اسی طرح کبائر کا کرنا نقصان دہ نہ مانا جائے لَا یَضُرُّ مَعَ الْاِیْمَانِ مَعْصِیَۃٌ کا عقیدہ رکھا جائے یہ ضلال ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اعمالِ مذکورہ کو ضروری مانتے ہوئے تارک کو مستحق عذاب و عقابِ خداوندی جانتے ہوئے یہ کہے کہ یہ اجزاء ایمان کے اجزاء حقیقیہ نہیں ہیں مگر حقیقت سے خارج ہوتے ہوئے بھی تارک کو فاسق

کہا جائے۔ ثواب ان اعمال کے کرنے پر اور عقاب ترک پر مرتب ہونا عقیدہ رکھا جائے۔ یہ اہل السنت کا مسلک ہے۔ یہی حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام کا اجماعی قول ہے۔ اسی بنا پر مرجئہ کو خطا کار اور گروہ اہل السنت سے خارج کہا جاتا ہے۔ ضال اور مبتدع فرقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان واضح البیان کے زیر خاطر لانے کے بعد میں عام اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرنے والے حضرات سے پوچھتا ہوں کہ وہ اپنے علماء سے کیوں نہیں پوچھتے کہ تم حنفیہ کو مرجئہ کیوں کہتے ہو؟ جب کہ وہ مرجئہ کے نظریات سے بیزار ہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ جب حنفیہ مرجئہ کے ان عقائد کی نہ تو اشاعت کرتے ہیں نہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو پھر ان کو مرجئہ کہنا جھوٹ اور قوم کو دھوکہ دینا ہی ہوا۔

اگر وہ کہیں کہ ہم تو حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا حوالہ دے کر کہتے ہیں تو یہ ان کی قلتِ فہم کی دلیل ہے۔ تفہیمات میں اس کے بعد ان کا فرمان یہ ہے وَالْاِمَامُ ابوحنيفة مِنْ كِبَارِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاَئِمَّتِهِمْ نَعَمْ نَشَأَ فِيْ اَهْلِ مذهبه والتابعين له فِي الْفُرُوْعِ آرَاءٌ مُخْتَلِفَةٌ فَمِنْهُمُ المعتزلة كَالْجُبَّائِيْ وَاَبِيْ هَاشم والزمخشري ومنهم المرجئة ومنهم غير ذلك فَهٰؤُلَاءِ كَانُوْا يَتَّبِعُوْنَ اَبَا حَنِيْفَةَ فِي الْفُرُوْعِ الْفِقْهِيَّةِ وَلَا يَتَّبِعُوْنَهُ فِي الْاُصُوْلِ الْاِعْتِقَادِيَّةِ وَكَانُوْا يَنْسِبُوْنَ عَقَائِدَهُمُ الْبَاطِلَةَ اِلَى الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَرْوِيْجًا لِمَذْهَبِهِمْ وَيَتَعَلَّقُوْنَ بِبَعْضِ اَقْوَالِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَانْتَهَضَ لِذٰلِكَ اَهْلُ الْحَقِّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ كَالطَّحَاوِيْ وَغَيْرِهٖ فَبَيَّنُوْا مَذْهَبَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَذَّبُوْا مَا نَسَبُوْا اِلَيْهِ وَكَشَهَدُوْا لِذٰلِكَ نُصُوْصَ

كَثِيْرَةٌ ۔ لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ رَاجَعَ الْكُتُبَ ۔ فَبَيْنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمُرْجِئَةِ عُمُوْمٌ وَخُصُوْصٌ مِنْ وَجْهٍ ۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اہل السنت کے بڑے مشائخ میں سے ہیں اور مذہبی امام ہیں ۔ ہاں ان کے مذہبی تابعداروں میں مختلف خیال والے لوگ پیدا ہوئے ۔ معتزلہ ، مرجئہ وغیرہ ۔ یہ لوگ فقہ کے فروعی مسائل میں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے تھے ۔ کیونکہ حضرت امام کی عام شہرت اور مقبولیت تھی ۔ ان کے مذہب میں آکر لوگوں کو حنفی ظاہر کر کے اپنے فاسد خیالات کی ترویج کیا کرتے تھے مگر اصولِ اعتقادیہ میں ان کی متابعت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے باطل عقائد حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور یہ غلط کاری اپنے باطل خیالات کی ترویج کے لیے کرتے تھے ۔ ان کی اس فریب کاری سے بچانے کے لیے اہلِ حق حضرات اور اہل السنۃ کے مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے امام طحاویؒ اور بعض اور علماء حقانی نے حقیقی مذہب اور صحیح قول جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اصول عقائد کے متعلق تھا لکھا ۔ اور ان غلط کاروں نے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو اپنے ضمیر کے اقوال منسوب کیے ان کی تردید فرمائی ۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ حنفیہ اور مرجئہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے ۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وظهر ان الشيخ رضى الله عنه مَا اَتَّهَمَ الْاِمَامَ اَبَا حَنِيْفَةَ وَلَا الْمَاتُرِيْدِيَّةَ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ اعاذه الله تعالى من ذلك وَاِنَّمَا نَسَبَ مَا نَسَبَ اِلٰى قَوْمٍ مِنَ الْمُرْجِئَةِ مُنْتَسِبِيْنَ اِلَى الْاِمَامِ فِى الْفُرُوْعِ يَتَعَلَّقُوْنَ بِظَاهِرِ قَوْلِهٖ وَيَحْمِلُوْنَ كَلَامَهٗ عَلٰى غَيْرِ مَحْمَلِهٖ ۔ (تفہیمات ص۲۹ ج۱)

یعنی اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت امام شیخ جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو ارجاء کی نسبت سے متہم کیا ہے اور نہ ان کے

متبعین کو جو امام ابو منصور ماتریدیؒ کے مسلک پر چلنے والے ہیں۔ اللہ تعالے ان کو ارجاء کی لعنت سے پناہ میں رکھے۔ ہاں انھوں نے صرف ان لوگوں کو خارج اہل السنت سے فرمایا ہے جو لوگ اصل میں مرجئہ کے نظریات والے تھے صرف فقہ کے فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو اختیار کیے ہوئے تھے تاکہ ارجاء کا مرض حنفیہ میں پھیلائیں۔ وہ ظاہر میں امام ابو حنیفہؒ کے بعض اقوال سے تمسک بھی کرتے تھے لیکن ان کو صحیح حد سے پھیر کر اپنی اغراضِ فاسدہ کے سانچے میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ کے حضرات حنفیہ سب کے سب امام ابو حنیفہ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک والے اہل السنت والجماعت کے طریقہ پر قائم و دائم ہیں اور عقائد میں ماتریدی مسلک والے ہیں۔ صانهم الله عن شر الشيطن۔ ان کو غیر مقلدین کے راہنماؤں کا مرجئہ کہنا ظلمِ عظیم ہے۔ جیسے مصنف ظفر الاسلام اور مصنف تبیان او کاڑوی نے لکھا ہے۔

حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پھر پڑھیں اور اپنے بیان کی تصحیح اور سلامتی کی فکر کریں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

آپ کے مزید اطمینان کے لیے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بھی پیش خاطر کرتا ہوں۔ آپ ان کی کتاب الایمان ص۳۶ کو اٹھا کر پڑھیں۔ فرماتے ہیں: من رحمة الله بعباده المسلمين ان الائمة الذين لهم لسان صدق فی الامة الائمة الاربعة وغيرهم كمالكؒ والثوريؒ والاوزاعيؒ والليثؒ وكالشافعيؒ واحمدؒ واسحٰقؒ وابي عبيدؒ وابي حنيفةؒ وابي يوسفؒ ومحمدؒ كانوا ينكرون على اهل الكلام من الجهمية قولهم في القرآن والايمان وصفات الرب وكانوا متفقين على ما

کمال علیہ السلف اور منہاج السنۃ ص۲۳۵ ج۲ میں فرمایا : وَالْحَنَفِیَّۃُ بِحَمْدِ اللّٰہِ مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ۔

یعنی اللہ کی کرم فرمائی اور رحمت کاملہ ہے مسلمانوں پر کہ یہ حضرات جن کے نام لیے گئے۔ فرقہ جہمیہ کی جو مرجئہ ہی کی ایک شاخ ہے اور اہل السنت کے خلاف کئی مسائل میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ سب حضرات اپنے زمانہ حیات میں ان کی بدعات کی تردید کرتے رہے اور لوگوں کو ان کے خیالات فاسدہ سے آگاہ کرتے رہے اور یہ سب مذکورین حضرات سلف صالحین کے طریق مستقیم تھے اور دوسری جگہ انھوں نے فرمایا کہ حضرات حنفیہ بحمد اللہ اہل السنت میں سے ہیں۔

اس کے بعد مصنف خیر الکلام اور مصنف تبیان کی بات کو بھی دیکھیں کہتے ہیں حنفیہ مرجئہ ہیں۔ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالےٰ نے ان کو مرجئہ کہا ہے غیر مقلدین کو صرف ضد اور عداوت ہی نے اس جھوٹ پر آمادہ کیا ہے شیخ جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو حقیقتاً مرجئہ عقیدہ رکھتے ہوئے حنفی صرف فروعی مسائل میں بن گئے جیسے مفسر کشاف معتزلی عقیدہ والے ہیں۔ جگہ جگہ تفسیر میں مذہبی اشارات کرجاتے ہیں لیکن صرف فروعی اور فقہی مسائل میں حنفی المسلک ہو کر چلتے ہیں۔

عقیدہ طحاویہ کی شرح میں ہے : وَاَرْدَءُ مِنْ ذٰلِکَ التَّعَصُّبُ عَلٰی مَنْ یَعْتَدِ ھِمْ وَالْزَامُہٗ لِمَنْ یُخَالِفُ قَوْلَہٗ بِمَا لَا یَلْزَمُہٗ وَالتَّشْنِیْعُ عَلَیْہِ وَاِذَا کُنَّا مَاْمُوْرِیْنَ بِالْعَدْلِ فِیْ مُقَابَلَۃِ الْمُشْرِکِیْنَ وَاَنْ نُجَادِلُوْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَکَیْفَ لَا یَعْدِلُ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا۔

یعنی سب سے بدترین چیز تعصب ہے اپنے مخالف پر اور اس پر

بے جا باتوں کا الزام لگانا اور تشنیع کرنا ہے اور جب کہ ہم کو حکم کیا گیا ہے کہ مشرکوں سے بھی عدل کرو اور بھلے اچھے طریقے سے ان سے گفتگو کرو تو مسلمانوں سے تو اس سے بہتر سلوک کرنا مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان مؤکد عنوان سے آچکا ہے کہ کسی قوم کی مخالفت اس پر نہ سے آسنے کہ ان سے بے انصافی کی جائے۔

سید محمد مرتضی الزبیدی الحسینی نے عقود الجواہر المنیفہ میں حضرت حافظ ابن ابیر سے نقل کیا: نقموا على ابی حنيفة الارجاء ومن اهل العلم من ينسب اليه الارجاء كثير ولم يعن احد بنقل قبيح ما قيل فيه كما عنوا بذلك على ابى حنيفة لامامته وكان يحسد وينسب اليه ما ليس فيه ويختلق عليه ما لا يليق به۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارجاء کی نسبت کی گئی اور ان کے علاوہ بھی اس طرح کی غلط بیانی کی گئی لیکن سب سے زیادہ قبیح باتوں کی نسبت امام کی طرف کی گئی کہ وہ عالیشان امام تھے لوگوں سے بعض حاسدین نے ایسی نسبت حاسدانہ انداز میں جھوٹی نسبت کر دی پھر فرمایا: لو كان ابو حنيفة مُرجئًا لكان اصحابه على رأيه وهم الآن موجودون على خلاف ذلك۔ حتى ان الصلوٰة عند ابى حنيفة خلف المرجئة لا تجوز۔ یعنی امام ابوحنیفہ مرجئہ میں سے ہوتے تو اس کے عقیدت مند اصحاب بھی اسی لئے پر ہوتے حالانکہ وہ اب بھی موجود ہیں اور مرجئہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں۔ بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ تو مرجئہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔

ہمارے زمانہ کے غیر مقلدوں کا بھی یہی حال ہے محض حاسدانہ عقیدت سے بلا وجہ حنفیہ کو مرجئہ کہے جاتے ہیں اور اپنی قوم کو گمراہی میں دھکیل رہے ہیں۔ حنفیہ میں انھوں نے کون سی مرجئہ کی بات دیکھی ہے؟ یہ محض افترا ہے

بہتان ہے اور خاص جھوٹ ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ والناس مطبقون علی ان اصحاب المذاهب الاربعة هم اهل السنة والجماعة مثل ابی حنیفة ومالک والشافعی واحمد وکل من تکلم فی مذهب ابی حنیفة درس وذهب حتی لا یعرف ومذهب ابی حنیفة باقٍ ملأ الارض شرقها وغربها واکثر الناس علیه۔ مختصراً۔ (عقود الجواهر المنیفة)

لوگ اتفاق کیے ہوئے ہیں کہ چاروں مذہب والے ائمہ اربعہؒ اور ان کے اتباع بفضل اللہ وکرمہ اہل السنت والجماعت میں سے ہیں اور فرمایا کہ جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر حاسدانہ کلام کیا وہ مٹ گیا۔ اور اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا اور مذہب امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا شرقاً غرباً زمین میں بھرا پڑا ہے اور اکثریت اہل اسلام کی اسی سے وابستہ ہے۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

آپ نے ابھی دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ حنفیہ کو مُرجئہ میں سے شمار کرتے ہیں۔ حاشا وکلا یہ نسبت یا تو نافہمی پر مبنی ہے اور یا فریب کاری پر۔ جیسے کہ واضح ہو چکا ہے کہ ان کا فرمان یہ ہے کہ فرقہ مُرجئہ میں سے بعض لوگ فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تابعداری کرتے تھے جیسے علامہ زمخشری معتزلی العقیدۃ ہوتے ہوئے فروعی اور فقہی مسائل میں حنفی بنے ہوئے ہیں مگر یہ جعلی حنفیۃ من المرجئہ اہل السنت سے خارج ہیں۔ اگر اپنی سمجھ نے کام نہیں کیا تو حضرت امام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ہی دیکھ لیتے جو تفہیمات الٰہیہ میں مستقل عنوان میں انھوں نے بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کو حسد اور ضد وعناد نے توفیق خداوندی سے محروم کر دیا ہے۔ دعویٰ ہمہ دانی کا ہوتا ہے اور حال یہ ہے جو آپ نے دیکھا۔

اسی قبیلہ سے مصنف توضیح الکلام شاگرد رشید مصنف خیر الکلام کا حال دیکھئے:

توضیح السنن ص ۱۰۸ ج ۱ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ کاشمیری صاحب
العرف الشذی میں لکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ العرف الشذی کس
نے لکھی ہے۔ کتاب کے ابتدا میں لکھا ہوا ہے کہ لکھنے والے مولانا محمد چراغ صاحب
ہیں۔ اور یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی درسی تقریر ہے۔ کاشمیری صاحب
لکھتے ہیں بالکل جھوٹ ہے۔ اسی طرح توضیح الکلام ص ۲۱۸ ج ۲ میں فتاویٰ علامہ شامی
کا نام رد المحتار لکھا ہے یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ متن کا نام الدر المختار ہے۔ کیا علامہ
شامی اس کی شرح نہیں کرتا ہے کہ رد المحتار نام ہوا۔ ص ۲۲۲ میں فارجع البصر
حضرت ابن ہمام نے ابن فتن لکھا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کاتب کی غلطی
ہو۔ غلطی سے فتنہ کو فتن لکھ دیا ہو۔ واللہ اعلم۔ ان لوگوں کو اپنی غلطیاں
نہیں نظر آتیں مگر مخالف کی غلطیاں مشہور کرنے کے درپے ہیں۔

یہ باتیں ضمنی طور سے معرفت حقیقت حال کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اصل
مقصد امام صاحب علیہ الرحمۃ کی ذات پاک کا تذکرہ ہے۔ علامہ شہرستانی
رحمہ اللہ تعالیٰ نے ملل و نحل ص ۱۴۱ میں فرمایا ومن العجب ان غسان کان
یحکی عن ابی حنیفۃ مثل مذہبہ ویعدہ من المرجئۃ
وانہ کذب۔ یعنی غسان مرجئی حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ
سے اپنے مذہب کے موافق باتیں نقل کرتا رہتا تھا لیکن یہ جھوٹ ہی ہے
شرح مواقف میں فرمایا ھو افتراء علیہ قصد بہ غسان ترویج
مذہبہ بنسبتہ الی ھذا الامام الجلیل الشان۔ پھر لکھتے
ہیں کہ بعض لوگوں نے امام کے اس قول سے دھوکہ کھایا کہ امام ایمان کا معنی
تصدیق قلبی اور تسلیم کرنا ما جاء بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کرتے ہیں۔ اس سے وہ یہ سمجھے کہ وہ اعمال و عبادات کو ضروری نہیں کہتے لیکن
یہ غلط ہے اس کی مزید تردید میں علامہ شہرستانی فرماتے ہیں والرجل مع
تحرجہ فی العمل یفتی بترک العمل۔ یعنی امام صاحب جب اعمال

رکن، واجب اور فرض کہتے ہیں۔ تو ان کے ترک کرنے کو یقیناً ناجائز اور گناہ فرماتے ہیں تو وہ کیسے لَا یَضُرُّ مَعَ الْاِیْمَانِ مَعْصِیَۃ کہ سکتے ہیں جو مرجیہ کا مقولہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارجاء کی نسبت محض جھوٹ ہے۔

پھر فرمایا: وَلَہٗ سَبَبٌ اٰخَرُ اَنَّہٗ کَانَ یُخَالِفُ الْقَدَرِیَّۃَ وَالْمُعْتَزِلَۃَ الَّذِیْنَ ظَهَرُوْا فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَالْمُعْتَزِلَۃُ کَانُوْا یُلَقِّبُوْنَ کُلَّ مَنْ خَالَفَهُمْ مُرْجِئًا وَکَذٰلِكَ الْوَعِیْدِیَّۃُ مِنَ الْخَوَارِجِ فَلَا یَبْعُدُ اَنَّ اللَّقَبَ اِنَّمَا لَزِمَہٗ مِنْ فَرِیْقَیِ الْمُعْتَزِلَۃِ وَالْخَوَارِجِ۔ الملل والنحل ص۱۸۹ ج۱ لشہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو مخالفین کا مرجیئہ کہنا اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرقہ قدریہ اور معتزلہ کی مخالفت اور تردید کیا کرتے تھے یہ دونوں فرقے ابتدائی زمانہ اسلام میں رونما ہو چکے تھے اور معتزلہ اپنے مخالف کو مرجیئہ کا لقب دیا کرتے تھے۔ اسی طرح خوارج بھی۔ پس کوئی بعید نہیں کہ یہ لقب ان کا دیا گیا ہو اور پھر اسے یار لوگوں نے اپنا لیا ہو کیونکہ ان کا قارورہ آپس میں ملتا ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کے علماء اور مذہبی راہنما بھی انھی کی شاگردی کرتے ہیں۔ حنفیہ کو وہی لقب دے رہے ہیں جو ان کے استادوں معتزلہ اور خوارج نے تجویز کیا۔ جیسے استاذ اہل السنت سے خارج ہو کر اہل ضلال میں شمار کیے گئے اسی طرح ان کے شاگردی کرنے والے۔ نام نہاد اہل حدیث بھی اہل السنت نہیں ہو سکتے۔ معتزلہ بھی اپنے کو اھل العدل والتوحید کہا کرتے تھے۔ لیکن یہ نام ان کو کام نہ آیا۔ اہل السنت سے خارج ہی کیے جاتے ہیں۔ میں یہ بات ضد کے طور سے نہیں کہہ رہا بلکہ ان کے کردار کی وجہ سے یہ کہا گیا ہے جس کی کچھ قدر توضیح سنیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا محل قرآن کریم نے قلب کو فرمایا ہے۔ وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔

حدیث جبریل میں بھی ایمان کی تفسیر اعتقادات سے کی گئی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج کی فرضیت کا اعتقاد اس میں داخل ہے۔ یعنی یہ اعمال ظاہرہ اگرچہ فرض ہیں۔ لیکن حقیقت ایمان میں داخل نہیں۔ جیسے وضو فرض ہے لیکن حقیقت صلوٰۃ میں داخل نہیں ہے۔ حقیقت صلوٰۃ سے خارج ہے۔ اسی لیے تارک اعمال فاسق ہوگا، کافر نہیں بنتا۔ اور نہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

حضرات محدثین اعمال کو ایمان کی حقیقت میں داخل کرتے ہیں یعنی ان کو اجزاء تکمیلیہ کہتے ہیں جیسے انسان کے ہاتھ پاؤں کان ناک ہیں جس سے تکمیل ہوتی ہے۔ ان کے کٹ جانے سے نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ انسان ہی نہیں رہا۔ معتزلہ کی طرح خوارج بھی ان کو اجزاء ایمان کہتے ہیں لیکن وہ ان کے ترک کو کفر کہتے ہیں اور معتزلہ ترک کو کفر نہیں کہتے۔ ہاں اسلام سے خارج ہو جانا کہتے ہیں اسی کو منزلہ بین المنزلتین کہتے ہیں۔

حضرات حنفیہ اور محدثین کرام دونوں تارک اعمال کو فاسق کہتے ہیں مخلد فی النار نہیں کہتے اور خوارج و معتزلہ دونوں اس کو مخلد فی النار جانتے اور مانتے ہیں۔ حنفیہ و محدثین کا نزاع حقیقی نہیں ہے دونوں تارک اعمال فرائض کو فاسق کہتے ہیں۔ نزاع صرف تعبیر کا ہے۔ اسی لیے بعض اس کو نزاع لفظی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تفہیمات میں فرماتے ہیں:

اما المسئلة الثانية فليست مما صح فيه اجماع السلف والدلائل فيها متعارضة. فكم من حديث وآية وأثر تدل على ان الايمان غير العمل. وكم من دليل يدل على اطلاق الايمان على مجموع القول والعمل. وليس النزاع الا راجعا الى اللفظ لاتفاقهم جميعا على ان المعاصي لا يخرج من الايمان. وانه يستحق العقاب.

لتشكك الدلائل الدالة على المختلفين لعلمهم بما فيه من الخصب
باذلك ما بينهم.

یعنی دوسرے مسئلہ میں اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس میں سلف کا اختلاف رہا ہے۔ اجماع نہیں پایا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ دلائل متعارض ہیں کئی آیات اور احادیث اور آثار صحابہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اعمال سے جدا کانہ حقیقت رکھتا ہے اور کئی دلائل اس پر شہادت دیتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ نیز اہل السنت کا یہ نزاع لفظی سا ہے۔ خارجی ثمرہ نہیں ملتا۔ اہل السنت اس بات پر متفق ہیں کہ معاصی کے ارتکاب سے شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ ہاں ان کردہ جرائم کے سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معافی فرما دے یا بقدر جرم سزا دے۔ آخرانجام ان کا جنت میں جانا ہو گا کیونکہ نفس ایمان عمل خیر ہے۔ اس کی جزا ضرور پائے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ دلائل جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان مجموعہ اعتقاد اور عمل کا نام ہے۔ ان کی بآسانی توجیہ ہو سکتی ہے۔ انتہیٰ

غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب نے بات کیسے واضح کر دی ہے۔ وفد عبدالقیس کی حدیث میں ایمان کی تفسیر میں اعمال کا تذکرہ ہے لیکن وہ اس لیے کہ انھوں نے سوال میں ایمان کی تفسیر نہیں پوچھی بلکہ فرمایا: مُرنا بامرٍ فصلٍ ندخل به الجنة۔ اس لیے جنت میں جانے کے اسباب میں مفروضہ عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر فرمانا بھی ضروری ہو گیا۔ یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں فرمائی اعتذر ابن رشید عن ذكر الاعمال فى حديث الوفد بان ذلك لاجل سؤالهم عما يدخل به الجنة۔ اعتذار کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اعمال حقیقت ایمان میں معتبر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی توجیہات کی گئی ہیں فی الحال ان کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختار یہی نظر آتا ہے کہ اعمال خیر حقیقتِ ایمان میں معتبر نہیں جیسے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختار ہے اسی لیے وہ ان ادلہ کو جو مجموعہ پر دلالت کرتی ہیں۔ مصروف عن الظاہر فرما رہے ہیں اور باد نیٰ عنایۃ کالنفو تباباً ہے ۔ صرف عن الظاہر کرنا کسی بعید تاویل سے نہیں کیا گیا۔ بلکہ حقیقت حقہ یہی ہے۔

حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل بیان کر کے فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْوُجُوْهُ اِنَّمَا تَقُوْمُ حُجَّةً عَلٰى مَنْ يَجْعَلُ الطَّاعَاتِ رُكْنًا مِنْ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ بِحَيْثُ اَنَّ تَارِكَهَا لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا كَمَا هُوَ رَأْيُ الْمُعْتَزِلَةِ۔ لَا عَلٰى مَنْ ذَهَبَ اِلٰى اَنَّهَا رُكْنٌ مِنَ الْاِيْمَانِ الْكَامِلِ بِحَيْثُ لَا يَخْرُجُ تَارِكُهَا عَنْ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ مفروضہ نہ ادا کرنے والے کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ جملہ محدثین کرام فاسق کہتے ہیں اور گنہگار جانتے ہیں۔ ایمان سے خارج نہیں کہتے۔ تمام اہل السنۃ کا یہی عقیدہ ہے لیکن معتزلہ اس کے ایمان کی نفی کرتے ہیں اور خوارج صاف کفر کا حکم دیتے ہیں۔ یہ دونوں فریق ایسے شخص کو مُخَلَّد فِی النَّار مانتے ہیں اسی لیے وہ اہل السنت سے کٹ گئے ہیں اور اہل ضلال میں شمار کیے گئے ہیں۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری ص۴۶ میں فرماتے ہیں:

السلف قَالُوْا هُوَ اِعْتِقَادُ الْقَلْبِ وَنُطْقٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ وَاَرَادُوْا بِذٰلِكَ اَنَّ الْاَعْمَالَ شرط فی كماله ومن هٰهُنَا الْقَوْلُ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ۔

یعنی حضرات سلف صالحینؒ نے جو یہ کہا ہے کہ ایمان دل سے اعتقاد رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور عمل بالارکان کرنا ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اعمال ایمان کے کمال کے لیے شرط ہیں اور لوگوں کے اعمال کے تفاوت کی وجہ سے ہی ایمان کی زیادۃ اور نقصان کا قول کیا جاتا ہے۔

جیسے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک شخص کے کمال کے درجہ میں اجزاء کہے جاتے ہیں اسی طرح درخت کی ٹہنیاں، پتے۔ ایسے ہی ایمان کی تکمیل میں ارکان اربعہ ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ نہ ہونے کی صورت میں ایسے شخص کو ناقص تو کہا جاتا ہے مگر اس کے آدمی اور انسان ہونے کی نفی نہیں جاتی۔

اس بیان سے معتزلہ اور خوارج کی تردید کی جاتی ہے۔ معتزلہ تارکِ ارکان کو ایمان سے خارج کر دیتے ہیں اور خوارج کافر ہو جانا کہتے ہیں مگر یہ غلط ہے یہ اجزاء تکمیلیہ ہیں نہ کہ اجزاء اصلیہ، ذاتیہ اور حقیقیہ۔ ان کی نفی سے اسم ایمان کا سلب کرنا اہل السنت کے مذہب اور عقیدہ کے خلاف ہے۔ حضراتِ حنفیہ، شافعیہ اور تمام محدثین کا یہی عقیدہ ہے۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد مدعیانِ عمل بالحدیث کے فاضل مصنف رسالۂ تبیان عبدالجبار کنڈیلی کی باتوں کا تذکرہ بھی سنتے جائیے۔ حضرت حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے معتزلہ اور خوارج کا اہلِ سنت کے مسلک سے فرق کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ معتزلہ اور خوارج اعمال صلوٰۃ، صوم وغیرہ کو ایمان کے اجزاء اصلیہ بناتے ہوئے تارک اعمال کو معتزلہ ایمان سے خارج کر دیتے ہیں اور خوارج ترکِ اعمال کو کفر صریح کہہ جاتے ہیں اور اہل السنت محدثین حنفیہ و شافعیہ تارکِ اعمال کو فاسق کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تارک مجرم اور مستحق سزا ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف کر دے خواہ سزا دے۔ اور مصنف تبیان ص۱۶ میں لکھتے

ہیں: قال الحافظ الفارق بینھم (معتزلہ خوارج) وبین السلف انھم جعلوا الاعمال شرط الصحۃ الایمان والسلف جعلوھا شرطا

لکمالہ فقول الحافظ غلط لَیْسَ بِصَحِیْحٍ لِاَنَّ السَّلَفَ صَرَّحُوْا اِنَّ الْاَعْمَالَ اَجْزَاءُ حَقِیْقَۃِ الْاِیْمَانِ ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ۔ یہ سب کہ غیر مقلدین کے ایک مصنف عالم کی جہالت سچ ہے ۔

چوں از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ حضرت حافظ ابن حجرؒ جو سلف صالحینؒ کے قریب زمانہ والے علم حدیث اور تاریخ کے جاننے والے اور ماہر فن ہیں وہ تو سلف کے نظریات اور ان کے فرمودہ اقوال کو نہیں سمجھتے اور سمجھنے میں غلطی کر گئے ہیں اور مصنف تبیان جو صرف ان کی کتابوں کو دیکھنے والے ہیں اور حضرات سلفؒ سے ہزار سال سے زائد مدت بعد آئے ہیں یہ سلف کی مراد کو صحیح سمجھے ہیں حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر اپنا اجتہادی نظریہ بیان کیا ہوتا تو بھی انکار کی وجہ بن جاتی لیکن وہ تو سلف صالحینؒ کے چال چلن اور ان کا عقیدہ بیان فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں : وَالسَّلَفُ جَعَلُوْھَا شَرْطًا لِکَمَالِہٖ ۔ اور بالمقابل آپ کہتے ہیں السَّلَفُ صَرَّحُوْا اَنَّ الْاَعْمَالَ اَجْزَاءُ حَقِیْقِیَّۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔ اگر آپ کی بات سچی ہے تو اہل السنّت والجماعت کے اسلاف میں کسی کی عبارت پیش کی ہوتی تاکہ معلوم ہو جاتا کہ وہ اعمال و عبادات کو ایمان کے اجزاء مکملہ نہیں بلکہ اجزاء ذاتیہ اور حقیقیہ قرار دیتے ہیں تب آپ کا بیان سچا ہوتا ۔ آپ نے سلف میں سے کسی کا کلام اپنی تائید میں پیش نہیں کیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بیان غلط ہے ۔ صحیح وہی بات ہے جو حضرت حافظ ابن حجرؒ فرما گئے ہیں ۔ اگر آپ کہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سلف کی عبارتیں پیش نہیں کیں تو جواب یہ ہے کہ ان کے بیان کو غیر صحیح اور غلط بنانے والے آپ

ہیں۔ اس جارحانہ انداز کا دعویٰ آپ نے کیا ہے۔ آپ کو مدعی کی دلیل پیش کرنا ضروری تھا ورنہ دعویٰ بلا دلیل باطل ہی کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہم تو قول الحافظ غلط لیس بصحیح کو جو آپ نے کہا ہے چھوٹا منہ بڑی بات ہی کہیں گے۔

مزید سنیے! کہ ہم نے گزشتہ حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل کیا ہے۔ وہ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں: هٰذِهِ الْوُجُوْهُ اِنَّمَا تَقُوْمُ حُجَّةً عَلٰی مَنْ يَجْعَلُ الطَّاعَاتِ رُكْنًا مِنْ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ بِحَيْثُ اَنَّ تَارِكَهَا لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا كَمَا هُوَ مَذْهَبُ المعتزلة لَا عَلٰی مَنْ ذَهَبَ اَنَّهَا رُكْنٌ مِنَ الْاِيْمَانِ الْكَامِلِ بِحَيْثُ لَا يَخْرُجُ تَارِكُهَا عَنْ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ كما هو مذهب الشافعیؒ

آپ نے دیکھا کہ طاعات کے حقیقت ایمان کی جزئیت کا دعویٰ کرنے والے معتزلہ ہیں مصنف تبیان فاضل اہل حدیث بھی انہی کا راستہ لیے ہوئے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت علامہ تفتازانیؒ جو اسلاف اہل السنت میں سے ہیں وہ اعمال کو ایمان کے حدِّ کمال کے درجہ میں معتبر کرتے ہیں اور تارک اعمال وطاعات کو فاسق اور ناقص الایمان کہتے ہیں۔ ایمان سے خارج نہیں کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب تبیان کا قول کہ طاعات حقیقتِ ایمان کی اجزاء ہیں یہ اہل السنت سے خروج ہے اور ان کا اپنے کو سلفی کہنا بھی غلط ہے۔ ہاں وہ اگر معتزلہ اور خوارج کو اپنا سَلَف کہتے ہیں تو صحیح ہوگا کیونکہ یہ انہی کے راستہ پر چل رہے ہیں۔ یشبہ الغراب بالغراب۔

مزید سنیے! حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام تفہیمات سے گزر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ کَمْ مِنْ آيَةٍ وَحَدِيْثٍ وَّاٰثَرٍ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْاِيْمَانَ غَيْرُ الْعَمَلِ۔ اگر اعمال وطاعات کو ایمان کی حقیقت لعلیہ

کا جزء بنایا جائے گا۔ تو ان سب آیات و احادیث کی مخالفت کا سوال بھی ہوگا پھر
جواب دینا پڑے گا۔ اس صورت میں حضرات سلف ان ادلہ کی منی لفت کر کے
اعمال و طاعات کو ایمان کے اجزاء حقیقیہ کیسے کہہ سکتے ہیں ؟

اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختار بھی یہی ہے کہ اعمال حقیقت
ایمان میں معتبر نہیں کیونکہ انھوں نے فرمایا والادلۃ الدالۃ علی المجموع
یمکن صرفھا عن ظاھرھا بادنی عنایۃ۔ اس کی تشریح گزر چکی ہے۔

تنبیہ | صاحب تبیان نے آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔ پیش کی اور کہا کہ
اس میں اعمال کا تذکرہ ہے۔ اس لیے اعمال حقیقت ایمان میں معتبر ہیں۔ یہ
ان کی مغالطہ سازی ہے۔ جلالین شریف کو دیکھیں کہ اس آیت کریمہ میں نفس
مومنوں کا نہیں بلکہ کامل مومنوں کا ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَامِلُوْنَ
اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ .... الخ۔ کامل مومنوں کا تذکرہ محل مدح میں ہے
اور مدح کے قابل وہی مومن ہوتے ہیں جو طاعات و واجبات کے پابند ہوں۔
محل نزاع نفس ایمان ہے جس سے کفر سے نکل جائے۔ حضرت امام ابن تیمیہ
رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الایمان ص۳۵ میں فرماتے ہیں: فالفاسق یترک الفرائض
او یفعل المحرمات لَا یَکُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ حَقًّا ۔ یعنی فاسق جو
ترکِ فرائض کرتا ہو اور محرمات کا ارتکاب کرتا ہو وہ مومن کامل نہیں جس کو امن کامل
دخولِ نار سے حاصل ہو جائے۔ پھر فرمایا: لٰکِنْ مَعَہٗ اِیْمَانٌ یَمْنَعُہٗ
الخلود فی النار وھذا متفق علیہ بین اھل السنۃ۔ یعنی اہل
السنت والجماعت کا یہ اتفاقی نظریہ ہے کہ اس کو اتنا ادنیٰ درجہ ایمان کا حاصل ہے
جس سے وہ ابدی نار کے عذاب سے بچ جائے گا۔ پھر فرمایا ھَلْ یُطْلَقُ
عَلَیْہِ اسْمُ الْاِیْمَانِ فالتحقیق ان یقال مؤمن ناقص الایمان
مؤمن بایمانہ فاسق بکبیرتہ یعنی کیا ایسے شخص پر جو تارک فرائض ہو

مؤمن کا لفظ اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ جواباً فرمایا تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ ایسا شخص مؤمن تو ہے لیکن ناقص الایمان ہے۔ مؤمن ہونے کے ساتھ وہ فاسق بھی ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا پھر فرمایا۔ یہ بات اہل السنّت کا اجمالی فیصلہ ہے۔ ہم نے چند حضرات سلف کی باتیں پیش کر دی ہیں جو حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بات کی تائید کرتی ہیں۔ اس کے بعد ہم فریق ثانی کے لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل السنّت کے سلف صالحین کا قول پیش کریں جس سے صاحبِ تبیان کے کلام کی تصدیق اور تائید ہو۔

اہل السنّت حضرات ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ حضرت ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ھٰذا متفق علیہ بین اھل السنۃ فرما چکے ہیں۔ وَاللّٰہُ لَا یَأْتُوْنَ بِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔

اطلاع

حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کلام کَمْ مِنْ آیَۃٍ وحدیث واثر یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْاَعْمَالَ غَیْرَ الْعَمَلِ صاف دلالت کرتا ہے کہ ایمان عمل قلبی ہے کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وغیرہا آیات اس پر دال ہیں۔ ہاں بعض کا ظاہر یہ ہے کہ ایمانِ اعمالِ صالحہ کو بھی شامل ہے لیکن توفیق بآسانی کی جا سکتی ہے۔ ثانی کو اوّل کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃُ لَیْسَتْ مِمَّا ظَھَرَ فِیْھَا اِجْمَاعٌ مِنَ السَّلَفِ بَلِ الدَّلَائِلُ مُتَعَارِضَۃٌ۔

لیکن مصنف تبیان مولانا عبد الجبار غیر مقلد فرماتے ہیں۔ ص۲۲ فَثَبَتَ مِنَ الْآیَاتِ وَالْاَحَادِیْثِ الْوَارِدَۃِ فِیْ ھٰذَا الباب ومن اقوال السلف الصَّالحین اَنَّ الایمان مَجْمُوْعُ الْاَشْیَاءِ الثلاثۃ وکان ھٰذہ المسئلۃ مجمع علیھا بین سلف الصالحین۔ مختصراً

غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور فاضل عبد الجبار کندیلی کے کلام میں تناقض ہے۔ دونوں تو صادق نہیں ہو سکتے بلکہ

ایک ہی ہوگا۔ آپ جس کا درجہ علم قرآن وحدیث میں اونچا سمجھتے ہیں اور وہ دُنیا میں مشہور ومقبول بھی ہے۔ اس کو لیجئے۔ دوسرے کے ساتھ مناسب حال برتاؤ کریں۔

۲ ـــــ یہ بھی گزر چکا ہے کہ ایمان کے مرکب اور بسیط ہونے کا اختلاف اہل السنت کے درمیان لفظی ہے۔ الدلائل متعارضۃ کا فرمان بھی آپ سن چکے ہیں اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مجموع کہنے کو پسند نہیں کیا بلکہ اس کو اوّل کی طرف راجع کر رہے ہیں۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ کا قول جو تبیان کے ص ۵ پر مرقوم ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ لکھا ہے:

فنری ان مثل ھذا الاختلاف اصولی یحق لکل سلفی ان یرد علی مثل ھذا القول۔ شاید یہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ سے اپنے کو اونچا ہی جانتے ہوں گے کہ حنفیہ اور محدثین کے اختلاف ایمان کے بسیط اور مجموع ہونے میں کلام کر رہے ہیں۔

ان کا یہ قول صرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے مخالف نہیں بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے فرمان کے بھی خلاف ہے بلکہ جمہور کے خلاف ہے۔

مسئلہ ایمان میں نام نہاد اہلِ حدیث کا مسلک بعینہٖ خوارج کا مسلک ہے

گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ اہل السنت فعلِ کبائر اور ترکِ فرائض کو دین کا نقصان سمجھتے ہیں اور اس کو گناہ اور معصیت کہتے ہیں۔ لیکن اس سے اسلام سے خارج ہو جانا اور کافر بن جانا نہیں کہتے، اور اس سے استحقاق عذاب النار کا کہتے ہیں لیکن خلود فی النار نہیں کہتے۔ اہل معتزلہ اس سے اسلام سے خارج ہونا کہتے ہیں۔ کافر کا اطلاق نہیں کرتے اور خوارج ایسے شخص کو کافر کہہ دیتے ہیں اور نتیجہ کے

اعتبار سے دونوں ہی ابدی جہنم میں ہونا کہتے ہیں۔
لیکن فاضل مصنف تبیان اوکاڑوی جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں۔ قوم کو یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ نماز اور روزہ کا ترک کرنا اور زکوٰۃ و حج کا ادا نہ کرنا جن کو ترک فرائض سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی نماز نہ پڑھنے سے روزہ فریضہ نہ رکھنے سے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے شخص کافر بن جاتا ہے۔ یہ بعینہٖ وہی قول ہے جو فرقہ خوارج کے ضال و مضل لوگ کہتے ہیں۔ ہاں یہ کہتے ہیں کہ اور معاصی سے مثلاً زناکاری، شراب نوشی، قتل و قتال سے کافر نہیں بنتا۔ یہ صرف معاصی ہیں لیکن ترک فریضہ سے شخص کافر ہو جاتا ہے۔ ص۱۵ نحن اذا قلنا اهل السنة متفقون على انه لا يكفر احد بالذنب فانما يراد به المعاصي كالزنا والشرب اما هذه المعاني فلا۔ یعنی کافر نہ ہو جانا زناکاری وغیرہ کبائر میں ہوتا ہے لیکن فرائض عملیہ کا ترک کرنا اس سے کفر لازم آتا ہے۔ یہ ان کا اپنا نظریہ ہے اہل السنت اس کے قائل نہیں ہیں۔ اہل السنت ترک فریضہ کو بھی کفر نہیں کہتے ہاں کبیرہ گناہ ہے بشرطیکہ ترک کو جائز نہ سمجھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں المعاصي من امر الجاهلية لا يكفر صاحبها یعنی سب معاصی (ترک فریضہ ہو یا فعلِ کبیرہ) جاہلیت کے اعمال تو ہیں لیکن اس سے شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ اس میں خوارج کی تردید فرما رہے ہیں اور اہل السنت کا طریقہ بتا رہے ہیں مگر صاحبِ تبیان معاصی کی تخصیص کر رہے ہیں کہ اس سے زنا اور شراب نوشی مراد ہے ان سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ تخصیص اہل السنت کے خلاف ہے۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سنیے: کتاب الایمان ص۱۳۰
من تَرَكَ الْإِيْمَانَ الَّذِي هُوَ عَمَلٌ مِثْلُ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَالصَّوْمِ وَتَرَكَ الْوَرَعَ مِنْ شُرْبِ الْخَمْرِ قد زال عنه بعض الْإِيْمَانِ وَلَا يجب ان يُسْتَتَابَ عِنْدَنَا وَعِنْدَ مَنْ خَالَفَنَا

مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ اِلَّا الْخَوَارِجَ وَحْدَھَا۔ (مختصر)
یعنی جس نے ایمان کا عملی حصہ ترک دیا۔ جیسے زکوٰۃ کی ادائیگی، حج کرنا، روزہ رکھنا اور شراب نوشی سے بچاؤ بھی نہ کیا تو اس شخص سے ایمان کا عملی حصّہ تو چھوٹ گیا لیکن وہ کافر نہیں بنا کہ اس کو توبہ پر مجبور کیا جائے۔ ہمارے اور بقیہ کل اہل السنت کا یہی مسلک ہے۔ ہاں صرف خوارج ہیں کہ وہ کافر کہتے ہیں بلکہ معتزلہ بھی جو اہلِ بدعت ہیں سے ہیں وہ بھی اس کو کافر نہیں کہتے۔

دوسری جگہ حضرت حافظ ابن تیمیہ مرجئہ کی تردید میں فرماتے ہیں:

ھٰذِہِ الْاُمُوْرُ مِثْلُ تَرْکِ الصَّلٰوۃِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ وَالْجِھَادِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ لَا تُکَفِّرُوْنَ تَارِکَہٗ وَاِنْ کَفَّرْتُمُوْہُ کَانَ قَوْلُکُمْ قَوْلَ الْخَوَارِجِ۔ یعنی نماز کے نہ پڑھنے والے کو روزہ نہ رکھنے والے کو، حج و جہاد نہ کرنے والے کو تم بھی کافر نہیں کہتے اور اگر ان وجوہ کی بنا پر کافر ہو تو تمہارا قول جیسے خوارج کا قول ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تارک ارکان اربعہ کو کافر نہیں۔ اس کو کافر کہنے والے صرف خوارج ہیں جن کی روحانی نسل سے صاحب تبیان ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف تبیان فاضل جماعت اہلِ حدیث کا یہ قول باطل ہے۔ تبیان صفحہ ۵۷ لکھتے ہیں کہ ترکِ ارکان اربعہ (ان کی کتاب میں ارکان بغیر نقطے مرقوم ہے) فَنَحْنُ نَذْھَبُ اِلٰی تَارِکِھَا کَافِرٌ وَھُوَ مَذْھَبُ اَھْلِ الْحَدِیْثِ۔ یعنی ہماری جماعت اہلِ حدیث کا مذہب یہی ہے کہ تارک ارکانِ اربعہ کافر ہے۔ یعنی نماز نہ پڑھنے والا، روزہ نہ رکھنے والا، زکوٰۃ نہ دینے والا، حج نہ کرنے والا شخص کافر ہے۔ یہ اہل حدیث کے فاضل مجتہد کا فتویٰ ہے اس پر جماعت اہلِ حدیث کے کئی علماء کے دستخط موجود ہیں۔ اس فتویٰ کی تائید میں تقریظ و تصحیح سب نے کی ہے۔ کتاب کو اٹھا کر دیکھیں اور پھر شیشہ میں منہ کی صفائی بھی دیکھیں کہ کیا ان کا قول خوارج و معتزلہ سے ملتا ہے یا اہل

السنت اور سلف سے ؟ ان کا اپنے کو سلفی کہنا صرف ہاتھی کے دانت ہیں۔

آپ لوگوں کا حنفیہ کو مرجئہ کہنا تو غلط ہے۔ بیان گزر چکا کہ حنفیہ کے عقائد مرجئہ جیسے نہیں آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کلام کو نہیں سمجھا اور غلط بیانی کردی ہے لیکن حنفیہ کا نام نہاد اہلِ حدیث کو خوارج میں سے شمار کرنا بالکل صحیح ہوگا کیونکہ مفتیانِ مذہب اہلِ حدیث کا یہی بیان ہے جو ابھی گزر چکا ہے ہم اگر آپ کو ایسا کہتے ہیں تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ضد سے کہہ رہے ہیں۔ ہم تو آپ کے مذہبی راہنماؤں کا فتوی پیش کر رہے ہیں ھُوَ مذھب اھل الحدیث کے لفظ کو کتاب میں دیکھ لیجئے اور پھر حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھی دیکھ لیں کہ خوارج کو اہلِ ضلال کے فرقوں میں انھوں نے شمار کیا ہے یا اہل السنت کے زمرہ میں لکھا ہے ؟

اس کے علاوہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ آپ تو اہلِ حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ابوداؤد ص[illegible] ونسائی ص۸۴ کی حدیث کو دیکھیں: خمس صلوات كتبهن الله على العباد من أتى بهن ولم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن كان له عند الله عهد أن يدخله الجنة. ومن لم يأت بهن فليس له عند الله عهد إن شاء عذبه وإن شاء غفر له۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے ان کو ادا کیا اور ان میں سے کسی نماز کو خفیف سمجھ کر نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ وعدہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور جس نے نمازیں نہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں۔ اگر چاہے تو مناسب شان سزا دے اور چاہے تو مغفرت فرمائے۔ (والمشکوٰۃ ص۵۸ ج۱ وقال رواہ احمد وابو داؤد وروی مالک والنسائی نحوہ)۔ اس میں نماز نہ پڑھنے والوں کو مغفرت کا امیدوار بنایا گیا ہے۔ اگر نماز نہ پڑھنے والا کافر ہوتا تو اس کی مغفرت کا کیا معنیٰ ؟ مومن کے بارہ میں وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

یعنی یَشَآءُ آیا ہے۔ کافر اس سے محروم ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ۱۰۲ پ ۴ میں ہے رَبَّنَا اِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اِنَّ فِیْ تَرْتِیْبِ الْمَغْفِرَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی فَاغْفِرْ لَنَا عَلٰی مجرد الایمان دلیل عَلٰی کفایتہٖ فِیْ اِسْتِحْقَاقِ المغفرۃ وَالْعِقَابَۃِ مِنَ النَّارِ مِنْ غَیْرِ تَوَقُّفٍ عَلَی الطَّاعَاتِ۔ یعنی مغفرت کے نفس ایمان پر مرتب ہونے میں یہ دلیل ہے کہ محض ایمان ہی مغفرت کا سبب اور نار سے بچنے کا ذریعہ ہے طاعات پر موقوف نہیں ہے۔ اس کے بعد مصنف تبیان کے اس کہنے کا کیا معنی ہے: نحن نذہب ان تارک الارکان الاربعۃ کافر لاسیما الصلوٰۃ فانھا عمدۃ العبادات وَھُوَ مَذْھَبُ اھل الحدیث۔ یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ ارکان اربعہ خصوصاً نماز کا جو عبادات کی پیشانی ہے تارک کافر ہے اور یہی اہل حدیث کا مسلک ہے۔

قال العینی فی شرحہ للبخاری ان العبد لا یکفر بشیء من ترک العبادات وقتل تارک الصلوٰۃ عند الشافعی واحمد انما ھُوَ حَدًّا لا کُفْرًا۔ اما قولہ علیہ السلام من ترک الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ محمول علی الزجر والوعید او مؤول اذا کان مُسْتَحِلًّا او المراد کفران النعمۃ۔ یعنی کسی عبادت کے ترک سے کفر لازم نہیں آتا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا تارکِ نماز کے متعلق قتل کرنے کا حکم صرف زجر کے طور پر ہوا یا اس تاویل سے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہو یا مراد کفرانِ نعمت یعنی ناشکری ہے۔ اس بارہ میں روایات کثیرہ آئی ہوئی ہیں مزید تفصیل ہمارے رسالہ میں ہے جس کا نام احسن البیان فی ردّ ما فی التبیان من الھذیان ہے۔ مقصد سے دوری کا اندیشہ ہے۔ رسالہ مطبوع نہیں۔

ضروری گزارش

ہمارے خیال میں یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو مصنف نے تارکین ارکان اربعہ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اس کی قوم میں اشاعت نہیں کی گئی۔ رسالہ عربی میں ہے قوم نے سمجھا بھی نہیں ہو گا۔ صرف فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین آمین بالجہر پر زور لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ رفع یدین فرض ہے نہ آمین جہر سے پڑھنا کہ اس کے بدون نماز نہیں ہوتی محض فتنہ بازی ہی ہے۔ ان کو اپنے علماء سے یہ تحقیق کرنی ضروری ہے جس کی طرف ہم نے ان کو توجہ دلائی ہے کہ واقعی تارک ارکان اربعہ کافر ہے؟

ہم تو نماز نہ پڑھنے، زکوٰۃ نہ دینے اور روزہ نہ رکھنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ بلکہ اس کو ایک حد تک مجرم سمجھتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا جو شخص دوسرے کو کافر کہے اور وہ کفر کے اقوال و اعمال سے خالی ہو تو وہ خود مجرم بن جاتا ہے عوام اہل حدیث کہلانے والوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ ایسے مفتیوں اور ان کے عقیدت مند خلیفوں سے اس کی تحقیق کریں کیونکہ سب لوگ تو بزرگ کردار کے نہیں ہوتے بہتوں سے نمازیں رہ جاتی ہیں کئی روزہ رکھنے میں کوتاہی کرتے ہوں گے کئی زکوٰۃ کی ادائیگی میں قصور کرنے والے ہوں گے اور ان کے یہ مذہبی علماء ایسے شخص کے کفر کا فیصلہ دے چکے ہیں۔ ابھی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے۔ کیا وہ اس فتویٰ کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ بصورت اول ان کے جنازے اور نکاح کا بھی پوچھیں کہ کیا کافر کا جنازہ جائز ہے اور اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا؟ یہ سب کفر کے فروعی مسائل ہیں۔ ہم تو ایسے فتووں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں اور آپ کے فائدے کے لیے اسکی تردید کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے علماء اس سے خاموش نظر آتے ہیں۔ کسی نے اس فتویٰ کی تردید نہیں کی۔ مفتی مصنف تبیان تو اہل حدیث کا مذہب یہی لکھتے ہیں کہ تارک

ارکانِ اربعہ کا فرب ہے بالخصوص نماز کا لانہا غرۃ العبادات کہتے ہیں۔ اور کفر سے ان کی مراد بظاہر کفر ملت ہی مراد ہے۔ (اعاذنا اللہ من ذلک) کیونکہ وہ زنا اور شراب نوشی کو معصیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ارکانِ اربعہ کے تارک کی طرف صریح کفر کی نسبت کرتے ہیں۔ اما ارکان الاربعۃ فنحن نذھبُ اَنَّ تارکیھا کافرٌ لاسیما الصلوٰۃ۔ اور ص۱۵ پر بھی لکھا ہے: لا نکفر بالذنب فانما یراد بہ المعاصی کالزنا والشراب اما ھٰذہ لیس فی فلا۔ ان دونوں عبارتوں میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے ادا نہ کرنے والوں کو صاف کافر کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ لوگ اس فتویٰ کو مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو بیزاری کا اعلان کیجئے۔ صرف نحن نذھب اَنَّ تارکیھا کافرٌ کہنا کافی نہیں ہوگا۔ اس کی اطمینان بخش دلیل دینی ہوگی۔

یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے خوارج کا پورا مذہب تو اختیار نہیں کیا کیونکہ وہ ان معاصی کے مرتکب کو اور مبانی اربعہ کے تارک دونوں کو کافر کہتے ہیں آپ نے صرف دوسری جزو میں ان کی موافقت کی ہے لیکن اہل السنّت کے ساتھ بھی آپ نہیں رہے کیونکہ وہ دونوں کو فاسق کہتے ہیں کافر نہیں کہتے آپ نے پہلے کو فاسق کہہ دیا اور دوسرے کو کافر قرار دے دیا۔ بہر حال آپ کا یہ قول اہل السنت سے خروج ہی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ زنا اور شراب خوری وغیرہ منہی میں نہی کی ضد کو حرام اور عصیان کہا گیا ہے۔ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ میں فعل منہی کی خلاف ورزی کی وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فرمایا ہے۔ اسی طرح امر کی مخالفت کو لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ فرمایا ہے۔ یہ معصیت اور حرام ہے۔ کفر تو جحود و استکبار سے آتا ہے۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ مگر آپ لوگ ترک مامور کو کفر بتاتے اور بناتے ہیں جو اصولِ مسلّمہ کے خلاف ہے۔

خیال میں آیا کہ گزشتہ بات کی کچھ مزید تفصیل اور تشریح کر دوں۔ ان شاء اللہ
فائدہ ہی ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ ۔ اجماعی مسئلہ ہے
کہ کبائر عملیہ کا کرنا فسق ہے جب کہ ان کو گناہ سمجھتا ہے جیسے زنا، چوری،
قتل، شراب نوشی وغیرہ جرائم۔ اس سے دین کا نقصان ہوگا۔ ہاں اگر ان
میں اس حد تک پہنچ گیا کہ ان کو جرم ہی نہیں جانتا اور مانتا اور ان کو حلال
اور جائز اعمال کی طرح بے باک ہو کر کرتا ہے تو اس حد کو کفر کا درجہ کہتے ہیں
کیونکہ اس میں تکذیبِ حکمِ شرعی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح فرائضِ عملیہ کا ترک
جیسے نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا۔ اگر فرض جانتے ہوئے اور
ترک کو گناہ مانتے ہوئے محض تغافل سے اور بخل سے ان کو نہیں کیا تو
یہ فسقِ عملی ہوگا اور نقصانِ دین ہوگا نہ یہ کہ اسلام سے خارج ہوگا اور نہ حدِ
کفر میں داخل ہوگا۔ معتزلہ فعلِ کبائر اور ترکِ فرائض سے اسلام سے خارج
ہو جانا کہتے ہیں اور خوارج کافر ہو جانا کہتے ہیں اور مرجئہ ان سے دین کا نقص
ہی نہیں مانتے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ کہتے ہیں اِيْمَانُهٗ
كَاِيْمَانِ النَّبِيِّيْنَ وَلَوْ فَعَلَ مَا فَعَلَ وَتَرَكَ مَا تَرَكَ ۔ یعنی اس کا
ایمان نبیوں کے ایمان کی طرح ہے خواہ کچھ کرے یا نہ کرے۔ جب اس کو
وہ نقصانِ دین ہی نہیں کہتے تو اس میں تکذیب وعیداتِ شرعیہ کی پائی گئی
اس لیے ان کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غیر ناجیہ فرقوں
میں سے شمار کر دیا کہ مرجئہ کا یہ عقیدہ اہل السنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔
حنفیہ اس عقیدہ سے بیزار ہیں۔ بلکہ بقیہ تمام اہل السنت (مالکیہ شافعیہ
اور حنابلہ) حضرات ائمہ دین بھی اس کو ضلالت اور دین سے بغاوت کہتے ہیں
اسی وجہ سے حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی مجلس میں جانا بھی گوارا نہ کرتے
تھے۔ جولب تیمی بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے شخص سے حدیث
لینے کا کیا معنیٰ ہے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ

هٰذا العلم دینٌ فانظروا عمّن تأخذون دینکم۔ (مقدمہ مسلم)
افسوس کہ حضرت علامہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے شیخ علی بن عمر دارقطنیؒ ایسے لوگوں کی حدیث بلا تردید کتاب میں مذہبی فائدے کے لیے ذکر کر جاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کا فرمان ہے: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا فاسق شخص کوئی بات کہے تو اس کی اس بات کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں وہ بات دین کے لیے نقصان دہ نہ بن جائے۔

گزشتہ گزر چکا ہے کہ رفع یدین عند الرکوع کے مسئلہ میں حضرت امام بیہقیؒ نے عصمت بن محمد کی روایت سے مذہبی فائدہ لیا۔ حالانکہ محدثین کرام کے قول ان کے متعلق کاذب اور وضاع کے ثابت اور مروی ہیں۔ اسی طرح قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں جواب تیمی مرجئہ کی روایت لانے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قرأت خلف الامام کے قائل تھے اور اس کی روایت مصنف خیر الکلام نے بھی ذکر کی اور اس کی توثیق بھی کر دی کہ مرجئہ ہونے سے ثقہ ہونے میں خلل نہیں آتا۔ دیکھو حنفیہ بھی مرجئہ ہیں شیخ جیلانیؒ فرما رہے ہیں۔ ان کی اس بات پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ ضال اور مضل فرقہ مرجئہ کے عقائد اور ہیں اور احناف اور دیگر اکابر اہل السنت کا نظریہ اور ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ بدعتی راوی جب ثقہ، متورع اور غیر داعیہ ہو تو اس کی روایت قبول کی جاتی ہے لیکن جواب تیمی ثقہ نہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں جواب تیمی غیر قوی۔ (سنن الکبریٰ ص۳۳۵ ج۵)۔ اور محدث ابن نمیرؒ فرماتے ہیں ضعیف فی الحدیث قد رآه الثوری فلم یحمل عنه۔ (تہذیب ص۱۲۱ ج۲)
امام سفیان ثوریؒ کا اس سے روایت نہ لینا اس کا واضح قرینہ ہے کہ وہ بدعت کا داعیہ تھا۔

مزید سنیے: قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم میں حضرت سلیمان تیمیؒ کی روایت میں وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کی زیادۃ

نقل کی ہے۔ اور اس کی توثیق بھی فرمائی ہے کہ یہ زیادۃ صحیح ہے۔ مسئلہ تَرِیْدُ اَحْفَظَ مِنْ سُلَیْمَانَ گزشتہ بیان گزر چکا ہے۔ مگر اس زیادۃ کو ساقط کرنے کے مختلف ناکارہ حیلے اور بہانے بنائے گئے لیکن سب ہوائی فائروں کی طرح فائدہ مند نہ ہوئے۔ ایک جبلہ حضرت امام دارقطنیؒ نے بیان کیا جس کو علامہ نوویؒ نے ص۱۷۵ ا بھی نقل کیا اور اس پر اعتماد کیا۔ اور دل نے بھی اسی پر دستخط کر دیئے لیکن اس کی اعلاء السنن میں محققانہ انداز میں تردید بھی کی ہے۔ آپ کے سامنے دونوں باتیں آ رہی ہیں۔

اعلاء السنن حصہ چہارم ص۵ میں ہے:

زَعَمُوْا انها (وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا) لیست بمحفوظة لم یجئ بها الا سلیمان التیمی وَرَدَّهُ الْمُنْذری فی مختصره وقال لم یُؤثر عند مسلم تفرد د سلیمان بها لثقته وحفظه وصححها مِنْ حدیث ابی موسٰی الاشعری وابی هریرة۔ کذا فی التعلیق الحسن ص۱۰۰ ج۱

پھر فرماتے ہیں: قلت وایضًا فقد عرفت ضعف ما قالوا بما ورد فی صحیح ابی عوانه من متابعة ابی عبیدة له فی هذه الزیادة۔

یعنی بعض لوگوں نے اگرچہ کہا ہے کہ وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کی زیادۃ محفوظ نہیں ہے۔ حضرت قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمیؒ اس کے ناقل ہیں لیکن علامہ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ امام مسلمؒ اس کے تفرد کو مضر نہیں سمجھتے کیونکہ سلیمان تیمیؒ اس زیادۃ کے راوی ہیں بہت اعلیٰ حفظ والے اور ثقہ و ضابط ہیں۔ اس لیے یہ زیادۃ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں جو مسلم شریف میں ہے صحیح ہے۔ بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بھی یہ زیادۃ مروی ہے جس کو نسائی میں سند سے لایا گیا ہے۔ امام مسلم ص۱۷۴ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تصحیح بھی

فرما گئے ہیں ۔ فرمایا هُوَ عِنْدِي صَحِيْحٌ ۔ اس کے بعد مزید فرمایا کہ سلیمان تیمیؒ کے تفرد کا قول بھی صحیح نہیں ہے ۔ ان کے متابع ابو عبیدہ بھی حضرت قتادہؒ سے یہی زیادۃ وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوْا ۔ کی نقل کر رہے ہیں ۔ صحیح ابوعوانہ میں یہ روایت مروی ہے ۔ بلکہ مزید فرمایا ۔ اعلاء السنن ص۵ وَقَدْ تَابَعَهُ اثنان آخران عند الدارقطني ۔ ثنا سالم بن نوح ، ثنا عُمَرُ بْنُ عَامِرٍ وَسَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ عَلَّابٍ ۔ (إلى) إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوْا ۔

اس کے بعد دارقطنیؒ نے اس حدیث کے راویوں میں سے سالم بن نوح کے متعلق فرمایا لَيْسَ بِالْقَوِيِّ ۔ یعنی یہ راوی قوی نہیں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ جرح مبہم ہے اور مصنف خیر الکلام نے بھی جرح مبہم کو غیر معتبر کہا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اعلاء السنن ص۵ میں الجواہر النقی ص۱۵۱ ج۱ سے نقل کیا ہے : وَقَدْ تَابَعَهُ (سليمان التيمي) عَلٰى رِوَايَتِهِ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ وَعُمَرُ بْنُ عَامِرٍ فَرَوَيَاهُ عَنْ قَتَادَةَ كَذٰلِكَ أَخْرَجَهُ البيهقي مِنْ حَدِيْثِ سَالِمِ بن نوح عنهما ۔ فَبَطَلَ مَا قَالَ أَبُوْ عَلِيٍّ خَالَفَ (أي التيمي) أَصْحَابَ قَتَادَةَ كُلَّهُمْ ۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ سلیمان تیمیؒ کے تین متابع اس زیادۃ کے نقل کرنے والے ہیں اس لیے یہ کہنا باطل ہے کہ سلیمان تیمیؒ نے قتادہ کے سب شاگردوں کے خلاف نقل کیا ہے اس لیے یہ زیادۃ شاذ ہے ۔ جیسے حضرت امام دارقطنیؒ اور حضرت امام بیہقیؒ کے کلام میں ابھی گزرا بلکہ انہی کی متابعت میں علامہ نوویؒ بھی شرح مسلم میں یہی عذر لنگ بیان کر رہے ہیں ۔ ص۱۷۵ میں لکھتے ہیں : قَدْ خَالَفَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ فِيْهَا جَمِيْعَ أَصْحَابِ قَتَادَةَ ۔ معلوم ہوا کہ قتادہؒ کے شاگردوں میں سے چار اس زیادۃ (وَإِذَا قَرَءَ فَأَنْصِتُوْا) کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں سلیمان تیمیؒ کا تفرد کہنا غلط افسانہ ہی ہے ۔

جو گھڑا گیا ہے۔

رہا یہ کہنا کہ سالم بن نوح قوی نہیں یہ بھی مسلم نہیں۔ الجواہر النقی سے اعلاء السنن صفحہ ۵ میں نقل کیا گیا ہے وسالم بن نوح ھذا وان قال الدارقطنی لیس بالقوی فقد اخرج لہ مسلم وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما وابو داؤد والترمذی والنسائی وقال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی ما بحدیثہ باس۔ وقال ابو زرعۃ صدوق ثقۃ ۔ اھ

پھر فرمایا: قلت عُمَرُ بْنُ عَامِرٍ مِنْ رِجَالِ مسلم قال العجلی ثقۃ۔ وثقہ ابن معین وقال احمد ثقۃ ثبت۔ (تہذیب بتغییر)

ان کا مزید بیان اعلاء السنن صفحہ ۵ جلد چہارم میں ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ سالم بن نوح راوی حدیث کو لیس بقوی کہنا امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالی کا اسی معنی سے ہے جیسے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کو تعصب میں ضعیف فرما گئے ہیں۔ اسی کو ہم مذہبی تعصب سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کو ان کی ایسی باتیں ہاتھ لگتی ہیں تو امام دارقطنیؒ کا مقام حدیث میں بیان کر کے لوگوں کو ان کی باتوں پر اطمینان دلایا کرتے ہیں مصنف خیر الکلام نے بھی یہی سبق دیا ہے اور یہی طریقہ حضرت امام بیہقیؒ کا بھی ہے جیسے عنقریب عصمت بن محمد اور جواب تیمی کے بارہ میں ابھی گزرا ہے اور ابھی سلیمان تیمیؒ راوی حدیث وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کے بارہ میں گزرا کہ انھوں نے حضرت قتادہؒ سے روایت کرنے والے سب راویوں کی مخالفت کا ان پر الزام دھرا۔ لیکن واقعہ حال یہ ہے کہ ان کے تین ثقہ متابع موجود ہیں۔ وللہ الحمد۔ واللہ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ بلکہ ان متابعات سے حضرت سلیمان تیمیؒ پر روایت کے مُعَنْعَنْ نقل کرنے کی وجہ سے تدلیس کا شبہ جو کیا گیا وہ بھی رفع دفع ہو گیا ہے۔ کیونکہ مدلس راوی کی متابعت

آجائے تو اس کی تائید ہوجاتی ہے اور شبہ تدلیس کا دُور ہوجاتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ایک کی بجائے تین متابع بھی اسی اسناد سے وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کا جملہ نقل کر رہے ہیں اور متابع روایت میں اگر کوئی راوی معمولی درجہ کا ضعف بھی رکھنے والا ہو تب بھی کچھ حرج نہیں ہوتا کیونکہ اس سے احتجاج نہیں ہوتا بلکہ صرف تائید مقصود ہوتی ہے۔ موجودہ صورت متنازعہ میں احتجاج حضرت سلیمان تیمیؒ کی روایت سے ہے جس کو صحیح مسلم میں لایا گیا ہے۔ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی نے فتح الباری ص۲۴۲ ج۲ میں اخرجہ مسلم فی صحیحہ فرمایا اس کے بعد حضرت علامہ نوویؒ کا لم یخرجہ فی صحیحہ کہنا مقبول نہیں ہوگا۔ گزشتہ گزر چکا ہے۔

اعلاء السنن ص۵۱ ج۴ میں ہے نَوْسُلِّمَ سِمَاعُ سَالِمٍ مِنْہُ بَعْدَ الْاِخْتِلَاطِ فَھُوَ مُعْتَبَرٌ بِہٖ فِی الْمُتَابَعَۃِ وَلَمْ نَذْکُرْہُ لِلْاِحْتِجَاجِ فَبَطَلَ قَوْلُ مَنْ قَالَ اِنَّ لِلتَّیْمِیِّ تَفَرُّدٌ مِنْ بَیْنِ اَصْحَابِ قَتَادَۃَ بِھٰذِہِ الزِّیَادَۃِ۔ یعنی اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ انھوں نے اختلاط کے بعد سُنا ہے تو پھر بھی متابعت میں معتبر ہے ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا لہٰذا سلیمان متفرد نہ ہوئے۔

اور گزر چکا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت جو سلیمان تیمیؒ کے طریقہ سے مروی ہے اس کا شاہد عادل نسائی ص۱۰۶ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت مروی ہے اس میں وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ اس کو ابوخالد احمر راوی صحیح بخاری حضرت محمد بن عجلان سے نقل کر رہا ہے اور محمد ابن عجلان کو ترمذی ص۹۹۔ ص۵۶۱ میں مامون فی الحدیث فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت امام نوویؒ کا یہ فرمان بھی محل نظر ہے ص۱۷۵ ج۱ میں ہے:
وَاجْتِمَاعُ ھٰؤُلَاءِ الحفاظ علٰی تضعیفھا مقدم علٰی تصحیح مُسْلِم

اوّل اس وجہ سے کہ اس تصحیح میں صرف امام مسلم ہی منفرد نہیں، بلکہ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ بھی شریک حال ہیں۔ خود امام نووی نے ص۱۶ مقدمہ مسلم میں لکھا عَرَضتُ کِتَابِیْ هٰذَا عَلٰی اَبِیْ زُرْعَةَ الرَّازِی فکل ما اشار الی ان له علة ترکته وکل مَا قَالَ اَنَّهٗ صَحِیْحٌ وَلَیْسَ لَهٗ عِلَّةٌ فهو هذا الذی اخرجته یعنی میں اپنی اس کتاب (مسلم) کو تصنیف کے وقت اپنے شیخ ابوزرعہؒ کے سامنے پیش کرتا تھا جس حدیث کے متعلق وہ فرماتے کہ اس میں یہ خامی ہے تو میں اس کو چھوڑ دیتا تھا اور جس کے متعلق وہ صحت کا اطمینان رکھتے کہ اس میں کوئی علت نہیں ہے تو میں اس کو کتاب مسلم میں درج کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان تیمیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ روایت کو امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی صحیح قرار دیا۔ وانه لیس له علة سے بیان گزر چکا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نخبۃ الفکر ص۲۷ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں زِیَادَةُ رَاوِیْهِمَا (الحسن والصحیح) مَقْبُوْلَةٌ مَالَمْ یَقَعْ مُنَافِیَةً لِمَنْ هُوَ اَوْثَقُ منه یعنی صحیح اور حسن درجہ کی روایت کا راوی اگر زیادۃ روایت میں نقل کرے تو وہ مقبول ہوگی۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی ہے۔ ہاں اگر وہ ثقہ تر کے منافی ہو کہ ایک کے ماننے سے دوسری کی تکذیب اور مخالفت بنتی ہو تو اس میں تعارض کا قانون جاری ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا کی زیادۃ دوسری روایات کے منافی نہیں ہے۔ ہاں وہ ساکت ہیں اور یہ ناطق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مسلمؒ اور امام ابوزرعہ رازی رحمہما اللہ تعالیٰ کا اس زیادۃ کو صحیح کہنا معقول قانون کے عین مطابق ہے اور صحیح ہے اور بقیہ حضرات کا قول بلاوجہ محض مذہبی رعایت سے ہے۔ خاص کر جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نخبہ میں صحیحین کی ترجیح کے بیان میں فرمایا لتقدمهما فی معرفة الصحیح عن غیرهما۔ یہ باتیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔

سکتات میں فاتحہ خوانی کا اجمالی تذکرہ اور اسکا نقشہ

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

گزشتہ سکتات میں مقتدی کی فاتحہ خوانی کا تذکرہ مع مالہ وما علیہ گزر چکا ہے فی الحال اجمالی نقشہ بیان کرنا مقصد ہے کہ اس میں کس قدر حیرانی اور پریشانی پیش آئی۔

۱۔ سکتہ اولیٰ میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کی بجائے مقتدی فاتحہ پڑھے۔	رواہ البخاری عن بعض السلف
۲۔ سکتہ ثانیہ میں وَلَا الضَّالِّيْنَ کے بعد امام اتنا وقفہ کرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں۔	قالہ الحافظ ابن حجر فتح ج۲ ص۱۵۶ وھو المعروف عند الشافعیہ لکن لم یعرف فیہ قرأۃ الفاتحۃ من المحدثین مکرر
۳۔ سکتہ ثالثہ بعد الفراغ من القراءۃ ذکرہ الترمذی ص[illegible]	
۴۔ نماز کا امام ہر آیت پر اتنا وقفہ کرے کہ مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ لیں۔	قالہ مصنف خیر الکلام ص۲۹۶ عن بعض اہل الحدیث
۵۔ امام ہر آیت کے آخر میں مد پڑھے تو اس کو اتنا کھینچے کہ اس وقفہ میں مقتدی وہ آیت پڑھ لے یعنی امام کی آیت ختم کرنے سے پہلے اور اگلی آیت شروع کرنے سے پہلے۔	یہ مصنف خیر الکلام ص۲۹۹ کا خود ساختہ اور صدی نسخہ ہے جو تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد ایجاد ہوا ہے یا انکو الہام ہوا ہے۔
۶۔ ہو سکتا ہے کہ ساتھ ساتھ امام کے پڑھتا جائے۔	فقہ المذاہب الاربعہ۔ خیر الکلام ص۴۶

محل تعجب ہے کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی جگہ میں پانچ چھ اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ جو پہلی صدی بلکہ کئی صدیوں کے بعد ایجاد ہوئے جن میں مصنف خیر الکلام کا نسخہ تیرہ سو سال کے بعد منصۂ شہود میں آیا ہے کہ ہر آیت کے آخر میں مد اتنی

لمبی پڑھی جائے کہ مقتدی اس مد کے زمانہ میں امام کی پڑھی ہوئی آیت پوری دُھرالیوے۔ پھر بعض مقتدی پڑھنے میں ڈھیلے بھی ہوتے ہیں اُن کا بھی امام کو خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ شاید اس عجیبہ نسخہ پر ان کی قوم بھی عمل نہیں کرتی۔ کبھی سُننے میں نہیں آیا کہ فلاں مسجد کا امام غیر مقلد اتنی لمبی مد کھینچتا ہے۔ لوگوں کو سبق توڑ پڑھا گئے کہ ہمارے نزدیک سب جائز ہیں۔ آگے پڑھو۔ پیچھے پڑھو۔ ساتھ پڑھو۔ وغیر ذٰلک بمکر بلا دلیل۔

ان کی قوم اگر ان سے نہیں پوچھتی تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس طرح کا پڑھنا جو آپ بتا رہے ہیں۔ کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے؟ اور کیا قوانینِ تجوید اس کی اجازت دیتے ہیں؟ ثبوت پیش کرنا ہوگا نہیں تو آپ کا یہ عمل بدعت ہوگا۔ اور یقیناً آپ بدعتی ہوں گے۔ قرون مشہود لہا بالخیر اس سے خالی نظر آتے ہیں۔ مزید تعجب تو یہ ہے کہ دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ تو یہ بتانا ہوگا کہ ان پانچ چھ طریقوں میں سے جو آپ نے بیان کیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کن کن کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ ہم آپ سے اپنے پڑھنے کی تجویزیں نہیں پوچھتے کہ آپ کہیں کہ سب طرح جائز ہے۔ نماز کے فریضہ کی ادائیگی کا معاملہ ہے۔ ہر دن تین جہری نمازوں میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کیا معمول رہا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول خلف الامام ان طریقوں میں کون سا تھا؟ دُلہن کو لایا جاتا ہے تو اس کا محل رہائش اُسی وقت بنایا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے۔ سالوں کے بعد نہیں کہا جاتا کہ آپ کا یہ ٹھکانا ہے وہ ٹھکانا ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے آمین کا جو سنت ہے ٹھکانا بتا دیا۔ اور مقتدی کو فرمایا کہ جب امام وَلَا الضَّالِّيْن سے فارغ ہو جائے تو تم آمین پڑھا کرو۔ رکوع جاؤ تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم تین

مرتبہ کہا کرو۔ اسی طرح سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى پڑھا کرو۔ حالانکہ یہ تینوں چیزیں سنت بلکہ مستحب ہیں۔ ان کے بدون نماز ہو جاتی ہے مگر سورۂ فاتحہ جس کو فریق ثانی مقتدی پر فرض کہتا ہے۔ اس کے پڑھنے کا محل نہیں بتایا اتنا اہم فریضہ کہ اس کے بدون آپ کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی اور ایک امام کے پیچھے سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو پتہ نہ دیا جائے کہ کہاں پڑھنی ہوگی؟ آپ کا فتویٰ ہے کہ سب جگہ پڑھنا درست ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اول سکتہ میں پڑھنے لگیں۔ امام نے جلدی سے قرأت شروع کر دی وہ درمیان میں رہ گئے۔ بعض لوگ اس میں تقدم علی الامام کی خرابی کی وجہ سے دوسرے سکتہ میں پڑھنے لگیں۔ وہ نہایت مختصر ہے۔ اس میں فاتحہ نہیں پڑھی جا سکتی۔ امام سمجھے کہ ساتھ ساتھ پڑھی ہوگی وہ آمین کہنے کے بعد قرأت میں شروع ہو گیا۔ مقتدی ابھی آدھی بھی نہیں پڑھ سکے ہوں گے۔ بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ امام ہر آیت کے بعد وقفہ کرے گا۔ اس میں پڑھیں گا۔ امام نے درمیان کا وقفہ ہی نہ کیا۔ اس کا خیال یہ ہوا کہ لوگ ساتھ ساتھ پڑھتے ہوں گے۔ اس الجھاؤ کی بتائیں کیا تدبیر ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام متعین صورت فرماتے تو سب لوگ اس پر عمل کرتے ہمارے نزدیک سب جائز ہیں۔ کہنے سے جیسے مصنف خیر الکلام نے کہا۔ (حوالہ گزر چکا ہے) یہ اشکال رفع نہیں ہوتا۔

فرض کیجئے امام اول سکتہ میں پڑھنے کا قائل ہے۔ جیسے امام غزالی اور اس کے متبعین کا خیال ہے۔ اس نے سکتہ تکبیر تحریمہ کر لیا اور اتنا ٹھہر بھی گیا کہ لوگ فاتحہ پڑھ لیں۔ لیکن مقتدیوں میں سے بعض لوگ اس کو پسند ہی نہیں کرتے کہ اس میں تقدم علی الامام فی الرکن بنتا ہے۔ جو اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ کے خلاف ہے۔ ان کا مختار ہے کہ آمین کے سکتہ میں پڑھنا ہے جیسے حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں گزرا ہے۔ تو کیا یہ امام ان کی فاتحہ خوانی کی خاطر دوبارہ ٹھہرے گا ؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو اوّل سکتہ میں پڑھنے کا عقیدہ رکھنے والا ہے۔ آپ اس کو کیسے مجبور کر لیں گے ؟ اسی طرح بقیہ صورتوں کی صعوبتوں کو بھی دیکھ لیجئے کہ ان میں فاتحہ خوانی کی کتنی بدنظمی ہو گی ؟ کئی ساتھ ساتھ پڑھنے کو بُرا جانتے ہوں گے۔ امام ممکن ہے کہ غیر مقلدین کی طرح ساتھ ساتھ پڑھنے کا عقیدہ رکھنے والا ہو ؟ کیا ضروری ہے کہ وہ آمین کے سکتہ میں ٹھہرے۔ یا اوّل سکتہ میں پڑھنے کا موقع لوگوں کو دے ؟

کوئی شخص اپنی رائے پر دوسرے کو مجبور نہیں کر سکتا۔ پھر اس کش مکش کا کیا حل ہے ؟ اس لیے ہم نے کہا تھا کہ تفصیل فاتحہ کے محلِ قرأت کی حضرت شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ہونی ضروری ہے تاکہ سب لوگ ایک نظم میں آجائیں۔ ورنہ مختلف آراء میں یہ کھچڑی پکنی مشکل ہو گی۔ آپ دھیان فرمالیں بات بالکل واضح ہے۔ وَالنَّاسُ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاہِبُ کا مقولہ مشہور ہی ہے۔

اس سے مصنف خیر الکلام کے خود ساختہ نسخے ص۳۹۷ کا حال بھی معلوم ہو جائے گا کہ فرمایا ہر آیت کے آخر میں یاء مدّہ کو امام اتنا کھینچے کہ مقتدی لوگ اس میں آیت پڑھ لیویں : ہم تو پوچھتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے پڑھتے تھے تو اس طرح کا عملی ثبوت بتائیں۔ اگر نہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ خیر الکلام کا یہ نسخہ بھی کھوٹا ہے اور من مانی شریعت ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کیجئے کہ :

اس طرح تو وہی لوگ کر سکیں گے جو امام صاحب کے قریب ہوں گے اور امام کی آواز سنتے ہوں گے اور سمجھیں گے کہ امام صاحب ہمارے لیے مد کھینچ رہا ہے اور تکلیف کر رہا ہے کہ ہم اس مد کے زمانہ میں آیت سابقہ پڑھ لیں۔ لیکن جو لوگ امام سے دور ہوں گے ان کو قرأت کی آواز تو نہیں

سنائی دیتی، وہ کیا کریں گے؟ اسی طرح آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ آیت کے ختم ہونے کے بعد امام اتنا وقفہ کرے کہ اس میں مقتدی لوگ فاتحہ پڑھ لیویں۔ ہمارے سلف ایسا کرتے تھے ہم دریافت کریں گے کہ کیا یہ عمل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہوا ہے؟ اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے کیا ہے؟ ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ جن بعض سلف نے کیا وہ مجبوری سے اجتہادی عمل میں کیا اور وہ صحابی بھی نہیں۔ اجتہادی عمل پر دوسروں کو پابند کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجتہادی عمل بھی دوسروں پر حجت نہیں بنتا؟ آپ ان کے بعد کے بعض سلف کا عمل پیش کر رہے ہیں۔ یہ نسخہ ان کا ایجاد کردہ ہے وہ بھی بعض حضرات کا۔ آپ اس کو کیسے حجت بنا رہے ہیں جب کہ آپ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ تمام مذاہب اربعہ وغیرہ کے بیس تراویح پر متفق عمل کو حجت نہیں مانتے اور حنفیہ کو ان سے پیچھے کے زمانہ کے لوگوں کا عمل پیش کر کے دھوکہ دیتے ہو۔ اس کے علاوہ میں وہ بات پھر دہراؤں گا جو خیر الکلام ص۲۹۶ میں ہے کہ امام آیت کے بعد ٹھہرے کہ مقتدی آیت پڑھ لیں۔ دھصلہ اس سے تو وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو امام کی قرأت سنتے ہوں گے۔ دور کے لوگوں کو کیا پتہ چلے گا کہ آیت اب ختم ہوئی۔ اور پچھلی صفیں تو دور تک ہوتی ہیں ان کو قرأت نہیں سنائی دیتی وہ کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ یہ آپ کا خود ساختہ کیمیائی نسخہ یا الہامی وظیفہ تو مدرک لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے جو اول سے امام کے ساتھ شامل ہوں گے لیکن فاتحہ کے درمیان میں ملنے والے کیا کریں گے؟ اگر آپ کہیں وہ مستثنیٰ ہیں تو یہ باطل ہے۔ استثناء شرعی قوانین میں شرعی دلائل کی مجبوری سے کی جاتی ہے۔ آپ کا یہ اجتہادی نسخہ قانونِ شرعی نہیں ہے۔ پھر استثناء کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا نسخہ ہی نامکمل ہے اس میں دور اندیشی نہیں کی گئی بلکہ میں یہ بھی کہوں گا

کہ جو شخص فاتحہ کے بعد امام کو پاتا ہے یعنی مدرک رکوع، وہ آپ کے ان دونوں نسخوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ آپ اس کو مستثنیٰ کہیں تو یہ آپ کا زعم فاسد ہوگا۔ اس بہانے کی ضرورت جب ہوگی کہ مقتدی کے ذمہ فاتحہ کا فرض ہونا کامل صحیح اور صریح حدیث سے ثابت کریں۔ عمومات محل تردد ہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح محدثین شافعیہ میں سے حضرت ابن خزیمہؒ اور ابن منذرؒ کی باتیں پیش کرنا بھی بے سود ہوگا کہ وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت نہیں کہتے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی تردید گزر چکی ہے کہ یہ قول ان کا حضرات شافعیہ کے جمہور کے خلاف ہے۔ فتح الباری ص۲۵۹ ج۲ میں ہے: حجة الجمهور حديث ابي بكرة رضي الله عنه حين ركع دون الصف قال له النبي صلى الله عليه وسلم زادك الله حرصا ولم تعد ولم يأمره بالاعادة اس سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک اس کی وہ رکعت صحیح ہوگئی اگرچہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ شافعیہ حضرات محدثین اس کو اگرچہ مستثنیٰ کہتے ہیں لیکن یہ توجیہ ان کی مذہبی مجبوری سے ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی صحت کی بنا اس پر ہو کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض اور واجب نہیں ہے۔ اس لیے رکوع کے مل جانے سے رکعت کا مل جانا ہوگیا۔ خشيت ان تفوتني ركعة۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اسکی شہادت دیتا ہے۔ گزشتہ تفصیل گزر چکی ہے۔

اس وقت خیال یہ ہوا کہ یہ سلسلہ کلام ختم کیا جائے۔ جس قدر خیر الکلام میں ہماری تھی اس سے خبرداری دے دی گئی ہے۔ بچنا آپ کا کام ہے۔ اور جس قدر تیرو کمان انھوں نے برسائے ان کا بدلہ بھی دے دیا گیا ہے۔ اب وہ یہ کہتے رہیں:

ہمہ تن داغ داغ شد   پنبہ کجا کجا نہم

بلکہ اس لیے کہ ابھی ہم نے کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ اس لیے اسی مقدار پر اکتفا کردی گئی ہے۔ اگر فریق ثانی نے بے اعتدالی سے کام لیا، تلخی اور ترشی دکھائی جیسے ان کے بعض لوگوں کی عادت ہے تو انشاء اللہ بقیہ مانده

کی نشانہ ہی بھی کر دی جائے گی۔ ہمہ نہ رہے تو کوئی امداد کر دے گا۔

حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : اَرْمُوْ هُمْ وَاسْتَبِقُوْا اَنْبَلَكُمْ ۔ ہمارا بیان صرف مدافعانہ اور منصفانہ ہے۔ فریقِ ثانی کے کم نظر لوگ گلی کوچوں میں شور مچاتے پھرتے ہیں کہ حنفیوں کی نمازیں نہیں ہوتیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ گھر کی خبر لو۔ آنکھیں کھولو۔ کہیں یہ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۔ والا منظر نہ ہو۔ خلف الامام فاتحہ خوانی خاص کر جہری نمازوں میں اس کے سب راستے بند ہیں۔ ہمت ہے تو صریح اور صحیح حدیث پیش کیجیے۔ کہیں متابعات کا سہارا لیتے ہیں اور کہیں حِسّان کو صحاح کی جگہ یا اس کے مقابل لے آتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قلم اٹھائی جائے۔ ورنہ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کا حکم بھی آیا ہوا ہے۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ۔

بَابُ الْمُتَفَرِّقَات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ ۔ اَمَّا بَعْدُ :

حضرات حنفیہ کثرہم اللہ تعالیٰ کی ضد اور مخالفت میں بعض مفسد مزاج طبائع کی عبارات میں دیکھا۔ جن کو انھوں نے اشتہارات اور رسائل میں شائع کیا کہ حنفیہ مذہبی اماموں کی تقلید کرتے ہیں اور تقلید مشرکانہ عمل ہے۔ اور وہ آیتیں نقل کرتے ہیں جو قرآن کریم میں مشرکین کی جانب سے دلائل شرک میں بیان کی گئیں۔ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا وغیرہ۔ پھر اس سے تقلید کی مذمت کرتے ہیں۔ بعض تو اسکو حرام کہہ دیتے ہیں اور بعض کم ظرفی سے کفر کا فتویٰ لگا کر اس کو شرک کہہ کر اپنا اور اپنی قوم کا ایمان ضائع نہیں کرتے تو نقصان دارین ضرور کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ منفعت کے لیے اتنا نقصان یہ کون سی عقلمندی ہے؟

یہ غباوت اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن کریم نفس تقلید کی مذمت نہیں کرتا۔ وہ تو صالحین امت، علمأ دین کی تابعداری کرنے کی ہدایت دے رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد آنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں: وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ۔ دراصل قرآن کریم نے مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ اور شرکیہ اعمال واقوال کی تردید کی ہے اور براہین قاطعہ عقلیہ ونقلیہ سے ان کا بطلان اور خلاف عقل ہونا ثابت کیا ہے اس کے بعد کفار سے پوچھا کہ تمھارے پاس بت پرستی کی صحت کے کیا دلائل ہیں؟ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمْ ۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۔ اس کے جواب میں ان کا قول نقل کیا۔ انھوں نے کہا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا ۔ وَاِنَّا عَلٰى

اٰثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ وغیرہ۔ یہ تقلید شرکیہ اعمال میں انھوں نے باپ دادا کے چال چلن کی کی جو سوائے جہالت کے کچھ نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَاؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَھْتَدُوْنَ۔ ایسی تقلید قابلِ مذمت ہے یہ کورانہ اور احمقانہ رویہ ہے اور ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا والا معاملہ ہے۔

کیا ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے خبر اور ناآشنا تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھنے اور پانے والے تھے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عمل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قریبی دور میں آنے والے اور اس کو صحیح وسلامت پانے والے اور نبوت کے قریبی زمانہ میں یہ حضرات آئے۔ اس وقت کے اکثر لوگ دین سے پورے باخبر تھے۔ قرآن وحدیث کے ذخائرِ علمیہ سینوں میں محفوظ رکھے ہوئے تھے تو حضرت امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کو انھوں نے اپنا مذہبی راہنما ومقتدا بنایا۔ علمی میدان میں ان کی طرف سر جھکایا۔ اسی طرح حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کی علمی بلندی شان کو دیکھ کر اور پاکر ان کی تابعداری علمی باب میں کی گئی۔ ان حضرات کے علمی اور عملی زہد وتقویٰ کے تفوق کو دیکھ کر اہلِ زمانہ نے ان کی اتباع کی جس کی جس سے عقیدت ہوگئی۔ اپنے دین وایمان کی سلامتی اسی میں سمجھی کہ اجتہادی مسائل میں انکی تابعداری کی جائے۔ مَاتَ وُضِعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ کی نشاندہی کرتی ہے۔

کیا ایسی تقلید مذموم ہوسکتی ہے؟ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں اِئْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَأْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ۔ اے صحابہؓ تم میری اتباع کرو اور تمھارے بعد کے آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ تمھاری اتباع کریں۔ اس میں تو دین کی حفاظت کا راز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قریبی زمانہ میں دینی مسائل کا مزید اختلاف رونما نہیں ہوا تھا۔ پیش آمدہ مسئلہ جس سے چاہتے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اگر اس کے پاس جواب نہ ہوتا تو دوسرے کسی

علم دین سے دریافت کر لیتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانہ میں علم و عمل دونوں میں اختلال پیدا ہو گیا۔ اِعْجَابُ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ ہونے لگا۔ فرقِ ضالہ اہل السنت سے کٹ کر اور جماعت اہلِ حق سے ہٹ کر فساد پھیلانے لگے ان کے بالمقابل اہلِ حق نے اپنے اپنے زمانہ میں اہلِ باطل سے مقابلے کیے مناظرے ہوئے ان میں نمایاں یہ حضرات تھے جن کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

من رحمة الله بعباده المسلمين اَنَّ الْاَئِمَّةَ الَّذِيْنَ لهم لِسَانُ صِدْقٍ فِي الْاُمَّةِ الائمة الاربعة وَغَيْرُهُمْ كمالك والثوري والاوزاعي والشافعي واحمد واسحاق وابي حنيفة وابي يوسف ومحمد كَانُوْا ينكرون عَلٰى اهل الكلام مِنَ الْجَهْمِيَّةِ قَوْلَهُمْ فِي الْقُرْاٰنِ وَالْاِيْمَان وَصِفَاتِ الرَّبِّ وَكَانُوْا متفقين عَلٰى مَا كان عليه السَّلَفُ (كتاب الايمان مختصرًا) یہ عبارت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہاں اس لیے لائی گئی ہے کہ حضرت امام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ائمۂ اربعہ کو خداوند تعالیٰ کی رحمت فرما رہے ہیں یہ اپنی عقیدت ان کے متعلق بیان فرما رہے ہیں اور انکی دینی خدمات کا شکریہ ادا کر رہے ہیں کسی امام سے قلبی کدورت نہیں رکھتے انکی ثناء خوانی کر رہے ہیں لوگوں کو انکی عظمتِ شان بتا رہے ہیں۔ تو انکی تابعداری کرنے والے مقلدین بھی اس خیر و برکت میں حصہ دار ہوں گے۔ خود بھی حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہبی مسائل میں مقلد ہیں۔ بقیہ سب ائمہ دین متبوعین کو عقیدت مندی کی نگاہ سے دیکھ کر یاد فرما رہے ہیں۔ لیکن ہمارے زمانہ کے بدمذہب اور نااہل ان حضرات ائمہ دین کی اتباع جسے تقلید کہتے ہیں۔ حرام بلکہ کفر تک سے یاد کرتے ہیں اور قوم کو سکھاتے ہیں کہ کسی کی نہ مانو۔ صرف ہماری باتوں پر ایمان لاؤ۔ وہ آیتیں جو کفار کی اپنے آباء کے شرکیہ عقائد کی تقلید میں نازل ہوئی ہیں مگر وہ امام المسلمین حضرت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی تقلید کی تردید میں پڑھتے ہیں کہ تقلید حرام ہے اور شرکیہ کام ہے۔ دیکھو خداوند کریم تقلید کی مذمت فرما رہے ہیں۔ لہٰذا ہم تقلید سے بیزار ہیں۔

یہ جاہل نہیں جانتے کہ اگر تقلید فی نفسہٖ حرام ہے تو حضرت حافظ ابن حجر اور امام بیہقی اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق تم کیا کہتے ہو وہ تو سب کے سب امام شافعیؒ کی تقلید کرنے والوں میں سے ہیں؟ بلکہ امام ابن خزیمہؒ اور ابن منذرؒ بھی اسی جماعت کے ارکان دولت میں سے ہیں۔ آپ لوگوں نے صرف حنفیہ کی ضد و عناد میں تقلید کو حرام اور کفر کہہ دیا مگر اس عموم میں تو یہ حضرات بھی آگئے جن کی کتابوں کی خوشہ چینیاں آپ لوگ کرتے ہیں۔ کیا صاحب مشکوٰۃ غیر مقلد ہیں کہ ان کی کتاب درسوں میں پڑھاتے ہیں؟ کیا آپ کی جماعت ان سب حضرات پر وہی فتویٰ لگائے گی جو حنفیہ کے مقابلے آپ کی زبان اور قلم بولتی اور سکھاتی ہے۔ نعوذ باللہ من شر الشیطٰن۔

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

بلکہ اگر آپ کا یہ فتویٰ ایمانداری کا ہے تو ذخیرۂ حدیث سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ ہر حدیث میں صحابہؓ اور حضرات تابعینؒ سے نیچے کے رُواۃ آئمہ اربعہؒ وغیرہم میں سے کسی کا مقلد ہی ہوگا اور تقلید حرام ہے تو وہ فاسق ٹھہرے گا۔ اور روایت میں راوی کا عادل ہونا صحت حدیث کے لیے شرط ہے۔ غیر مقلد راوی ایک بھی نہ ملے گا۔ آپ کی جماعت تو ڈیڑھ دو سو سال کی پیداوار ہے اور انگریز کے دور کی۔ ہم سے ایک شخص نے کہا کہ تقلید ضروری ہے تو بتاؤ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کس کے مقلد تھے؟ میں نے جواب دیا کہ جب تم امام بخاریؒ کے درجہ کو پہنچ گئے تو تم بھی تقلید کسی کی نہ کرنا۔ لیکن اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ جو شارح صحیح بخاری ہیں ان کے درجہ تک پہنچے تو تقلید کرنی

پڑے گی۔ علاوہ ازیں طبقات الشافعیۃ الکبرٰی اور انصاف اور الحطہ وغیرہ میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو شافعی المسلک لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ تو اس تبحر علمی کے باوجود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فقہی مسائل میں تقلید کر رہے ہیں۔ فتح الباری کے صفحہ اول کو دیکھیں تو آپ لوگ انکی بلوغ المرام اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ پڑھ کر کیسے تقلید سے مستغنی ہو سکتے ہیں؟ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۵۴ میں دیکھئے:

مِمَّا يُنَاسِبُ هٰذَا الْمُقَامَ التنبيه على مسائل ضلت فى بواديها الْأَفْهَامُ وَزَلَّتْ الْأَقْدَامُ وَطَغَتْ الْأَقْلَامُ منها أَنَّ هٰذِهٖ الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ الْمُدَوَّنَةَ الْمُحَرَّرَةَ قَدْ اِجْتَمَعَتْ الْأُمَّةُ أَوْ مَنْ يُعْتَدُّ بِهَا عَلٰى جَوَازِ تَقْلِيْدِهَا. اِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا وَفِيْ ذٰلِكَ مصالح مالا يَخْفٰى۔ لَاسِيَّمَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ الَّتِيْ قَصُرَتْ فِيْهَا الْهِمَمُ جِدًّا وَاُشْرِبَتِ النُّفُوْسُ هَوَاهَا. وَاُعْجِبَ كُلُّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ۔

یعنی اس مقام میں چند مسائل قابلِ تنبیہ اور لائق توجہ ہیں۔ کئی لوگ ان میں بھٹک گئے ہیں۔ ان میں ان کے قدم پھسل گئے ہیں اور ان میں ان کی قلمیں اعتدال سے نکل چکی ہیں۔ ایک ان میں یہ ہے کہ یہ چاروں مذاہب جن کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ (یعنی فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی) ائمہ اربعہ کے مقلدین (اتباع) کی تصنیفات جو ثقات راسخین فی العلم نے لکھی ہیں ان میں ان ائمۂ دین کے مسائل جمع کیے گئے ہیں۔ امت مرحومہ کے جملہ اجلّٰہ حضرات یا یوں کہا جائے کہ جن حضرات کے فرمودہ اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس بات پر متفق اللسان ہیں کہ ان حضرات کی جن کو ائمہ اربعہ کہتے ہیں تقلید کرنا جائز اور صحیح ہے اور آج تک اس میں کسی نے نزاع نہیں کیا غالباً کہ

ہمارے اس زمانۂ حاضر کے لوگوں کے لیے تو تقلید بہت ہی ضروری ہے اور اس میں دینی مصالح اور کثیر فوائد ہیں جو مخفی نہیں ہیں۔ علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی ہمتیں تمام ہو چکی ہیں اور ہوائے نفسانیہ دلوں میں بھر چکی ہے۔ ہر شخص معمولی رائے سمجھ والا بھی اپنی رائے کو سب سے فائق اور رفیع جان رہا ہے۔ اسی کو اتباع دین سمجھتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ان فرمودہ کلمات میں جن جن باتوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور توجہ دلا رہے ہیں۔ غور سے کام لیجئے تو سمجھ جائیں گے کہ یہ تو ان کے زمانہ کا حال ہے۔ اب صدی، دو صدی کے بعد تو معاملہ اور بھی نازک ہو چکا ہے اور اب تو تقلید کو حرام بلکہ کفر تک کہنے والے آ گئے ہیں۔

تقلید شخصی کی صحت کا مطالبہ نرا بہانہ بلکہ خالص افسانہ ہی ہے

غیر مقلدین کے خواص و عوام یہ کہا کرتے ہیں کہ حنفیہ شخصی تقلید کرتے ہیں اور ہم اسکا انکار کرتے ہیں اور اس کو حرام کہتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں ملتا۔ تابعینؒ اور تبع تابعین کے دور میں اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

الجواب یہ سبق عوام کو محض اس لیے پڑھایا گیا ہے کہ ان کے راہبر مسائل میں من مانی کارروائی کر سکیں اور اپنی مرضی کے مطابق دین کی تعبیر کر سکیں۔

کیوں جناب: حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ "خُصُمَت الْأُمَّةُ وَمَنْ يُعْتَدُّ بِهَا عَلَى جَوَازِ التَّقْلِيدِ" میں اسی تقلید شخصی کے جواز کا اعلان نہیں کر رہے ہے۔ آپ لوگوں کا یہ قول اس کے مخالف مردود ہی ہے۔ آپ لوگوں کا یہ قول مَنْ يُعْتَدُّ بِهَا کے فرمان کے خلاف مَنْ لَا يُعْتَدُّ بِهَا ہے۔ اس کے بعد ان کا یہ فرمان بھی ہے۔ مجتہدین ائمۃ الدین کی تقلید میں مصالح کثیرہ ہیں۔ بالخصوص موجودہ زمانہ میں وفی ذٰلک مصالح .... الخ

اس فرمان میں تقلید نہ کرنے والوں کے غلط نظریہ کی تغلیط بھی فرما گئے۔ اور اپنے فرمان اُشْرِبَتِ النُّفُوْسُ هَوَاهَا میں غیر مقلدین کے مسائل کی بنیاد کی طرف اشارہ بھی فرما گئے کہ یہ لوگ مسائل میں سہولت پسندی کو مد نظر رکھنے کا کام کرتے ہیں اور نفس کی خواہش بھی یہی ہے کہ سہولت ہو جائے۔ خواہ کتنی ہی بعید بات ہو، اس کو یہ دینی مسئلہ بنا دیں گے کہ اس میں آسائش ہے۔ اس میں ایک مجتہد کے خلاف چھوڑ کر سب کے خلاف کی بھی پروا نہیں کریں گے۔ مصنف خیر الکلام ۵۶۲، ۵۶۳ میں جبکہ ان پر الزام لگایا گیا کہ تم لوگ (غیر مقلدین) جمہور اہل اسلام کے خلاف چال چلتے ہو تو لکھتے ہیں جمہوریت حدیث کے معاملہ میں کوئی چیز نہیں۔ (اسجان اللہ) پہلے شخصی تقلید کا انکار تھا اب جمہور امت جس کو اکثریت کہا جاتا ہے اس کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہیں کہ حدیث ہم خود جانتے ہیں۔ ہم کسی کی نہیں مانتے۔ اسی کو علماء محدثین ہوائے نفسانی کی اتباع کہتے ہیں۔

ہم نے گزشتہ کہا تھا کہ بیس تراویح پر چاروں امام اور ان کی تابعداری کرنے والے متفق ہیں اور حرمین شریفین میں بالاجماع خیر القرون کے زمانہ سے آج تک اسی پر اتفاق اور عمل چلا آرہا ہے۔ لیکن یہ غیر مقلدین مسجد نبوی اور مسجد حرام دونوں میں امام کے ساتھ آٹھ تراویح پڑھ کر صفیں توڑ کر نکل جاتے ہیں۔ یہ تن آسانی نہیں تو کیا ہے۔ سب دنیا کے مسلمان وہاں موجود ہوتے ہیں کوئی خلاف نہیں کرتا لیکن نام نہاد جماعت اہل حدیث والے اپنے علم و فہم کو سب سے بالا جانتے ہوئے بقیہ رکعات کو چھوڑ کر آرام کرنے نکلتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں۔ اُشْرِبَتِ النُّفُوْسُ هَوَاهَا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ترمذی شریف میں نقل کیا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس تراویح پر ہی پایا ہے۔ ادرکت ببلدنا بمکہ یصلون عشرین رکعۃ۔ (ترمذی ج۱ ص۱۷) ہذا میں اسی کو اختیار کرتا ہوں۔ امام مالک نے بھی یہی دیکھا اور اسی پر عمل کیا۔ یہ غیر مقلدین حضرات جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حجت بناتے

ہیں۔ کیا اس کو ان حضرات اور دیگر اسلاف امت نے نہیں دیکھا اور پایا ہرگز نہیں اصل بات صرف وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب فرما گئے ہیں کہ ھوائے نفسانی نے ان کو اس من مانی پر آمادہ کیا اور انھوں نے اس میں اپنے نفس امارہ کی آسائش دیکھی اور اسی مذکورہ نظریہ کے ماتحت تین طلاق کو ایک بنا دیا اور التثلیث فی التوحید کا نظریہ اپنایا۔ ان کے جس کام کو بھی آپ دیکھیں گے یہ واضح پائیں گے کہ انھوں نے نفسانی خواہشات اور سہولت پسندی کو مذہب اہل حدیث بنا رکھا ہے۔

۲ ـــــ مزید غور فرمائیں کہ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ فرماتے ہیں کہ ساری امت کا یا جن کے قول کا اعتبار دین میں کیا جاتا ہے اس پر اجماع ہے کہ ائمہ مجتہدین عظام اور ائمہ اربعہ کی فقہی مسائل میں تقلید جائز ہے۔ بلکہ مصالح وقتیہ کا تقاضا بھی یہی ہے اور یہی دین کی سلامتی کا واحد ذریعہ ہے اور عقل سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یقین سے کہا جاتا ہے کہ اس صریح ارشاد کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی اجماع اور اتفاقی مصالح کے پابند ہوں گے۔ لوگوں کو نصیحت کرنا اور اپنے کو فراموش کرنا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ غیر مقلدین تو ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ وہ تو ایسی باتوں کے خلاف نعرے لگاتے اور ڈنکے بجاتے ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ملک میں جہاں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہی رائج ہے اس کو دیکھتے ہوئے آپ بھی اسی مذہب کے عقیدت مند ہوں گے۔ آپ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ:

فان كان انسان جاهلا فى بلاد الهند . الى قوله وجب عليه أن يقلد بمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه الخروج من مذهبه.	جب کوئی انسان ہندوستان وغیرہ علاقوں میں جاہل ہو (آگے فرمایا) تو اس کے لیے واجب ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس کے لیے اس سے نکلنا حرام ہے۔
(انصاف ص۷۰)	

اور گزشتہ ایمان کے بسیط اور مرکب ہونے کے مسئلہ میں گزرا کہ حنفیہ ایمان

کی اصل حقیقت تصدیقِ قلبی کہتے ہیں۔ اعمال کو فرض، واجب، سنت اور مستحب کہتے ہیں۔ لیکن ان کو حقیقت اصلیہ سے خارج کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور محدثین کرام اعمال کو تکمیل ایمان کے لیے داخل حقیقت مانتے ہیں۔ ایمان مجموعہ تصدیق بالقلب و اعمال کو کہتے ہیں۔

اس بیان میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ گزرا۔ القول بِالْمَجْمُوعِ یُمْکِنُ صَرْفُہَا عَنْ ظَاہِرِہَا بِاَدْنٰی عِنَایَۃٍ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حنفیہ کے قول کو اصل بنا رہے ہیں۔ اور مجموع کے قول کی تاویل اور توجیہ کر کے اس کو اصل کی طرف راجع کرتے ہیں۔ کَمَا مَرَّ۔

غیر مقلدین نے ان کی بعض عبارتوں کو غلط انداز میں پیش کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ ہمارے جیسے اہلِ حدیث (غیر مقلد) تھے۔

۳ —— غیر مقلدین جب حنفیہ کے بالمقابل ہو کر تقلید کو حرام یا کفر و شرک بتاتے ہیں۔ تو ان کو کیا حق ہے کہ ان محدثینِ شافعیہ کے اقوال سے استدلال کریں۔ مثلاً امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ، حافظ ابنِ حجرؒ اور ابنِ خزیمہؒ وغیرہ۔ کیونکہ یہ سب حضرات شافعی المذہب محدثین ہیں پھر ان کی طرف ہاتھ پھیلانے کے کیا معنی؟ کیا یہ تھوک کر چاٹنا نہیں بنتا۔

حضراتِ حنفیہؒ کا اختلاف ان حضرات سے محض اجتہادی درجہ کا اختلاف ہے جیسے ایک کا ظن دوسرے کے ظن کے خلاف ہو جاتا ہے اور ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو جاتی ہے۔ غیر مقلدین کی اگر حنفیہ سے دشمنی اس لیے ہے کہ وہ تقلیدِ شخصی کے قائل ہیں تو مذکورین سب حضرات محدثین کرام بھی تقلیدِ شخصی کے قائل ہیں۔ اگر حنفیہ مشرک اور بدعتی ہیں تو یہ حضرات بھی تقلیدِ شخصی کا ارتکاب کر کے مشرک اور بدعتی قرار پاتے ہیں۔ پھر حنفیہ سے دشمنی اور ان سے دوستی کے کیا معنی ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دشمنی کا اصل سبب فسادِ ضمیر ہے۔ یہ سب بہانے ہیں۔ ان کے اختلاف کا منشا تدین

نہیں ہے۔ محض ہوائے نفسانی کی اتباع ہے جیسے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں گذرا۔ یہ نیا مذہب اہل حدیث (غیر مقلدین) کا گیارہ بارہ سو سال کے بعد اسی بنیاد پر قائم ہوا۔ ان کو چاہیئے کہ اپنے مذہب کی صحت میں غور کریں ان کا مذہب اجماع مرکب کے خلاف ہے۔

۴ ——— یہ باتیں ضمنی طور کی ہے۔ اصل بات تقلید شخصی میں تھی۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین عظام کے زمانہ میں نہ تھی۔ جواب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس زمانہ میں جب خیر صحیح علم اور عمل والے بکثرت تھے جس سے واقعہ جزئیہ و مسائل دینیہ نیا پیدا ہوتا صحیح رہنمائی ہو جاتی تھی۔ بعد کے زمانوں میں دونوں میں جب نقصان ظہور ہو تو اس وقت مخصوص حضرات اہل علم ہی مرجع بن گئے اور ان میں سے ائمہ اربعہ زیادہ فضل و کمال کے جامع سمجھے گئے اس لیے انہی سے وابستگی دین کی حفاظت سمجھی گئی۔ کسی نے کسی کی تقلید کی اور کسی نے کسی کی مگر فقہ حنفی کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ کسی فقہ کو نہ ہوئی۔ اس کو تقلید شخصی کہہ کر لوگوں کو متنفر کرنا اور اس نفرت سے دلوں کو حیرت میں ڈالنے کے لیے فریق ثانی کے حملہ کا زور نکالنا ہے جو ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی مسائل میں سابقہ قول سے رجوع کر لیا ہے جب کہ ان اقوال کے مخالف کوئی قوی دلیل شرعی پیش ہو گئی۔ ہمیشہ اہل حق کا یہی معمول رہا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے شیخ اور امام کے مسلک کے خلاف کوئی قوی دلیل پا لیتے تو امام کے قول کو چھوڑ دیتے تھے اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال بھی رہا ہے۔

اجتہادی نوعیت کا اختلاف منشاء شرعی پر مبنی ہوتا ہے محض رائے نہیں ہوتی کئی جگہ فتویٰ حضرات صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے یعنی عمل کے لیے وہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔ جیسے رضاعت کا مسئلہ۔ مزارعت کا مسئلہ۔ جنگی اسیروں کے تبادلہ کا مسئلہ۔ وغیر ذلک۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقلید شخصی نہیں بلکہ دلیلِ شرعی کے علم

یا اس کی قوت اور ضعف کا مسئلہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کی اتباع دلیل شرعی کی تابعداری ہی سے ہے۔

اگر تقلید شخصی بھی کی جائے تو بھی بعید نہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب قافلہ کو جہاد کے لیے بھیجتے تو امیر لشکر کی تابعداری کا حکم فرماتے تھے الغرض جس شخص کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر بنایا اس کے علم وعمل پر اعتماد کرکے اس کی تابعداری کا حکم دیا۔ اسی طرح بعد کے زمانہ کے لوگوں نے جس شخص کو علم وعمل فراست اور ورع میں کامل ومکمل پایا۔ علوم نبوت کا حاذق روایت اور درایت کا خزانہ اور خواص اہل علم کا اس کو مرجع دیکھا تو اس کو دینی معتمد علیہ امام بنالیا دیکھیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثیر التعداد تھے لیکن ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان علمی رفیع سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مسئلہ میں کہنا پڑا لَا تَسْئَلُوْنِیْ مَادَامَ ھٰذَا الْحِبْرُ فِیْکُمْ (یعنی ابن مسعودؓ) اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شان بلند تھی۔ اسی معیار کے موافق حضرات ائمہ اربعہ کا چناؤ ہوا۔ یہ من جانب اللہ مقبولیت ہے۔ اس کے لیے کوئی طاقت استعمال نہیں کی گئی۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا:

مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ بِعِبَادِہِ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ الْاَئِمَّۃَ الْاَرْبَعَۃَ الَّذِیْنَ لَھُمْ لِسَانُ صِدْقٍ فِی الْاُمَّۃِ.... الخ (کتاب الایمان)

ان میں امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام بھی صریحاً ذکر فرمائے۔ لسان صدق سے یہی عام مقبولیت اور لوگوں کا حسن ظن دین کے بارے میں مراد ہے۔ اگرچہ ائمہ اربعہ کے علاوہ اور محدثین کرام کے نام بھی آپ نے ذکر فرمائے ہیں لیکن ان کو وغیرھم میں داخل فرماکر اشارہ فرماگئے ہیں کہ امامت فی الدین انہی ائمہ اربعہ کو نصیب ہوئی۔ گیارہ بارہ سو سال تک جملہ مسلمانوں کا مذہبی نظام انہی سے وابستہ رہا۔ عرب اور عجم میں دینی قیادت کے یہی حضرات

محور ہے۔ اس کے بعد جدید فرقہ پیدا ہوا جو سب سے کٹ کر اپنے کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کر رہا ہے اور اپنے کو زیادہ اہل تحقیق سمجھتا ہے مگر علم و تقویٰ سے سے کوئی نسبت نہیں۔ تقلید ائمہ دین کو جس کو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے بحر ذخار اور حافظ ابن حجرؒ شارح صحیح بخاری جیسے حافظ الدنیا اختیار کر چکے ہیں۔ یہ اس کو علمی نقصان جانتے ہیں۔ حالانکہ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَإِيمَانًا عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنَ التَّحْقِيقِ إِلَّا مَا هُوَ دُونَ تَحْقِيقِ السَّلَفِ لَا فِي الْعِلْمِ وَلَا فِي الْعَمَلِ۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ علم صحیح اور ایمان نصیب کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ متاخرین یعنی پیچھے آنے والوں کے پاس جس قدر علم ہوتا ہے وہ متقدمین سلف صالحین سے کم ہوتا ہے۔ پچھلے لوگ ان سلف کے نہ علم میں برابری رکھتے ہیں نہ عمل میں۔ (وللہ مدہ) یہ ٹھیک ہے کہ شروح وحواشی اور پریس وغیرہ کی کثرت سے بعد میں آنے والوں کے علم میں طول وعرض تو زیادہ ہے مگر عمق نہیں اور اصل چیز یہی ہے۔

اس کا سبب وہ مرض ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اشارہ فرما گئے۔ اِعْجَابُ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ (مَرَّ بيانه) حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری ص۱۲۴ میں اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ۔ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ وَمِنْ جُمْلَةِ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ اَلْأَئِمَّةُ أَهْلُ الْاِجْتِهَادِ وَيَقَعُ النَّصِيحَةُ لَهُمْ بِبَثِّ عُلُومِهِمْ وَنَشْرِ مَنَاقِبِهِمْ وَتَحْسِينِ الظَّنِّ بِهِمْ۔ یعنی ائمۃ المسلمین میں سے جن کی خیرخواہی کا حکم دیا گیا ہے حضرات ائمہ اہل اجتہاد بھی ہیں اور ان کی خیرخواہی یہ ہے کہ ان کے دینی فرمودہ مسائل کو عام کیا جائے اور لوگوں میں پھیلایا جائے اور ان حضرات ائمہ دین و مجتہدین کے مناقب عالیہ لوگوں کو بتائے اور سکھائے جائیں اور ان کے متعلق حسن ظن رکھا جائے۔

مصنف خیر الکلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ باتیں تو نقل کرتے ہیں جو فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ان کو مفید معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے یہ فرمودہ نصائح قوم کو نہیں بتاتے۔ اس میں من مانی شریعت بنا لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم کسی کی نہیں مانتے سنتے، ہمارے پاس اپنی تحقیق ہے۔ حدیث کا ہم براہ راست مطالعہ کریں گے۔ حالانکہ ابھی حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزر گیا دین کے بارے میں پچھلوں کے پاس جو تحقیق ہے وہ متقدمین محدثین کے برابر نہیں ہو سکتی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو تراویح کے آٹھ ہونے کے بارے نقل کرتے ہیں۔ متقدمین حضرات میں سے کسی نے اس سے یہ نہیں سمجھا جو یہ غیر مقلد کہتے پھرتے ہیں یہ تحقیق نہیں محض سہولت پسندی اور نفس پروری ہے۔

کہتے ہیں بیس رکعت کی روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ یزید بن رومان راوی نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ یہ نہیں جانتے کہ ایسا انقطاع مضر نہیں ہوتا جس کے مسئلہ پر امت کا تعامل پایا جاتا ہو۔ تراویح میں یہی بات ہے۔ اسی تعامل متصل کی وجہ سے حضرت امام مالکؒ نے اس کو لیا ہے۔

مقدمہ فتح الباری ص۲۱ میں ہے: فهذا لا يضره لاعتضاده لا سيما و قد حاء ... ایسا انقطاع ہے جہاں عمل امت کی شہادت ساتھ پائی جاتی ہو۔ پہلے مثالیں گزر چکی ہیں کہ ترمذی کئی جگہ اسناد میں انقطاع اور ضعف بیان کر کے علیه عمل اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم و التابعین بیان کر جاتے ہیں۔ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھنے کے باب میں فرمایا: عون بن عبد الله لم یلق ابن مسعود یعنی سند میں انقطاع ہے اتصال نہیں۔ لیکن فرمایا: والعمل علی هذا عند اهل العلم۔ دوسری جگہ حارث اعور کو ضعیف فرما کر فرماتے ہیں۔ وَ العمل عَلٰی هٰذا الحدیث عند اکثر اهل العلم یکرهون الاقعاء ـ آپ غیر مقلد بھی غالباً اقعاء کو مکروہ کہتے ہوں گے اور سُبْحَانَ رَبِّیَ

العَظِیْمِ پڑھتے ہی ہوں گے اور اسناد کا یہ حال ہے جو ابھی بیان ہوا ۔ اسی قیاس پر بیس ۲۰ تراویح کا حال بھی سمجھ لیجئے ۔ قواعد بازی عمل صحیح اور ثابت کو مشکوک نہیں بناتی کسی نے خوب کہا : القواعد عصا الاعمٰی ۔ حقیقت دین کی عمل صحیح و متوارث ہے ۔ پہلے بیان گزر چکا ہے ۔

رہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان مَا کَانَ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ اَحَدٰی عشر رکعۃ ۔ تو اس کے متعلق حاشیہ ابوداؤد ص ۱۸۹ ج ۱ میں ہے ۔ ھٰذا الحدیث لَا تعلّق لہ بالتراویح کانّھا صلٰوۃ اُخرٰی ـــ فلا لیق الاستدلال بہ عَلیٰ اَنّ التراویح ثمانُ رکعات ۔ وجہ ظاہر کہ بخاری ص ۲۶۹ اور بیہقی ص ۴۹۳ ج ۲ میں ہے ۔ خَـرَجَ لَیْلَۃً مِّنْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی رِجَالٌ بِصَلٰوتِہٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تہجد کی نماز تھی جو جوف اللیل میں پڑھی گئی ۔ دوسری اور تیسری رات میں بھی اسی طرح پڑھی گئی یعنی رات کے درمیانی حصہ میں پڑھی گئی ۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ان گیارہ رکعات پر بھی کسی وقت عمل ہوا کہ فی الجملہ یہ طریقہ بھی زمانہ نبوت میں ہوا تھا موطا امام مالک ص ۱۳۸ میں یہ روایت ہے لیکن اسی میں بیس ۲۰ تراویح کی روایت بھی ہے ۔ جس کے راوی یزید بن رومان ہیں ۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ منقطع ہے لیکن عمل بیس ۲۰ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحیح ثابت ہے ۔ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص ۴۹۶ ج ۲ میں گیارہ اور بیس دونوں کی روایت ذکر کی اور توفیق ان میں یہ کی کہ یُمْکِنُ الْجَمْعُ بَیْنَ الرِّوَایَتَیْنِ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ بِاِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً ثُمَّ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً مَعَ الْوِتْرِ بِثَلَاثٍ ۔

یعنی اول میں گیارہ رکعات مع الوتر پر عمل کیا گیا ۔ لیکن بعد میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے ۔ غیر مقلدین کے علماء گیارہ والی روایت تو نقل کر

دیتے ہیں اور بیس رکعات والی کی تردید میں لگ جاتے ہیں اور قواعد بازی کرتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری صلا کی روایت ہے۔ حالانکہ بخاری کی روایت میں تراویح کا ہونا معلوم بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صلوٰۃ اللیل کا تذکرہ ہے جو جوف اللیل میں پڑھی گئی۔ بیس کی روایت کے انقطاع کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں اتفق اهل الحديث عَلیٰ اَنَّ جَمِیۡعَ مافيه۔ (موطا امام مالک) صحيح عَلیٰ رَأْیِ مالکؒ وَمَن وَافَقَہٗ اما علیٰ رأی غیرہ فلیس فیہ مُرسَلٌ وَلَا مُنقَطِعٌ اِلَّا وَقَدْ اتَّصَلَ السَّنَدُ بِہٖ مِنْ وُجُوْہٍ اُخْرٰی۔

یعنی محدثینؒ کا اتفاق ہے کہ مؤطا امام مالک میں جتنی روایات ہیں۔ امام مالک اور ان کے موافقین کے نزدیک صحیح ہیں اور ان کے علاوہ لوگوں کا فرمان یہ ہے کہ مؤطا مالک کی مُرسل روایات یا منقطع السند اور طریقوں سے متصل اور صحیح ہوتی ہیں۔ ترمذی میں ہے: اکثر اهل العلم عَلیٰ ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رَکعۃ اسی طرح بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲ میں ہے عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب عَلِیٍّ انَّہٗ کان یؤمّھم فِی شھرِ رَمضان بعشرین رکعۃ ویُوْتِرُ بثلاثٍ۔ اور ایک اور روایت اس کی تائید میں نقل کی اور فرمایا۔ وَفی ذٰلکَ قوۃ لما اخبرنا الیٰ ابی عبد الرحمن السلمی عن علیؓ قال دعا القُرّاء فی رمضان فَاَمَرَ منهم رجُلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ وعلی یوتر بهم۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظ کو رمضان میں بلا کر ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے اور جب وتر پڑھانے کی نوبت آتی تو خود حضرت علیؓ ان کو وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ثانی روایت کو اوّل کی تائید میں ذکر کیا ہے اور وفی ذٰلک قُوَّۃٌ لِمَا اَخْبَرَنَا فرمایا ہے۔ بہرحال

موطا مالک اور بیہقی کی روایات سے معلوم ہوا کہ تراویح کی تعداد حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بیس رکعات تھی۔ اگر تیرھویں صدی ہجری کے اہل حدیث اُس زمانہ میں ہوتے جب بھی آٹھ رکعات پڑھ کر صفوں سے نکل جاتے۔ کہتے ہمارے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ رمضان کی تراویح صرف آٹھ رکعات ہیں۔ تم لوگ بدعت کرتے ہو۔ وہ اگر کہتے کہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں آئی تو یہ جواب دیتے ہم نہ تمہاری تقلید کرتے ہیں نہ اور کسی کی۔ ہم تو براہِ راست حدیث کو سمجھنے والی جماعت کے لوگ ہیں۔ صرف کتاب اور سنت کو مانتے ہیں۔

ایک اشتہار میں کسی غیر مقلد نے لکھا: الحمد للہ الذی نجانا من صدمۃ التقلید (نعوذ باللہ) مگر ترکِ تقلید کی بے شمار گمراہیاں ذہن شریف میں نہیں آئیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں گزرا ہے کہ ائمہ دین اور ائمہ اربعہ کی تقلید کو چھوڑنا ہوائے نفس کی اتباع ہے جو مہلک ہو سکتی ہے اور ہے۔ علیکم بالجماعۃ حدیث میں بھی آچکا ہے۔

بیہقی ص ۴۹۴ ج ۱ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان کی تئیسویں ۲۳ میں قیام اللیل ثلث اللیل تک کیا۔ جماعت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نماز پڑھائی۔ پھر پچیسویں ۲۵ کو نصف اللیل تک نماز پڑھائی۔ پھر ستائیسویں ۲۷ کو آخر شب تک نماز کو پہنچایا۔ یہ نمازیں تراویح کی بنیاد ہیں جو اول شب سے عشاء کے بعد پڑھائی گئی ہیں۔ ان میں رکعات کی تعداد کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ ان میں بیس رکعات ہی پڑھی ہوں اور ممکن ہے کہ کسی اور دلیل سے یہ تعداد پسند کی ہو۔ ہم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق حسنِ ظن ہی رکھتے ہیں کہ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِدِيْنِهٖ وَصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ كَانُوْا

اَبَرَّ هٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَعْمَقُہَا عِلْمًا (الی) کانوا علی ھدی کا مصداق ہیں اور ہم اس کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف)

سوال یہ ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث معلوم نہ تھی یا ان کی سمجھ آپ کی سمجھ سے کم تھی؟ اگر یہ حدیث تراویح کے بارے میں تھی تو انھوں نے بیس پڑھنے والے حضرات پر اس کو پیش کیوں نہ کیا؟ کیا آپ لوگ دین کو ان سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں آٹھ رکعات پڑھ کر صفوں سے نکل جاتے ہیں؛ حضرات صحابہ کرامؓ کو تو یہ توفیق نہ ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اس عمل میں محض سہولت آرام طلبی اور تکاسل کی بیماری ہے۔ ساری دنیا ایک طرف، یا من ایک طرف،

اگر آپ دیانت داری سے یہ عمل کرتے ہیں تو حرمین شریفین میں آپ لوگوں کی زبان کیوں بند ہو جاتی ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا فعل میں نے کیا کیونکہ میں نے اہل مکہ کا متفقہ تعامل یہی پایا۔ آپ کی حدیث دانی سب سے نرالی ہے۔ آٹھ رکعات تراویح پر دلیل پیش کیجئے۔ جو آٹھ پڑھی گئی ہیں وہ تو تہجد کی نماز تھی جس کو راوی فی جوف لیل سے تعبیر کر رہا ہے۔ عشاء کے بعد آٹھ رکعات پڑھنے کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔

دنیوی نظام حکومت میں غیر مقلدی نہیں چلتی تو دین میں کیسے چل سکتی ہے؟

دنیوی نظام میں عدالتیں قائم ہیں ہر ایک میں جج صاحبان مقدمات کی سماعت کر کے فیصلے کرتے ہیں۔ عدالت کے قوانین کی کتابیں ہر صاحب منصب کے پاس ہوتی ہیں لیکن ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا مقام سب سے عالی رکھا گیا ہے۔ ماتحت عدالتیں ہائی کورٹ کے صادر شدہ فیصلوں کی پابند ہوتی ہیں یہ

سکنے کا حق کسی کو نہیں کہ قوانین ملک کی کتابیں ہمارے پاس بھی ہیں ہم کسی کی بھی نہیں مانتے۔ فل بنچ کا فیصلہ اور بھی قوی ہوتا ہے۔ خلاف کرنے والے کو ملک کے قانون کا باغی کہا جاتا ہے۔ یہ یوں ہوتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابیں قوانین کی بے شک آپ کے پاس ہوں گی لیکن عقل و دانش، فہم و ذکاوت جدا جدا ہوتی ہے اسی طرح مجتہدین و فن حکمت کے قوانین کو دیکھ لیجئے۔ کہ ہر ایک کا تجربہ، سمجھ اور حقیقت حال کی تہ کو پہنچنا جدا ہوتا ہے۔ ع گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اسی کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ شارح صحیح بخاری اتنی وسعت علمی کے باوجود فقہ کے مسائل میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید فرما رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ جلالت شان اور کمال تبحر علمی کے باوجود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد و مقتدی ہونے کو عار نہیں سمجھتے اور ائمہ دین کی شان کی عظمت ان سے پوچھئے۔

اسی طرح فقہ حنفی کے محدثین کرام میں حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور وسعت علمی کا اندازہ حضرت امام نووی شارح مسلم کے کلام میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں

نووی ص۳۸۶ قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ قد اکثر الناس الکلام علی ھذہ الاحادیث یعنی لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ فمن مجید منصف ومن مقصر متکلف۔ ومن مطیل مکثر ومن مقتصر مختصر یعنی بعض لوگوں نے بہترین لکھا اور انصاف سے کام لیا۔ بعضوں نے نہایت طول دیا اور بعضوں نے بالعکس پورا اختصار کیا۔ پھر فرمایا واوسعھم فی ذلک ابو جعفر الطحاوی الحنفی فانہ تکلم فی ذلک

فی زیادۃ علی الف ورقۃ۔ آہ، یعنی سب سے وسیع پیمانہ پر اس مسئلہ میں کلام
کرنے والے امام ابوجعفر طحاوی حنفی ہیں کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف
حج کے بارے میں ایک ہزار سے زیادہ ورقوں میں کلام کیا ہے۔ سبحان اللہ،
اللہ تعالیٰ نے کس قدر فضل و احسان ان پر فرمایا کہ حج کے مسائل نادرالوقوع ہیں اور
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ایک ہی مرتبہ ہو۔ جسے حجۃ الوداع سے یاد کیا جاتا
ہے۔ اس کی احادیث کی تحقیق اور چھان بین میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
دو ہزار صفحات سے زائد لکھے۔ اس سے آپ کو ان کی وسعت علمی کا اندازہ
لگانا ہوگا۔ ان کی تاریخ ولادت ۲۲۹ھ ہے (مصفی) اور عمر ۹۲ سال ہے
(محمد) اور تاریخ وفات ۳۲۱ھ ہے (محمد مصفی)، قبر مبارک مصر میں حضرت امام
شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کے پاس ہے۔ (محدثین عظام تصنیف مولانا تقی الدین
ندوی مظاہری)۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں: الامام العلامۃ الحافظ وکان
ثقۃ ثبتاً فقیھاً عاقلاً لم یخلف مثلہ۔ تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۸،
یعنی امام طحاویؒ نے اپنے بعد اپنا کوئی نظیر نہیں چھوڑا۔

اس علم حدیث کے سمندر نے بھی امام ابوحنیفہؒ کی فقہی مسائل میں تقلید کی
اور اس کو سعادت سمجھا۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ جن کو حافظ الدنیا کا
کا لقب دیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی مایۂ ناز شرح لکھنے والے نے امام شافعی
رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کی۔ حضرت امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے محقق مفسر امام شافعی
رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرچکے ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی راستہ اختیار
کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ حافظ
ابن تیمیہؒ کا بھی حال معلوم ہوچکا ہے کہ وہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر
تھے۔ لیکن بارہ تیرہ صدیوں کے بعد آنے والے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ
تعالیٰ کی تصنیف بلوغ المرام پڑھ کر کہتے ہیں کہ ہمیں تقلید کی حاجت نہیں ہم تو
از خود حدیث کا مطالعہ کرکے مسائل حل کرسکتے ہیں۔ بعض جاہل تقلید کو حرام کہتے

ہیں۔ اور ایک جاہل کا قول میں نے گزشتہ نقل کیا تھا: الحمد للہ الذی نجانا من ظلمة التقلید۔ یہ سب کچھ حنفیوں کی ضد و عناد میں کہہ گئے ہیں لیکن اس کلمات سے پتہ نہیں کاٹ گئے ہیں۔ تقلید صرف حنفی ہی نہیں کرتے۔ ساری دنیا کے مسلمان کر رہے ہیں۔ بے لگام صرف یہ لوگ ہیں جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا شافعی مذہب ہونا آپ کو بتا دوں۔ فتح الباری کے اول صفحہ پر لکھا ہوا ہے: الامام الحافظ ابن حجر هو شهاب الدين ابو الفضل احمد بن علي العسقلاني المعروف بابن حجر المصري الشافعي المولود سنة ثلاث وسبعين وسبع مائة ٧٧٣ المتوفى سنة اثنين وخمسين وثمان مائة ٨٥٢ (مقدمہ)

یہ بات میں نے صرف تنبیہ کے لیے لکھی تھی جبکہ اس کے لکھنے کی ضرورت محسوس کی وہ یہ ہے کہ ایک وقت میں مشکوٰۃ کے طلبہ کو یہ بات بتائی گئی جو پہلے بیان ہو چکی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تو امام شافعی کی تقلید کرتے ہیں وہ غیر مقلدین بلوغ المرام پڑھ کر اس سے مستغنی بن بیٹھتے ہیں۔ یہ بات انھوں نے ایک غیر مقلد سکول ماسٹر کو لکھی تو اس نے جواب دیا کہ کون کہتا ہے ابن حجر تو اہل حدیث تھے۔ اس کا شافعی ہونا کوئی ثابت کرے گا میں اس کو ایک سو روپیہ انعام دوں گا۔ طالب علم میرے پاس آیا کہ وہ یہ کہتا ہے۔ ہم نے فتح الباری کی جلد اس کو دکھا دو۔ ہمیں اس کے انعام کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اسے کہو اپنا ایمان درست کرے۔ اس قسم کا دھوکہ غیر مقلدین دیا کرتے ہیں۔ بے شک حضرت ابن حجر اہل حدیث ہیں لیکن وہ بے لگام آپ کی طرح اہل حدیث نہیں تھے۔ وہ علیکم بالجماعۃ پر عمل کرتے ہیں۔ ائمہ دین کی قیادت مانتے ہیں، نہ اس کو حرام کہتے ہیں اور نہ کفر جیسے کہ آج کے زمانہ کے اہل حدیث بننے والے کہتے ہیں

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ ہم نے نہیں کہا کسی نے کہا ہوگا۔ تو اس کو جواب یہ دیا جائے کہ تمہاری جماعت والوں نے تو کہا ہے۔ کیا تم نے اس کی تردید کی جب سکوت ایسے موقع میں دلیلِ رضا کہا جاتا ہے۔ یا صاف صریح انداز میں اس کی تردید کرو نہیں تو تم بھی شریکِ جرم رہو گے۔ تعجب ہے کہ تقلید کو حرام بھی کہتے ہیں اور انہی کی تقلید کرنے والوں کی کتابوں سے مذہبی مسئلے بھی پیش کرتے اور ان کی طرف ہاتھ بھی پھیلاتے ہیں۔

فائدہ ۱ حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی مراد سمجھنے میں ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنی فہم کے مطابق مراد متعین کرتا ہے پھر اس پر عمل کرتا ہے جیسے ایک دن غزوہ خندق سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ: یعنی جلدی سے جلدی بنی قریظہ کی بستی کو جاؤ۔ عصر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھنا: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عجلت سے گئے مگر بعض سمجھے کہ بنی قریظہ تک غروب سے پہلے نہیں پہنچ سکتے۔ عصر کی نماز قضا ہو جائے گی۔ لہٰذا عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھ لینا بہتر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد جلدی سے جانا ہے، نماز کا قضا کرنا تو مراد نہیں۔ انھوں نے نماز بر وقت پڑھ لی۔ اور بعض نے کہا کہ ظاہر فرمان تو یہی ہے کہ نماز وہیں پہنچ کر پڑھنا۔ ہم تو وہیں پہنچ کر پڑھیں گے۔ ایسا ہی کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فریقین نے اپنا اپنا عمل پیش کیا تو آپؐ نے کسی ایک کو نہیں ڈانٹا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ (بخاری صفحہ ۱۲۹/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا اختلاف جس میں کج روی نہ ہو مذموم نہیں ہوتا ہر مجتہد اپنے ظن غالب پر چلتا ہے لیکن اس کا مقصد اور منشا دلیل شرعی ہی ہوتی ہے۔ اس لیے مجتہد کا دلائل شرعیہ کو دیکھتے ہوئے کبھی ظن بدل بھی جاتا ہے۔

اور اسی لیے اس کے عمل میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بعض مسائل میں رجوع کرنا اسی پر مبنی ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ساری عمر جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ لیکن مصر کے آخری عمر میں اس کے قائل نہ رہے۔ جیسا کہ ان کی کتاب الام سے ثابت ہے لیکن اس میں یہ نہ کہا جائے گا کہ پچھلی عمر کی نمازیں ان کی ضائع ہو گئیں۔ کیونکہ اس وقت ان کا ظن وجوب فاتحہ علی المقتدی کا تھا۔ اسی طرح حنفیہ وغیرہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہاری نمازیں بلا فاتحہ مقتدی کی ضائع ہوتی ہیں۔ کیونکہ مقتدی حنفی مذہب والے اپنے ظن میں دلائل شرعیہ کا تقاضا یہی سمجھتے ہیں کہ مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔

تقلید کا معنی دلائل شرعیہ کی روشنی میں اپنے امام کے قول کو راجح سمجھتے ہیں اور مخالف کو مرجوح جانتے ہیں۔ ظن غالب پر عمل کرتے ہیں۔ ہم حنفی اسی انداز میں بیان کیا کرتے ہیں۔ غیر مقلدین کا یہ قول محض بے جا ہے کہ تقلید کرتے ہو تو دلائل پیش کرنے کے کیا معنی؟ انھوں نے تقلید کا معنی ہی نہیں سمجھا۔ ہاں عوام کی تقلید محض اعتبار پر مبنی ہوتی ہے۔

فائدہ ۲ چاروں امام اور انکے اتباع اپنے اپنے مسلک کی تحقیقات پر چلتے ہیں لیکن جب حج یا عمرہ کے لیے حرمین شریفین جاتے ہیں تو وہاں کے ائمہ حضرات کی تابعداری میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ جملہ حضرات اہل السنت والجماعت کے عقیدت مند ہیں۔ فقہی اور فروعی تحقیقات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

دیکھئے حضرت خلیفہ سوم جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ خلافت میں جب حج کو گئے تو مسافر ہونے کے باوجود نمازوں میں قصر نہیں کرتے تھے۔ رباعی نمازیں پوری چار ہی پڑھتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بخاری شریف میں ہے کہ افسوس کہ ان چار کی بجائے دو رکعات ہی پڑھی جاتیں

تو کیا اچھا ہوتا ؟ لَیْتَ حَظِّیْ مِنْ اَرْبَعِ رَکْعَاتٍ رَکْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ
کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بات
کیوں ذکر نہیں کرتے ۔ فرمایا ؛ اَلْاِخْتِلَافُ شَرٌّ ۔ امام سے اختلاف کرنا
شر بنتا ہے ۔ یعنی اجتہادی مسائل میں امام کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ۔

افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے اہل حدیث نام رکھنے والے وہاں حرمین
شریفین میں بھی اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں ۔

ع ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

کیا ان کا یہ اختلاف اَلْاِخْتِلَافُ شَرٌّ کا مصداق نہیں بنے گا ۔ حالانکہ
عشاء کی نماز کے بعد آپ کا متصلاً آٹھ رکعات کا پڑھنا ثابت ہی نہیں ۔ حضرت
عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن آٹھ کا پڑھنا بیان کرتی ہیں وہ تو جَوْفُ اللَّیْلِ
(درمیانی شب کی نماز) ہے جسے تہجد کہا جاتا ہے ۔ کچھ بھی ہو ساری دنیا سے
ان کا یہ اختلاف شرم کی بات ہے ۔

فائدہ ۳ اجتہادی محل کے اختلاف کا مبنیٰ دلائل شرعیہ یا مصالح معتبرہ
ہوتے ہیں اس لیے اس کو مذموم نہیں کہا جاتا ۔ دونوں
جانب ظن ہی ہوتا ہے کسی کو قطعی طور پر خطا کار نہیں کہہ سکتے ۔ ہاں خارجی وجوہ
سے ترجیح کا عمل کیا جاتا ہے ۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
لَیْسَ الْعُلَمَاءُ بِاَکْبَرَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی
وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ
الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِہِمْ شٰہِدِیْنَ ۔ فَفَہَّمْنٰہَا سُلَیْمٰنَ
وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا .... الخ ۔ (منہاج السنہ ص ۹۱/۱۲)
یعنی علماء انبیاء علیہم السلام سے اونچی شان والے تو نہیں ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے فیصلوں میں جب اختلاف پایا جاتا ہے تو علماء کے مسائل میں اختلاف
کا نہ ہونا کیسے ہو سکتا ہے ؟ ایک واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک

طرح کا فیصلہ کیا اور ان کے بیٹے حضرت سلیمٰن علیہ السّلام نے دوسری طرح فیصلہ فرمایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ کسی شخص کی بکریاں رات کو کھل کر کسی زمیندار کا کھیت کھا گئیں۔ کلامِ الٰہی میں دونوں مختلف فیصلوں کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔ لیکن ترجیح حضرت سلیمٰن علیہ السّلام کے فیصلہ کو دی۔ فرمایا فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ۔ اگر یہ تصریح نہ آتی تو ممکن ہے کہ بعض لوگ حضرت داؤد علیہ السّلام کے فیصلہ کی تائید کرتے۔ حضرات ائمہ دین و مجتہدین کے فروعی مسائل میں اختلاف اور ان کے ترجیح و تائیدی بیانات کو بھی اسی طرح سمجھ لیجئے۔

اس کی ایک اور نظیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جنگِ بدر کے کفار جو اسیر بنائے گئے ان کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دریافت فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کو قتل کیا جائے تاکہ کفار کی طاقت کمزور ہو جائے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ سے ہماری مالی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ جنگی سامان میں قوت پیدا ہوگی اور ممکن ہے کہ ان لوگوں کو قریب زمانہ میں اسلام نصیب ہو جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی کی رائے کو پسند کیا اور اسی کے موافق عمل درآمد کیا گیا۔ فدیہ لے کر اسیروں کو رہا کر دیا گیا۔

اس اختلاف کے بھی دونوں جانب صحیح ہیں اور منشا شرعی کے موافق قابلِ عمل ہیں لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طبعی و ذہنی میلان سے دوسری رائے راجح بن گئی اور عمل اسی پر ہوا۔ یہ دونوں باتیں اجتہادی آرا تھیں۔ ان میں عند اللہ کون سی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کا علم ابھی تک کسی کو نہیں تھا۔ ہر ایک نے اپنی صوابدید بیان کر دی اور بعد کو حقیقت واضح ہو گئی۔

فائدہ ۲ اجتہادی اختلاف کی صورت میں بعض کا قول ہے كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ یعنی ہر مجتہد کو مصیب کہا جائے لیکن راجح قول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک متعین ہوتا ہے۔ کوئی مجتہد اس کو پالیتا ہے اور اس کو

مصیب کہا جاتا ہے چونکہ اس کو نہیں پتا اس کو غلطی کا پتا ہے لیکن اس پر تھوڑی
غلطی کو گناہ نہیں کہا جاتا۔ لیکن جو محنت کا اس کو پھر بھی حق ہے اور مصیب کو دوہرا
اجر ملتا ہے جو ایک واقعہ دوسرے پر بحث میں بات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق ہوئی تو فیصلہ اس
کے موافق کیا۔ لیکن بعد میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی جس میں اس فیصلہ
پر تنبیہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو موافق بتایا گیا کہ فرمان سے
درست ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ
فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ لاعلمی
بعض مفسرین فرماتے ہیں [illegible] لاعلمی غیر منہی عنہ
[illegible] یعنی ... اب ... کو چھوڑ
دینا ... یہ بات ... تو بھی یہ ... نہیں
... کا سبب تھی۔ اگر یہ حالت
نہ ہوتی تو ... قسم کے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا۔
مفسرین بیان فرماتے ہیں۔ اس آیت میں ... درست کرنا
ہے۔ ... جیسے ... لاعلمی....
یہ تمام کی بات ہے۔

اس سے معلوم ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصیب تھے اور حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی رائے منشاء الٰہی کے موافق نہ تھی اور حضور
علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اس کا علم نہ ہوا۔ یہ تو اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد
پتہ چلا۔ مثال کے طور پر دیکھو اگر قبلہ کو علامت میں کیا جا سکتا جیسے کسی نے اپنے
گمان سے قبلہ متعین کر کے نماز پڑھی بعد کو معلوم ہو گیا۔ ایسا عمل کیا گیا۔ لیکن
ایسی نماز لوٹائی نہیں جاتی چونکہ پڑھنے کے وقت کے گمان کے موافق پڑھی گئی۔ یہ باتیں
تفصیل طلب کی ہیں تاکہ آپ کو صحیح راستے کا علم ہو جائے۔

اس کے بعد تو خبر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی طرف موڑ دیجئے۔ اور اعطاء کل ذی حقٍّ حقّہٗ پر عمل کیجئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں تھے اور جنگ کے وقت جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے تیر اندازی ہوئی تو اس میں وہ شہید ہو گئے۔ تو فئۃ باغیہ کا مصداق یہی حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کار ہیں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ فلاں نے لکھا کہ حضرت معاویہؓ اس جنگ میں باغی تھے اور فلاں نے بھی کہا ہے۔ اس سے ان کی طرف طعن و تشنیع کا راستہ ہموار کرنا مقصد تھا۔ جس میں رسالے اور کتابیں لکھی گئیں۔ "خوئے بد را بہانہ بسیار" مشہور ہے۔ لیکن ان بدنصیبوں سے کوئی پوچھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کے بعد جب خلافت کا مسئلہ درپیش آیا تو کیا اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں رکاوٹ بن جائے یا کم از کم یہ نقصان پیدا کرے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ امیر معاویہؓ کی جانب سے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریبی اولیاء میں سے تھا، مطالبۂ حقِ قصاص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دم کا پیش ہوا۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا قرآنِ کریم کا حکم ہے۔ شاید انھوں نے اس کو خلافت کے مسئلہ سے بھی اہم مسئلہ سمجھا ہو۔ خلیفہ کی موت کے بعد بے شک سب سے اہم دوسرے خلیفہ کی بیعت کی گئی ہے لیکن یہاں طبعی موت نہیں یہاں ظالمانہ قتل ہے۔ قتل بھی ایسی کبیر الشان شخصیت کا جس کے قتل کی افواہ جب حدیبیہ میں پہنچی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خون کے انتقام کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لی جس کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ لیکن واقعہ میں دفاعِ ولیہ

مظلوم تھی۔ اس سے آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کی قدر و منزلت
دیتہ میں کیا ہوگا۔ اس کے بعد دوسری بات لوگ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو ان کے خون کے
انتقام کی بیعت کر چکے تھے اب تحقیقاً قتل کیے جانے کے بعد صبر کر کے کیسے بیٹھ
سکتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ ہی نہیں کثیر التعداد صحابہ کرام اس مطالبۂ قصاص میں حضرت
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا جواب یہی تھا کہ ذرا حالات درست ہو جائیں تو میں قصاص لوں گا۔ ایسے بلوہ
اور شورش کے وقت میں شہادت کہاں ہوتی ہے؟ ایسے موقع میں مجرموں سے
خود بخود دہشت پھیل جاتی ہے۔ کوئی ویسے کیسے اقرار کرتا ہے خاص کر ایسے ظالم مجرم
رہے تھے جنھوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، مسجد نبوی پر قبضہ کیا۔ وغیر ذلک
حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے ان سے کوئی سختی نہیں برتی اور تعزیری کارروائی ـــــ نہیں کی تو ان حضرات کا صدمہ
اور بھی زیادہ ہوا۔ اس میں کشیدگی بڑھتی گئی اور دلی قصاص کا تو امیر معاویہ کی حمایت
وجہ سے بڑھتا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے
مدت سے شام کے گورنر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اسی طرح بعد میں حضرت عثمان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی اسی عہدہ پر تھے۔ شام کے لوگ ان کے حسن کردار
سے انہی کے ساتھ وابستہ و منسلک تھے اور ان کی دلی ہمدردی اپنے امیر کے
ساتھ تھی۔ خاص کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظلومانہ قتل کے بعد جب کہ
مدینہ منورہ کے بلوائیوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرم پالیسی کو دیکھتے تو ناامید
ہو جاتے۔ بہرحال ناامیدی کے بعد ملک شام کے جمہور نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کو ہی امیر ملک بنا لیا۔ اس طرح ملک شام میں جداگانہ نظام رائج ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر ملک ہمارے حوالے کر دو۔ انھوں نے

جواب دیا کہ آپ قاتلین کے گروہ کو ہمارے حوالے کردیں تو میں ملک آپ کے حوالے کر دیتا ہوں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ آخر جنگ تک نوبت جا پہنچی اور اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کثیر التعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھے اور حضرت طلحہ، زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور کثیر التعداد بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہمدرد تھے۔ میدانِ جنگ میں کئی روز دونوں فوجیں اس انتظار میں رہیں کہ فریقِ ثانی کی جانب سے ابتدار ہو تاکہ ہم مدافعانہ انداز میں آجائیں لیکن دونوں طرف سے خاموشی میں کئی دن رات گزر جاتے رہے۔ جب ان مفسد عناصر قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں تھے) نے دیکھا کہ جنگ کی ابتدار کوئی نہیں کرتا تو رات کو فریقِ مخالف کی طرف تیر اندازی شروع کردی۔ فریقِ ثانی نے سمجھا کہ یہ کارروائی مشورہ سے ہوئی ہے۔ انھوں نے بھی جوابی کارروائی کر دی۔ اس طرح اس جنگ کا آغاز ہوا اور اس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہما شہید ہو گئے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں تھے۔ اس سے یہ نکالا جاتا ہے کہ الفئة الباغیة کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں اور اس سے ان پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں چند باتیں غور طلب ہیں :

۱ ـــــ کیا ضروری ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موت فریقِ مقابل کی تیر اندازی سے واقع ہوئی ہو؟ ممکن ہے کہ وہ باغی گروہ جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا اور اس جنگ میں بھی انھوں نے ہی ابتدار کی تھی اور مخالف لوگ جن میں کئی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے اُن پر بھی ان شقی لوگوں نے تیر برسائے۔ شاید انھوں نے ہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کردیا ہو، تاکہ جانبین طیش میں آجائیں اور جنگ کا میدان گرم ہو جائے۔ مفسد لوگ ایسے فسادات کر بیٹھتے ہیں الفئة الباغیة اس لیے ان کو کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انھوں

نے شہید کیا اور امیر المؤمنین کو ہلاک کیا۔

۲ــــــ اگر اس کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جائے تو صرف وہی باغی نہیں بنیں گے بلکہ ان کے ساتھ والے سب کے سب اس کی زد میں آئیں گے۔ کیونکہ فِئَۃٌ جماعت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے فرد واحد کے لیے نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا: کَمْ مِنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ اور ان کی جماعت والوں میں کثیر التعداد بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے بلکہ بعض عشرہ مبشرہ میں سے بھی تھے۔ باغی سب کو کہہ کر باغی ہونے کے لوازمات جو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق شیعی مزاج لوگوں نے تجویز کیے ہیں آپ کو وہ سب کے سب ان تمام حضرات کے حق میں تجویز کرنے پڑیں گے جن کی کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا۔ اِلَّا الرَّوَافِضُ۔

۳ــــــ تیسری بات وہ ہے جو تمہید ہی بیان میں گزر چکی ہے کہ آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغی ہونے کا علم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہید ہو جانے کے بعد ہوا کہ اس کے متعلق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان تَقْتُلُکَ الْفِئَۃُ الْبَاغِیَۃُ تھا اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب والوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے اس سے پہلے تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کب قتل کیا جائے گا، کس جنگ میں قتل ہوگا؟ کس کے ہاتھوں سے قتل ہوگا؟

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سے بہت پیشتر تھا اور وہ جائز حق شرعی (قصاص) کا مطالبہ ہی تھا۔ اس میں کچھ فساد کاری کی نیت نہیں تھی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے مطابق امر خیر کی تھی جس میں کامیابی کی خاص توقع تھی لیکن ان کے خیال وگمان کے خلاف اس میں معاملہ طول ہوگئی اور معاملہ طول پکڑ گیا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے بدر کے جنگی اسیروں کے متعلق یہ ہوئی کہ فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کو پسند فرمایا۔ لیکن بعد کو فرمانِ خداوندی لَوْلَا کِتَابٌ مِّنَ

اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ نے اس کو ناپسندیدہ فیصلہ فرمادیا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے معاونین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ اس حق شرعی کا مطالبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا جائے۔ سب سے اہم یہی بات ہے۔ بیعت کا معاملہ ثانی درجہ کی ضرورت ہے جس کا وہ انکار نہیں کرتے تھے۔ بہرحال یہ اجتہادی مرحلہ ہے کہ مقدم بیعت ہے یا حق قصاص کا معاملہ؟ فریقین کی رائے مختلف ہوگئی۔ ہر ایک کی نظر اس میں دلیل شرعی پر ہے۔ ہاں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حدیث مذکور میں بیانِ شہادت سے پتہ چلا کہ اصل حقیقت کیا تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں بیعت نہ کرنا ترکِ اولیٰ ہوا۔ جیسے بدر والے معاملہ میں ہوا۔ بیان گزر چکا ہے۔ ایک نیک کام کو دوسرے نیک کام پر ترجیح کا اختلاف دونوں میں پایا جاتا ہے جب جنگِ بدر والے فیصلہ کو برقرار رکھا گیا کہ وہ خالص نیکی کی منشاء سے کیا گیا تھا تو اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت کا مطالبہ بھی یقیناً نیک مصلحت پر مبنی تھا۔ قابلِ ملامت نہیں بن سکتا۔ آگے کے حالات کا اور مخفی اسرار کا کس کو پتہ تھا؟ یہ بغاوت نام کی بغاوت ہے اس کو معصیت نہیں کہہ سکتے۔ جیسے فدیہ لے کر بدر کے اسیروں کو چھوڑ دینا خطا ہوئی اور آیت بتا رہی ہے لیکن یہ خطا جنایت نہیں بنی۔ اسی لیے حضرات مفسرین نے اس معاملہ کو عتاب سے تعبیر کیا اسی طرح یہ بغاوت خطاءِ اجتہادی ہے اور لفظی بغاوت ہے یعنی قصاص کا مطالبہ کرنے والی جماعت نہ کہ باغی۔

اس میں مخطی کو بھی ایک اجر ملتا ہے نہ یہ مسقطِ عدالت ہے اور نہ یہ معصیت ہے۔

اس کی دوسری نظیر وہ ہے کہ کسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بعض غیر مسلم لوگ بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دینِ اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن اُمِّ مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور کچھ مسئلہ پوچھنے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ خیال فرمایا ہوگا کہ ان غیر مسلموں کو اس وقت سمجھانا زیادہ اہم ہے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل

ہوئی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔ قصہ مشہور ہے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھٰذَا الَّذِیْ عَاتَبَنِیْ فِیْہِ رَبِّیْ ۔ یہ بھی خطا اجتہادی ہوئی۔ اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تو گمان یہ کیا جاتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے صواب ہے ۔ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ۔ اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل ہونا بعد کا معاملہ ہے ۔ اس سے قبل کے حالات کو دیکھا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جماعت کی رائے کو معصیت بھی نہیں کہا جا سکتا۔ خوب اچھی طرح غور فرمالیں ۔

صاحب توضیح الکلام کی بے اعتدالی کو دیکھتے ہوئے یہ شعر یاد آیا :

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

"یعنی اگر تم حقیقت حال کو جانتے نہیں جب بھی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو۔ اور اگر جان کر ایسی الٹی چال چلتے ہو تو مصیبت اور بھی عظیم و شدید ہے ۔"

صاحب البیت اعلم بما فیہ کا مقولہ مشہور ہے کہ گھر والا ہی گھر کی چیزوں کو خوبی سے جانتا ہے۔ چور کو تو جو چیز ہاتھ لگی لے اڑتا ہے۔ غیر مقلدین کا بھی یہی حال ہے۔ حضرات فقہاء کرام کے بعض اقوال دیکھے اور اس کو خیر مطلب سمجھا تو نقل کر دیئے۔ آگے پیچھے نہ دیکھا یا دیکھ کر اس پر پردہ ڈال دیا۔ لیکن اس طرح چھپانے سے کام نہیں چلتا۔ کبھی رسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کا ترجمہ غلط کر کے قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اس غلط بیانی سے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی گنجائش نکال رہے ہیں۔ یہ کوئی بعید بات نہیں۔ لوگوں نے قرآن کریم کی تحریف کی۔ اور مطلب سازی کے لیے معنی حسب منشاء کر جاتے ہیں۔ غیر مقلدین کے راہنماؤں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ فقہاء کرام حنفیہ کی عبارات کا معنی ان کی مرضی کے خلاف بدل کر اور جعل سازی کر کے ایسا کر دیا جیسا کوئی غیر مقلد بولتا اور کہتا ہے ۔ دیکھئے توضیح الکلام ص ۱۵۱ ج ۲ میں علامہ علاؤالدین کی عبارت لکھتے ہیں۔ والصواب انہ

يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه ۔ اور ترجمہ یہ کرتے ہیں: صحیح اور مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر آہستہ درود شریف پڑھے "

جمعہ یا عیدین کے خطبہ کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ گویا یہ سمجھاتے ہیں کہ خطیب کے خطبہ کے وقت درود شریف پڑھنا ہو تو اونچا نہ پڑھے آہستہ آواز سے پڑھے۔ جب خطبہ میں ایسا ہو سکتا ہے تو نماز میں بھی امام کی قرات کے وقت مقتدی آہستہ قرآن خوانی کر سکتا ہے۔ اس میں فی نفسہ کا معنی آہستہ پڑھنا غلط بیانی ہے۔ آئمہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالے کے کلام میں آیا ہے کہ وہ صرف دل میں خفیہ پڑھنا فرماتے ہیں کہ اسکی اجازت ہے۔ اس طرح کرنے سے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ پر عمل ہو گیا اور وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا پر بھی ہو گیا کہ زبان سے سکوت اور خاموشی کی اور دل استحضار سے قلبی درود شریف بھی بھیج لیا اور ضرور ہونا بھی ایسے ہی چاہیئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کی قرآن خوانی کے وقت آہستہ اور خفیہ پڑھا کرتے تھے۔ صرف ہونٹ مبارک ہی ہلایا کرتے تھے لیکن حکم آیا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کہ قرآن سننے کے وقت زبان سے نہ پڑھیئے۔ محض خاموشی سے سنا کیجئے۔ بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بھی آچکا ہے۔ آپ کو بھی یہی اختیار کرنا چاہیئے۔ فقہاء کرامؒ نے بھی یہی بتایا کہ درود شریف فِیْ نَفْسِهٖ پڑھا کرو یعنی دل میں درود شریف کا اس طرح استحضار کرو جیسے زبان سے پڑھنے کے وقت استحضار قلبی ہوتا ہے۔ یہی مراد علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ توضیح الکلام ص ۱۵۹ پر نقل کی ہے۔

اذا صلى في نفسه وانصت وسكت يكون آتيا بموجب الامرين

اس کا ترجمہ بھی مصنف توضیح الکلام نے غلط کیا؟ جب سامعین کلمات درود وسلام کو آہستہ پڑھیں گے تو دونوں حکموں کی تعمیل ہو گئی۔ مگر جب زبان سے پڑھا گیا تو استماع وانصات نہ پایا گیا۔ دیکھیئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا گیا:

إِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ . اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے استمع وانصت سے کی ہے . جس کا معنی یہ ہوا کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھتے وقت استماع وانصات کیا کریں ، اپنے پڑھنے کو چھوڑ دیں ۔
اس سے معلوم ہوا کہ پڑھنا خواہ خفیہ انداز کا بھی ہو وہ استماع وانصات کے منافی ہے اور نصّ قرآنی اور صحیح وصریح حدیث کے مخالف ہے جس سے بچنا لازم ہے جب یہ ہے تو خطبہ سنتے وقت آہستہ پڑھنے کی کیسے گنجائش نکل سکتی ہے ؟ کہ مصنف توضیح الکلام نے لکھا : جب سامعین کلمات درود وسلام کو آہستہ پڑھیں گے تو دونوں کی تعمیل ہوگی " اگر آہستہ پڑھنا استماع وانصات کے منافی نہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا آہستہ پڑھنا کیوں چھوڑ دیا تھا ؟ آیت کریمہ کا ترجمہ اور مطلب تو یہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تفسیر میں بتایا ۔ یہ باتیں پہلے بھی مذکور ہو چکی ہیں لیکن مناسب مقام اعادہ کیا گیا ہے ۔ اور یہ باتیں بھی میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ۔ گزشتہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتیں نقل ہو چکی ہیں کہ انھوں نے بھی فرمایا کہ لفظ استماع جو قرآن کریم میں آیا ہے وہ کامل خاموشی کو کہتے ہیں خفیہ پڑھنا بھی استماع مامور کے خلاف ہے ۔ پھر آپ درود خفیہ پڑھنے کی خطیب کے خطبہ کے وقت کیسے اجازت دے رہے ہیں ۔ فقہاء کرام حنفیہؒ تو اسکی ہرگز اجازت نہیں دیتے ۔ اگر کسی نے ایسی بات کہہ دی ہے تو وہ مرجوح ہوگی اور خلاف ظاہر مردود ہوگی ۔ آپ کا ایسے قول کو لینا اور نقل کرنا صحیح نہیں ہے ۔ فن حدیث میں بھی بعض ایسے غلط اقوال بعض لوگوں کے نقل کیے جاتے ہیں اور ان کو رد کر دیا جاتا ہے ۔
قرآن کریم کا فیصلہ بھی یہی ہے لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ فرما کر خفیہ پڑھنا بھی عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بند کیا گیا ہے اس نہی کو اتباع قرآن کہا گیا ۔ اسی کو اِسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ سے تعبیر کیا گیا ۔ یہی لفظ نماز اور خطبہ دونوں میں لائے گئے ۔ کیا آپ کا درود شریف آہستہ پڑھنے کا جواز اس کے منافی نہیں بنتا ؟ اور کیا آہستہ پڑھنا لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ کے خلاف تحرک لسانی بنتا ہے یا نہیں ؟

ان ممانعت کی وجہ کو دیکھ کر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ کے وقت درود شریف پڑھنا منع فرما دیا ہے۔ ہاں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے دقیق نظر کرتے ہوئے فرمایا کہ خطبہ کے وقت زبان سے تو نہ پڑھے انصات کرے لیکن دل کے استحضار سے دل ہی دل میں درود بھیجے۔ اس طرح کرنے میں فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا پر بھی عمل ہوگیا اور حکم خداوندی صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا پر بھی۔ مشائخ فقہ نے اسی کو پسند کیا ہے اور یُصَلِّیْ فِیْ نَفْسِہٖ کا حکم دیا ہے مبسوط امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہی فرمایا جو توضیح الکلام ص۱۵۹ میں نقل کیا ہے: قلت اذا صلّی فی نفسہ وانصت وسکت یکون آتیاً بموجب الامرین۔ فی نفسہ کا معنی دل میں کلام نفسی کے طور پر درود بھیجنا مراد ہے مصنف توضیح الکلام نے اس کا ترجمہ مطلب سازی کے لیے یہ کیا اور دھوکہ دیا "جب سامعین کلمات درود وسلام کو آہستہ پڑھیں گے تو یہ دونوں حکموں کی تعمیل ہوگی" جب زبان سے آہستہ پڑھیں گے تو نہ استماع پایا گیا نہ انصات پر عمل ہوا۔ اس میں تحرک لسانی پایا گیا اور حکم خداوندی لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ آیا ہوا ہے اور قرأت قرآن کا یہی ادب سکھایا گیا ہے خواہ نماز میں ہو یا خطبہ میں۔ اذا صلّی فی نفسہٖ کا معنی جب آہستہ پڑھیں گے کرنا صاف غلط بیانی ہے۔ دوسری چالاکی یہ کی کہ معطوف علیہ کا معنی کرکے معطوف کو کھا گئے۔ صلّی فی نفسہ اور ہے (دل میں درود بھیجنا) اور انصت و سکت اور ہے یعنی زبان سے انصات کرنا اور خاموش رہنا۔ ان کے استاذ صاحب مصنف خیر الکلام نے بھی یہی چال چلی۔ خیر الکلام ص۶۸ پر وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَہْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا ترجمہ کیا: "اپنے رب کا ذکر آہستہ ڈر کر عاجزی کے ساتھ کر" اور معطوف وَدُوْنَ الْجَہْرِ کا معنی کھا پی گئے۔

فائدہ | بعض محققین حضرات حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ممانعت درود فی الخطبۃ" کی ایک علت

توجیہ کی ہے اور اس کو ایک قانون شرعی کا ایک جزئیہ بنا دیا جس کو فرع بھی کہہ دیتے ہیں کہ جو وظائف عملیہ مخصوص اوقات میں بتائے گئے ہیں انہی کی ادائیگی ان اوقات میں کرنی چاہیئے اور کوئی وظیفہ ان میں پڑھنا یا کرنا بہتر نہیں ہوگا۔ مثلاً اذان کے وقت سامع کو اجابت اذان کا طریقہ بتایا گیا۔ قُوْلُوْا مثل ما قال المؤذن۔ نماز جماعت سے فارغ ہو کر تحمید، تسبیح، تکبیر معین انداز کی پڑھنی بتائی گئی ہے۔ وغیر ذلک۔ اب اگر اذان ہوتے وقت کوئی شخص درود شریف پڑھتا ہے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو فرمودہ اجابت کے کلمات کے پڑھنے سے رہ جائے گا اور ان کے موعود فضل سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ کے فرمودہ کلمات کے بجائے اور کچھ پڑھتا رہا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ بات پر اس نے عمل نہ کیا یہ ناپسندیدہ بات ہوگی۔ درود شریف پڑھنے اور تلاوت کرنے کے اور اوقات بھی ہیں اور آپ کا فرمودہ وظیفہ اس کا یہی وقت ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ یہ بہتر نہیں ہوگا۔ جیسے حکیم اور ڈاکٹر نسخہ دیتے وقت دوا کی مقدار بھی بیان کرتے ہیں اور اوقات استعمال بھی بتلاتے ہیں۔ جیسے ایک کی جگہ اور کوئی دوا فائدہ مند نہیں ہوتی۔ اسی طرح مقررہ وقت کے وظائف کا حال ہے۔

دیکھئے امر بالمعروف کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن یہ ہر وقت نہیں ہوتا۔ مَن رَأى منكم منكرًا فليغيّره بيده فان لم يستطع فبلسانه آیا ہوا ہے لیکن جمعہ کے خطبہ کے وقت اگر کسی نے دوسرے شخص کو جو باتیں کر رہا ہو خاموش ہو جاؤ زبان سے کہا (اَنْصِتْ) تو حدیث میں اس کی ممانعت کی گئی اور فَقَدْ لَغَوْتَ فرمایا گیا ہے۔ ہاں ایسے وقت اشارہ سے سمجھانا کہا گیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وظیفۂ وقت زبان کی خاموشی ہے۔ دیکھئے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کو جب جمعہ کے خطبہ میں لیا جائے تو سامعین خطبہ کا وقتی فریضہ انصات یعنی خاموشی بتایا گیا ہے۔ زبان سے دوسرے کو اَنْصِتْ کہنا (خاموش ہو جاؤ) اس کا مُفَوِّت ہے۔ کیونکہ خود بات کرتا ہے

اور دوسرے کو روکتا ہے اس لیے حدیث میں اس کو فقد لغوت فرمایا کہ تم نے لغویات کی۔ حالانکہ اس نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل خیر کیا ہے اسی طرح خطبہ کے وقت اگر آنے والوں نے سلام کیا اور السلام علیکم کہا۔ تو اس نے ایک لغو حرکت کی اور وظیفہ وقت انصات مامور کے خلاف عمل کیا۔ اسی لیے فقہاء کرام اس سے منع کرتے ہیں۔ بعینہ یہی حکم امام کی تلاوت قرآن کا ہے کہ اس وقت خود قرآن خوانی پسندیدہ عمل نہیں کہ اس وقت کے مناسب حال کام توجہ سے سننا ہے نہ کہ خود پڑھنا۔ بلکہ اگر کوئی شخص دور ہے اور خطیب کی آواز نہیں سنتا جب بھی خاموشی کو بہتر کہا گیا ہے۔ بعض لوگ دور والے کو قرآن پڑھنے اور درود پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن محققین اور جمہور کے نزدیک مختار عمل ان کے لیے بھی خاموشی ہی ہے اسی لیے درمختار وغیرہ کتب میں قریب اور بعید دونوں کے لیے خاموش رہنا ہی فرمایا اور من غیر فرق بین قریب وبعید کہا ہے۔

اسی ضابطہ شرعیہ کو دیکھ کر درود شریف کا خطبہ کے وقت پڑھنا ممنوع فرمایا اور اسی ضابطہ کلیہ کا اس کو فرع فرمایا کہ اگرچہ یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا آیا ہے لیکن درود پڑھنا غیر موقت ہے جیسے سلام دینا۔ قرأت کرنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اس وقت وقتی وظیفہ انصات ہے وہی کیا جائے۔ درود کا پڑھنا اس کا مُفَوِّتُ عمل خیر ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت درود پڑھنے کی ممانعت کی وہ اسی ضابطہ کلیہ کی تفریع ہے۔ اسی کو فتح القدیر ص۴۲۱ ج۱ میں نقل کیا ہے اور فرع علیہ بعضهم قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ احسن الکلام میں یہی کہا گیا ہے کہ محققین کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خطبہ کے وقت درود پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں۔ صاحب توضیح الکلام ص۱۶۰ نے اس جگہ محض اپنی نافہمی کا ثبوت دیا ہے۔ کیا یہ بعض تفریع کرنے والے اہلِ تحقیق سے نہیں ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ممانعت کا ہی ہے۔ ان بعض حضرات محققین نے

اس قول کو ایک ضابطہ کلیہ کی تفریع ہونا بیان کیا ہے۔ فتح القدیر میں ہے: ولان رد السلام یمکن تحصیلہ فی کل وقت بخلاف سماع الخطبۃ وعلی ھذا الوجہ الثانی فرع بعضھم قول ابی حنیفۃ ... الخ
ہاں مشائخ حنفیہ کرامؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو زیادہ پسند کیا ہے کہ دل میں حدیث النفس کے درجہ میں درود بھیجے اور زبان سے خاموش رہے اس میں دونوں حکموں کی تعمیل ہو جائے گی۔ یہی مبسوط میں کہا گیا ہے اور یہی فتح القدیر میں ہے۔ ان سب فقہاء کرامؒ کی عبارات میں فی نفسہ کا معنیٰ دل میں درود بھیجنا مراد ہے۔ مصنف توضیح الکلام سب جگہ آہستہ درود پڑھنے کا معنی کر رہے ہیں ص۱۰۰، ص۱۰۱ جو سب غلط بیانی اور خلاف مراد قائل ہے۔ (اسی طرح ص۱۶۱ میں ان کا قول صحیح نہیں کہ آہستہ کہے) یہ غلط کہا صحیح دل میں کہے ہے۔ اسی طرح ص۱۶۱ میں فتح القدیر کی عبارت کا مطلب بھی غلط بیان کیا کہ امام خود بھی صلوٰۃ پڑھنے میں مشغول ہے۔ پس سامعین پر اس کی موافقت واجب ہے۔ امام تو اس لیے مشغول ہے کہ اس کے لیے ممانعت نہیں اور سامعین خطبہ کو فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کا درود پڑھنا ان کے فریضۂ وقت کے منافی ہے۔ اس میں موافقت کرنے سے مراد صرف دل میں درود بھیجنا ہی ہے۔ اس کا پڑھنا مراد نہیں ہے اسی لیے بعد میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو نقل کیا ہے۔ وعند ابی یوسف ینبغی ان یصلی علیہ فی نفسہ لان ذلک لا یشغلہ عن سماع الخطبۃ فکان احرازا للفضیلتین۔ یعنی حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سامعین خطبہ کو چاہیے کہ آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ سننے کے وقت دل میں درود شریف بھیجیں۔ دل میں بھیجنے سے استماع و انصات بھی پایا گیا اور درود کا بھیجنا بھی۔ دل میں درود بھیجنے سے سماع خطبہ میں نقصان بھی نہیں آتا۔ کیونکہ زبان سے تو خاموشی ہی ہوگی۔ پھر فرمایا وَھُوَ الصَّوَاب۔ یہی طریقہ صحیح ہے۔ اس میں امام کے ساتھ آہستہ درود پڑھنے کی اجازت کہاں سے

نکل : اس میں تو صاحب فتح القدیر نے وَھُوَ الصَّوَابُ کہہ کر اسی کو ترجیح دی کہ زبان سے نہ پڑھے۔

ممکن ہے کہ کوئی جاہل کہے کہ دل میں پڑھنے کی موافقت کہاں پائی جاتی ہے؟ کیونکہ وہ تو فرماتے ہیں یجب علیھم موافقتہ (سامعین پر خطیب کی موافقت واجب ہے)۔ جواب یہ ہے کہ موافقت صرف درود کے بھیجنے میں مراد ہے۔ امام خطیب نے تو یہ آیت پڑھا اور سامعین نے قلباً بضرورت خاتمہ درود بھیجا اور اگر پوری موافقت کرنا کہتے ہو تو سامعین کو بھی صلوٰۃ وسلام جہراً پڑھنے کا حکم دو کیونکہ پوری موافقت تو اسی میں ہے کہ جو امام کرتا ہے سو تم کرو۔

صاحب توضیح الکلام نے ص۲۶۱ میں البحر الرائق کی عبارت وَالصَّوَابُ انہ یصلی فی نفسہ کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ "بہتر پڑھے" کیا ہے جو غلط ہے اور اپنے ضمیر فاسد کی ترجمانی ہے۔ قائل کی مراد یہ ہرگز نہیں۔

مزید سنیے : توضیح الکلام ص۲۵۱ میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت فی نفسہ کا معنی نقل کرتے ہیں ای بِاَنْ یُّسْمِعَ نفسہ۔ یہی وہ ہے جسے ہم نے دل میں درود پڑھنا لکھا ہے۔ او یصحح الحروف فانھم فسروہ بہ یا تصحیح حروف کی کرے۔ انھوں نے یہی تفسیر کی ہے۔ یہ فسروہ کا حوالہ مجمل ہے۔ قائلین معلوم نہیں کون لوگ اور کیسی صفات وشان والے ہیں؟

آپ جانتے ہیں کہ حدیث کی سند میں راوی مجہول آجائے تو وہ قابلِ اعتبار نہیں رہتی اسی طرح خدا جانے یہ تفسیر کرنے والے حضرات کون لوگ اور کیسی صفت والے ہوں گے؟ کیا حدیث کا معنی کسی مجہول شخص سے نقل کیا جائے تو آپ اعتبار کرلیں گے؟ کیا مقدمہ مسلم شریف میں ایسے مجہولوں کی حدیث کو رد نہیں کیا گیا؟ کیا یاتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم کا فرمان آپ کے پیشِ نظر نہیں ہے؟ دیکھئے حدیث میں ہے مَا کُنَّا نَقِیْلُ ولا نتغدی اِلّا بعد الجمعۃ۔ ہم جمعہ پڑھ کر قیلولہ کرتے تھے اور دوپہر

کا کھانا کھاتے تھے۔ اس سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ نصف النہار سے پہلے بھی جمعہ جائز ہے۔ گیارہ بارہ بجے جمعہ پڑھ لو۔ بعد کو قیلولہ کرلو۔ کھانا کھالو۔ کیونکہ قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں۔ یہ جمعہ کے بعد ہونا چاہیئے۔ اس حدیث کا یہ معنیٰ کر گئے کذا فتدبرہ

اس فاسد تخیل کی تردید امام بخاری اپنی صحیح میں ص ۱۲۴ میں کر چکے ہیں باب "اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ" ... "وقت الجمعۃ بعد الزوال" میں اشارہ کر گئے ہیں۔ مصنف خیر الکلام کا اسی جگہ رویہ اسی طرح فاسد ہے فقہاء کرام کی عبارتوں کا مطلب بدل کر اپنے ذہنی فکر کے موافق بنا رہے ہیں۔

الغرض جس فقیہ نے ناوی فقہاء میں سے خطبہ کے وقت درود پڑھنے کی اجازت دی ہے تو فی نفسہ کے ساتھ قید کر کے دی ہے جس کا معنی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بان یسمع نفسہ سے کر دیا ہے یعنی صرف اپنے نفس کو سنائے۔ زبانی طور سے پڑھنے میں تو خرابی الاستماع میں جب کمی آتی ہے تو اس کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان صرف قلبی طور سے درود بھیجنا ہے۔ شامی ص ۶۹۵ ج ۱ میں ہے: اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلی علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوی یعنی فتویٰ اسی پر ہے کہ درود شریف دوران خطبہ میں صرف قلبی طور سے بھیجے۔ علامہ شامیؒ کا فتویٰ بھی دیکھیئے اور مصنف توضیح الکلام وغیرہ مطلب پرستوں کی سینہ زوری بھی دیکھیئے۔

افسوس صد افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ لوگ آدھی بات تو نقل کر دیتے ہیں اور باقی کو چھپا لیتے ہیں۔ یہ دھوکہ دینا ہی بنتا ہے۔ دیکھئے اسی صفحہ ص ۶۹۵ ج ۱ میں علامہ شامیؒ نے ان کی نقل کردہ عبارت کے بعد لکھا: وعن ابی یوسف قلبا ایتمار الامرین الانصات والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکرمانی۔

یعنی حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے قلباً درود شریف پڑھنا مروی ہے تاکہ دونوں باتوں پر عمل ہو جائے۔ ۱۔ انصات مامور بہ پر بھی اور ۲۔ صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ پھر فرماتے ہیں: واقتصر فی الجوہرۃ علی الاخیرۃ۔ جوہرہ شرح قدوری میں صرف اسی دوسری بات کو ذکر کیا گیا ہے

یعنی وعن ابی یوسفؒ جو قول قول پر معطوف لائے ہیں۔ حیث قال ولم ینطق
بہ لانہا تدرک فی غیر ہذا الحال والسماع یفوت یعنی خطبہ
سننے والا درود وسلام کے ساتھ نطق نہ کرے۔ یعنی زبان سے نہ پڑھے کیونکہ درود
پڑھنے کے اوقات اور بھی ہیں اور سماع خطبے کا پڑھنے سے فوت ہو جائے گا۔ (یہ
وہی بات جو مفصل پہلے عرض کر دی گئی ہے)۔ مصنف توضیح الکلام نے اس کو مضر سمجھ
کر نہیں نقل کیا یا اس کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔

اسی طرح مصنف توضیح الکلام کا ص۱۵۹ میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ
سے لکھنا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ چھینک مارنے والے کے لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
آہستہ کہنا صحیح ہے اور یہ استماع وانصات کے منافی نہیں ہے۔ (یہ بھی ان کی
طرف انھوں نے غلط نسبت کی ہے) پھر آگے ان کی عبارت نقل کی ہے ص۱۶۰
والصحیح انہ یقول فی نفسہ۔ اس فی نفسہ کا معنی انھوں
نے قلباً درود شریف بھیجنا مراد لیا ہے۔ لیکن مصنف توضیح الکلام نے اس کو زبان
سے آہستہ درود پڑھنا مراد بتایا ہے مگر یہ قطعاً غلط ہے کسی محقق فقیہ نے زبان
سے خطبہ کی حالت میں درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ فتح القدیر میں ہے:
ھل یحمد اذا عطس۔ الصحیح فی نفسہ۔ یعنی صحیح یہی ہے کہ
دل میں کہے اس وقت زبان سے پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے
یکرہ تشمیت العاطس ورد السلام یعنی چھینک والے کا جواب دینا
خطبہ میں اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ یہ اس لیے کہ خطبے کا سننا واجب
ہے۔ اس وقت خاموشی سے سنے نہ الحمد للہ کہے نہ سلام کہے اور نہ
سلام کا جواب دے۔ نہ زبان سے درود پڑھے نہ قرآن کی تلاوت کرے، نہ
تسبیح وتحمید پڑھے۔ ص۱۵۸ س۱۴، ص۱۵۹ س۱۱، ص۱۵۹ س۱۸-۱۹۔ ان تمام جگہوں میں فی
نفسہ کا معنی مصنف توضیح الکلام نے فقہاء کرام کی مراد کے بالکل خلاف کیا ہے
جو یقیناً غلط ہے۔ قول فی نفسہ کا معنی دل میں نفس سے باتیں کرنا آتا

ہے۔ قرآن کریم میں کفار کا مقولہ نقل کیا ہے: يَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ یعنی وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہماری باتیں یہ باطل اگر غلط ہے تو خدا تعالیٰ ہم کو اس کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ یہ انکی دل کی باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فقہاء کرامؒ کا یہ قول فی نفسہ کا بھی یہی معنی ہے کہ درود و سلام خطبہ کے وقت دل میں بھیجا جائے۔ قلبی انداز میں۔ زبان سے نہ پڑھے۔

فائدہ چند باتیں عرض کرنی ہیں جن کا تعلق یہاں کے مذکورہ مسئلہ سے بھی ہے اور گزشتہ مذکورہ مسائل سے بھی۔ اعلاوہ انشاء اللہ فائدہ مند رہے گا۔ ضد و عناد سے قلب کو خالی کر کے سوچیں گے تو اطمینان قلبی کے ساتھ انشراح صدر بھی حاصل ہو جائے گا۔ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے سامعین خطبہ کو زبان سے خاموش رہنے کے ساتھ قلبی استحضار سے درود شریف یعنی صلوٰۃ وسلام حضرت سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام و خطیب کے ساتھ ساتھ بھیجنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس طرح امر خداوندی استماع و انصات پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور اس فرمان الٰہی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا پر بھی۔ اسی کو احسن از الْمُصَلِّيْنَ فرمایا۔ اس تصویر کو عموماً پسند کیا گیا۔ اگرچہ عام مشہور یہی ہے کہ سامعین خطبہ کو خاموشی کا ہی حکم ہے۔ نہ ذکر اذکار پڑھنے کی اجازت ہے: تلاوت قرآن مجید کی۔ بلکہ گزر چکا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دور والے لوگ جن کو آواز خطبہ کی نہیں سنائی دیتی وہ بھی خاموش ہی رہیں اور عام اور اکثریت محدثین کرامؒ کی اسی کو مختار کہتی ہے۔

اس کو دیکھتے ہوئے خیال یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان "اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ" جو کسی سائل کے جواب میں کہ: إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فرمایا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہو۔ یعنی فاتحہ کا پڑھنا

امام کے پیچھے زبان سے خاموشی کے ساتھ دل ہی دل میں کر لیا کرو۔ اس سے استماع و انصات کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائیگی اور فی الجملہ قلبی استحضار سے فاتحہ خوانی بھی پائی جائے گی حکم استماع و انصات کا جیسے خطبہ کے سامعین کو ہے۔ وہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی ہے اس طرح مقتدی کی نماز فاتحہ سے خالی نہ ہوگی ہاں اس طرح کرنا مجبوری سے کیا گیا کہ زبان سے مقتدی کا پڑھنا استماع و انصات کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا فرمایا: اِقْرَءْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ یعنی امام کے پیچھے فاتحہ کو دل میں پڑھا کرو۔

اس مقام پر پہنچ کر غیر مقلدین حضرات کہہ دیتے ہیں کہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قرأت فعل لسان ہے۔ دل میں پڑھنے کو قرأت نہیں کہا جاتا بلکہ تدبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں اِقْرَءْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ کا معنی زبان سے پڑھنا ہی ہے۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہی اقرء بها فی نفسك کا قول بتاتے ہیں جو انا نکون وراء الامام کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ بلکہ مصنف خیر الکلام نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ انھوں نے جواب میں سری و جہری کا فرق نہیں کیا۔ وہ دونوں نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا حکم دیتے ہیں۔ شاید قوم نے اس پر انہیں خراج تحسین بھی پیش کیا ہو۔

مگر یہ سراسر مغالطہ ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے۔ اِقْرَءْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ کا یہ معنی کرنا "آہستہ سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرو" محض غرض پورا کرنا ہی ہے۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں۔ نہ قائل کی یہ غرض ہے اور نہ لفظوں سے یہ معنی نکلتے ہیں۔ غور سے سنیے:

۱ـــــــ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے إِنَّمَا جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ھو عندی صحیح بھی فرما دیا ہے تو اس کے بعد وہ مقتدی کو آہستہ پڑھنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ اس کا مسالہ وما علیہ مفصل گزر چکا ہے۔

۲ ـــــ ابوداؤد شریف میں ثقہ راوی جب قال ابوھریرۃ فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کر رہا ہے تو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خلاف کیسے فتویٰ دے سکتے ہیں؟

۳ ـــــ بعض کا یہ کہنا کہ یہ حضرت امام زہری کا مقولہ ہے اس کی گذشتہ تردید کی گئی ہے اور وہاں یہ بتلایا گیا کہ یہ حضرت امام زہری کا قول ہے تب بھی غالباً آپ ان کے اس قول کو صحیح اور خلاف واقع تو نہیں کہتے ہوں گے۔ اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فاتحہ خلف الامام پڑھنے سے رک جانا ہی روایت کیا گیا ہے۔ اور حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل معلوم ہو تو کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے خبردار نہیں ہوئے ہوں گے؟ پھر وہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معمول کے خلاف کیسے فتویٰ دے سکتے ہیں؟ قال الزھری فانتھی الناس ہو یا قال ابوھریرۃ فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو ان دونوں کا ایک ہی مقتضیٰ ہے۔ یہ سب باتیں گذشتہ بالتفصیل گزر چکی ہیں۔ یہاں صرف یاددہانی کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ فتح الباری ص ۱۲۳/۲ کو ملاحظہ کر دیکھیں: کان ابوھریرۃ یؤذن لمروان فاشترط ان لا یسبقہ بالضالین حتی تعلم انہ دخل فی الصف۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعدیل صفوف پر مامور کر رکھا تھا۔ مروان جلدی کر کے نماز شروع کر دیتا تھا جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آمین مع الامام کہنے کا موقع نہ ملتا۔

تو آپ نے مروان کو اس کی اس جلد بازی سے روکا اور فرمایا کان مروان یبادر الی الدخول فی الصلوٰۃ قبل فراغ ابی ھریرۃ فنھاہ عن ذلک یعنی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو فرمایا کہ آپ کی اس جلد بازی سے مجھے آمین کہنے کا اور اس کی فضیلت حاصل کرنے میں نقصان ہوجاتا ہے آپ قراءۃ میں جلدی نہ کیا کریں تاکہ میں آمین کے ثواب سے محروم نہ رہ جاؤں اور آمین مع الامام فوت نہ ہوجائے۔

آپ جانتے ہیں کہ آمین کہنا سنت کا درجہ ہے اس کے بدون نماز ہوجاتی ہے اور فاتحہ کا پڑھنا تو فریق ثانی فرض کہتا ہے کہ اس کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی۔ تو اب سوال ہوگا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ آپ کی اس جلد بازی سے فاتحہ کا پڑھنا چھوٹ جاتا ہے۔ آپ نے سنت کا اتنا اہتمام کیا اور فاتحہ جو فرض ہے اس کو زیر خاطر نہ لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل ہی نہ تھے۔ آپ ہی منصفانہ انداز میں اس اشکال کا حل کیجیے۔ کیا سنت کے فوت ہونے سے فرض کا فوت ہونا زیادہ خطرناک نہیں ہے؟ سنت کے چھوٹ جانے سے تو ثواب میں کمی آتی ہے اور فرض کے چھوٹ جانے سے نماز ہی باطل ہوجاتی ہے معلوم ہوا کہ لا تسبقنی بآمین کہنے سے لا تسبقنی بالفاتحۃ فرمانا مقام کے زیادہ مناسب تھا۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کا سوال ہے جیسے گزشتہ گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی رباعی نماز میں درمیانی قعدہ بھول کر کھڑے ہوگئے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی کھڑے ہوگئے۔ ابو داؤد شریف میں فجئنا المتشھد فی قیامہ یعنی بعض لوگ قیام میں فوت شدہ تشہد پڑھتے رہے حالانکہ اس سے تیسری رکعت میں فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ اگر وہ حضرات صحابہ کرامؓ فاتحہ مقتدی پر فرض جانتے تھے تو ان کے لیے فاتحہ کا پڑھنا اہم تھا۔ اس کی بجائے تشہد کیوں پڑھا گیا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات مقتدی کے

ذمہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں جانتے تھے اس لیے اس قیام میں انھوں نے تشہد پڑھا اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ رہا حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ فاتحہ کا دل میں پڑھنا اس کو تدبر کہتے ہیں اور یہ قرأت نہیں بنتا۔ قرأت فعل لسان ہے اور حنفیہ کا کہنا کہ اِقْرَءْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ کا معنی فاتحہ کا دل میں تدبر کرنا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے اور یہی بات مصنف خیر الکلام اور ان کے جملہ ہم مشربوں کی زبان اور قلم سے اس جگہ مشہور و معروف ہے اور حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید میں یہ لوگ سب یہی بات کہتے جاتے ہیں کہ انھوں نے یوں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قرأت فعل لسان ہے عمل قلبی نہیں۔ ہمارے فقہاء احناف کثرہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا اور فرمایا ہے: اَدْنَی الْقِرَاءَةِ تَصْحِیْحُ الْحُرُوْفِ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ ایسا پڑھنا جس میں اتنی آواز پیدا ہو جائے کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچ جائے جس نے صرف تدبر کیا اور زبان سے حروف کی ادائیگی نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

اس بیان سے حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوال کی اور بھی وقعت بڑھ جاتی ہے لیکن یہ سوال جتنا بظاہر معقول ہے حقیقت میں اس سے زائد نامعقول اور بے جا ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدی کو فاتحہ کی قرأت کا حکم دے رہے ہیں اور مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض جانتے ہیں اور جبھی تو وہ انا نکون وراء الامام کے سوال کے بعد اقرأ بها فی نفسك کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر یہ ان حضرات کی محض مطلب سازی اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے بلکہ اگر یہاں یہ کہہ لیا جائے کہ یہ تو لا تقرئوا الطفیلوں کا پڑھنا اور کوئی نشے مرشکاری کا چھوڑنا بنتا ہے تو کوئی بعید نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی تو یوں فرماتے اقرء بها ولو خلف الامام۔ یعنی امام کے پیچھے بھی فاتحہ ضرور پڑھا کرو۔ اِقْرَءْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ سے تقیید نہ کرتے۔ اس سے معلوم

ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت باللسان کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ قرأت فی النفس کی اجازت دیتے تھے۔ آپ لوگوں نے اس قید کو اڑا دیا۔ کیا قراءۃ فی النفس قراءۃ باللسان کو کہتے ہیں جیسے فرمانِ خداوندی وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ میں ذکر قلبی مراد ہے کیونکہ وَدُونَ الْجَهْرِ اس کے بعد معطوف آرہا ہے اور اس میں ذکر باللسان سرًّا مذکور ہے۔ (وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مقتدی کے بارے میں کہ اِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا روایت فرما رہے ہیں اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تصحیح فرما رہے ہیں جیسے کہ گزر چکا ہے اور ابوداؤد شریف کی روایت میں بعض ثقہ راوی قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ نقل کر رہے ہیں تو مقتدی کو سرًّا پڑھنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ اس لیے جس کسی نے ان کے کلام اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ کا معنی اقرء بھا سرًّا کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں بنتا۔ ہاں اس کا معنیٰ فاتحہ کا استحضار قلبی کرنا اور امام کے ساتھ اس طرح عملِ خیر کرنا مراد ہو سکتا ہے جیسے کہ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطیب کے درود پڑھنے کے وقت ساتھ ہی دل سے درود کا بھیجنا فرمایا ہے کہ زبان سے انصات (خاموشی) اور دل سے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ پر عمل کرنا بھی پایا گیا اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاید اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ فرما گئے ہوں۔

ایک روایت میں ہے اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِاَمْرٍ (ای بامر خیر) کتبت لہ حسنۃ یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتاتا ہے کہ ارادۂ خیر بھی عند اللہ تعالیٰ معتبر ہے۔ جیسے درود شریف استحضار قلبی سے پڑھنا اسی طرح فاتحہ کا دل دل میں پڑھنا بھی معتبر ہوگا اور موجب اجر و ثواب ہوگا۔

اس کے بعد حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری بات کو بھی زیرِ خاطر لائیے کہ قرأت فعلِ لسان ہے۔ تفکر اور تدبر کو قرأت نہیں کہا جاتا۔ اس لیے اقرء بہا کا معنیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں زبان سے پڑھنا ہی مراد ہے۔ یہ بات اگرچہ بظاہر معقول ہے لیکن اس کی حقیقت بَیْتُ الْعَنْکَبُوْت سے زائد نہیں ہے مگر جہلات سے مصنف خیر الکلام نے اسے اپنے لیے قلعہ اور آہنی دیوار سمجھ کر اسی پر اعتماد کیا ہے اور اسی کا جماعت والوں کو سبق دیا ہے۔ اس مقام پر وہ ایک دوسرے کی تعلید کرتے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال کچھ اور ہے وہ یہ کہ اکثر آپ دوسرے شخص کو کہتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب کا خط آیا ہے اس کو دیکھو اور پڑھو وہ خط کو لے کر اس کے مکتوبہ کلمات پر نظر ڈال کر اس کا معنیٰ اور مقصد ذہن نشین کر کے کہتا ہے۔ ہاں میں نے پڑھ لیا۔ کبھی کہہ دیتے ہیں ذرا غور سے پڑھو وہ دوبارہ سرسری نظر سے پڑھتا ہے اور کہہ دیتا ہے ہاں دوبارہ بھی پڑھ لیا۔

یہ پڑھنا عرفی محاورہ میں زبان سے پڑھنے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔ صرف کلمات مکتوبہ کا غور سے دیکھنا اور معنیٰ اور مراد کو ذہن میں لانا ہی پڑھ لینا کہا جاتا ہے ممکن ہے کہ شخص نے بعض کلمات کو زبان پر بھی لایا ہو۔ لیکن سمجھنے کے لیے زبان پر لانا ضروری نہیں ہوتا۔ اِقْرَءْ کِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۔ میں غالباً ایسی ہی قرأت مراد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرأت کو فعل لسان سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلف الامام زبان سے قرأت کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ شاید ان کے کلام میں اقرء بہا سے وہی انداز مراد ہو جو اقرء کتاب فلان میں ابھی معلوم ہوا ہے کہ اس کو دیکھ کر اس کے معنیٰ کا تدبر کرنا ہی مراد ہے ایسے ہی امام کی سورۂ فاتحہ سن کر مقتدی کا اس کا تدبر کرنا ہی مقصود ہے۔

لیکن ہمیں تو اس طرف جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قرأت کو مقید بالنفس کر کے اجازت دیتے ہیں۔ اقرء بہا فی

نَفْسِكَ زبان سے وہ مقتدی کے پڑھنے کی نفی ثابت کرتے ہیں [illegible]
وَإِذَا قُرِئَ فَأَنْصِتُوا کی زیادت کر چکے ہیں وہ [illegible]
مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [illegible]
اور وہاں واجب ہے۔ وہ بعض سے قرأت ثابت کر دیتا ہے۔ [illegible]
فرماتے ہیں اور سورۃ کو [illegible] میں پڑھتے۔

اس کے بعد مصنف خیر الکلام [illegible] ان باتوں کو
زیر نظر رکھتے ہوئے پوری سورۃ کی آیت کو زیر غور لیجیے۔ اِقْرَأْ بِهَا [illegible]
بِنَفْسِكَ [illegible] اس سے [illegible]
خیر الکلام کی [illegible] ہے۔ [illegible] کتاب کا [illegible]
ہے اور [illegible] نہیں رکھتے۔ ع

ما كل ما يتمنى المرء يدركه

[illegible]
نہیں کہتے [illegible]
سمجھتے تھے تو [illegible] جس کی [illegible] تردید اس کتاب
میں پہلے کر چکا ہوں۔

خیر الکلام اور اس کے [illegible]
کے لیے اور شوشے بھی [illegible] ان سے کسی [illegible] نہیں ہو سکتا۔ ہم نے بفضلہ
تعالیٰ قدرے قابل توجہ باتوں کی بالتوار تردید کر دی ہے [illegible]
دلائل اور براہین سے [illegible] عمل کی توفیق نیک نیتی کے بغیر نہیں ملتی۔

ربنا ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه وصلى الله تعالى على
خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين۔

العبد
عبد القدیر عفی عنہ ۔ ۱۳ شوال ۱۴۱۰ھ

تکملۃ البیان

یوں تو اصل مقصود ترک القراءۃ خلف الامام کا مسئلہ تھا لیکن ضمنی طور سے بعض دوسرے مسائل کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جن میں فریقِ ثانی حدِ اعتدال سے نکل کر اپنے مذہب اہل حدیث کی پاسداری کرتا ہے ضمنی مسائل میں بقدر ضرورت ہی گفتگو کی جاتی ہے۔ پورا بیان تو مقصد سے دوری کا سبب بن کر طول بن جاتا ہے اب مناسب معلوم ہوا کہ بعض مسائل کی مزید تشریح کی جائے تاکہ حق واضح ہو جائے ان میں سے تراویح کا مسئلہ بھی تھا۔ غیر مقلدین صرف آٹھ تراویح پڑھا کرتے ہیں۔ جب کہ دورِ فاروقی سے پوری دنیا میں تاہنوز بیس تراویح ہی پڑھی جاتی رہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور مسجد حرام و مسجد نبوی صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اب بھی بیس ہی پڑھایا کرتے ہیں اور یہ لوگ آٹھ تراویح امام کے ساتھ پڑھ کر مسجدوں سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے سب لوگ ان کو برا سمجھتے اور برا کہتے ہیں لیکن یہ لوگ مذہب اہل حدیث کا دعویٰ کرنے والے کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور انتشار پیدا کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں جس کی تردید گزشتہ گزر گئی ہے کہ اگر اس حدیث کا یہی مطلب ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیس پڑھنے والوں پر اعتراض کیوں نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیوں خاموشی اختیار کی اور بیس پڑھنے والوں کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ نہ زبانی کلام کیا گیا نہ عملی صورت کہ آٹھ پڑھ کر جماعت سے نکل جاتے اور آپ لوگ اس پر ناراضگی بھی کرتے ہیں اور مخالفین کو چیلنج بھی دیتے ہیں اور اشتہارات بھی ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرتے ہیں۔ کالجوں اور سکولوں کی نوخیز اور مادر پدر آزاد نسل کو آٹھ رکعات کی ترغیب دے کر ان کے لیے تن آسانی کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔ آخر حضرات

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ کردار کیوں ادا نہ کیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو آپ لوگ بیان کرتے ہیں بلکہ اس میں ایسی نماز کا سوال ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے۔ ہاں سائل کے خیال میں آیا کہ شاید اس میں رمضان شریف کی برکت و عظمت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ زائد مقدار میں پڑھا کرتے ہوں گے تو اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ اس شب والی نماز میں ہمیشہ ایک ہی انداز رہا ہے۔ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدیٰ عشرۃ رکعۃ یعنی رمضان اور غیر رمضان میں یہ نماز ایک ہی طرح پڑھا کرتے تھے۔ گیارہ رکعات مع الوتر ہی پڑھتے رہے۔

اگر تراویح کا سوال ہوتا تو وہ غیر رمضان میں تو نہیں پڑھی جاتیں۔ اسکا جواب میں یوں تذکرہ کیا جاتا؛ اس لیے حواشی بخاری میں ہے ھذا الحدیث لا تعلق لہ بمسئلۃ التراویح فرمایا کہ اس حدیث کا مسئلہ تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کا گزشتہ حوالہ گزر چکا ہے اور یہ بھی لکھا گیا تھا کہ تمہارا یہ مسئلہ تراویح کا آٹھ والا اجماع اُمت کے خلاف ہے جبکہ حضرات ائمہ اربعہؒ اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں اور ساری اُمت کے علمائے راسخین بھی بیسؔ ہی پڑھتے رہے ہیں اور حرمین شریفین کے ائمہ بھی بیسؔ ہی پڑھایا کرتے ہیں۔ لہٰذا جماعت اہلِ حدیث کا اس سے انحراف نری گمراہی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ کہتے ہیں ہم اجماع کو نہیں مانتے ہم صرف حدیثِ رسولؐ کو حجت کہتے ہیں اور اسی کی پابندی کرتے ہیں لیکن یہ مسلک ان کا سراسر غلط ہے اور گمراہی کی جڑ یہی ہے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ہے اتبعوا بی و لیؤتم بکم من بعدکم۔ یعنی اے صحابہؓ تم میری اتباع کرو اور تمہارے پیچھے آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ تمہاری اتباع کریں۔ اس میں اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معتبر ہونا بتایا گیا ہے۔ اسی کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب جمعہ کی اوّل اذان زائد کی اور تمام صحابہ کرامؓ نے اس کو مناسب سمجھتے ہوئے

اس پر انکار نہیں کیا یہ اجماع سکوتی ہوا اس کے بعد اس کا انکار کرنا اجماع صحابہؓ کا انکار بن جاتا ہے اسی کو سکوتی کہا جاتا ہے۔ اب ساری دنیا کے مسلمان جمعہ کی دو اذانیں دیتے ہیں۔ اس کو اجماع امت کہا جاتا ہے جماعت اہل حدیث کے بعض مولوی بھی اسی راستے پر چلتے ہیں جمعہ کی دو اذانیں دیتے ہیں اور بعض اس اجماع کے مخالف چال چلتے ہیں جو لوگ ان میں جمعہ کی دو اذانیں دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ تراویح بھی بیس ہی پڑھیں اس میں بھی حضرات صحابہ کرام کا اجماع پایا گیا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جمعہ کی اذان جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زائد کی گئی کسی صحابیؓ نے اس پر انکار کیا تھا؟ حضرت ابن عمرؓ سے اس کے بارے جو بدعت کے لفظ آئے ہیں تو فتح الباری میں تصریح ہے کہ اس سے لغوی بدعت یعنی نو ایجاد مراد ہے نہ کہ شرعی اور اصطلاحی بدعت جو مذموم ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیس تراویح پڑھنے پر انکار کیا گیا ہے؟ جماعت اہل حدیث کا عمل تو ان سب کے خلاف ہے جو مردود ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر مجھے مفسر کبیر صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بات یاد آگئی انھوں نے فرمایا کہ بعض محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے جن میں حضرت امام شافعیؒ سر فہرست ہیں۔ (دیکھئے مفتاح الجنۃ ص۲۹) مروی ہے کہ انھوں نے اجماع امت کے معتبر اور واجب العمل ہونے پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (سورۃ نساء پ۵) اس آیت کریمہ میں وعید دو قسم کے لوگوں پر کی گئی ہے۔ اوّل مخالفت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرنے والے خواہ حدیث کو نہیں مانتے یا اس کی غلط تاویل اپنی نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لیے کرتے ہیں جو نہ تو زمانہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کی گئی اور نہ بعد کے خیر القرون کے پاک عہد میں کسی نے اس طرح کا قول یا عمل کیا۔

دوسرے وہ طائفہ جو مومنین کے متفقہ مسلک کو چھوڑ کر کسی نئے راستے کو اپنا رہا ہو اس کو

اتباع غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اجماعی رویہ واجب العمل ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والا مستحق وعید ہے اور نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ کی وعید کا حق دار بن جاتا ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اذان جمعہ جو انہوں نے باتفاق المسلمین بڑھائی اس کو سب نے پسند کیا کسی نے اس وقت اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور یہ مجمع علیہ بن گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں میں ایک دو تین کی مخالفت کا اعتبار بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض کی تحقیق کے مطابق مساجد میں قبلہ والی جانب محراب بنانا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں نہ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی ارشاد مروی ہے۔ یہ بعد میں نماز کی اصلاح کے لیے بنایا گیا۔ تمام اُمت کے خاص و عام اس بات کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے رہے اور یہ مسجد کی بہترین علامت بن گئی۔ اسی طرح قرآن مجید کی دو سورتوں کے درمیان جو ایک سطر لکھی جاتی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی، اس میں اتنی آیات اور اتنے رکوع ہیں۔ ہر قرآن کریم میں یہ لکھا ہوتا ہے۔ یہ بھی اجماع المسلمین کے مسئلہ کے ماتحت جائز سمجھا گیا۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ نہ تھا۔ ان امور پر اعتراض کرنا کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھے لہٰذا ان کو چھوڑا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ جہالت اور نافہمی ہے۔ اجماع المسلمین مستقل حجت شرعیہ ہے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کے علماء اہل حدیث بھی حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبتدع نہ کہتے ہوں گے بلکہ اُس زمانہ کے تابعین اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی جنہوں نے بیس تراویح پڑھی ہیں اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، مبتدع نہیں کہتے ہوں گے ان کو اس کی کچھ اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم ہوئی ہوگی یا بعض مصالح شرعیہ کے ملاحظہ سے بیس پر اتفاق رائے ہوا ہوگا۔ غیر مقلدین حضرات کے قول کے مطابق اگر تراویح آٹھ ہوں تو آٹھ کے پڑھنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صفوں سے کیوں نہ نکلے؟ جیسا کہ غیر مقلدین کا معمول ہے کہ امام کے ساتھ آٹھ پڑھنے کے بعد صفوں سے نکل جاتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے

کہ آپ لوگوں کا یہ عمل بدعت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معمول کے خلاف ہے آپ کو حدیث سے ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو بیس[1] پڑھنے والوں کے بالمقابل انہوں نے پیش کیا اور آٹھ کا اس سے استدلال کیا جیسے آج کل آپ لوگوں کا معمول ہے اگر انہوں نے پیش نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کا کہنا اور فہم غلط ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں لیا جو آپ لوگ لے رہے ہیں۔ یہ صرف جماعت اہل حدیث کا عندیہ (گھڑا ہوا) ہے اور محض سہولت پسندی کے لیے ایسے چل رہے ہیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس[2] نہیں پڑھیں وہ تو آٹھ پڑھا کرتے تھے تو بتانا ہوگا کہ اہل الحرمین الشریفین نے بیس[3] کا عمل کہاں سے لیا؟ ترمذی شریف میں ہے اہل مکہ شرفہا اللہ کا معمول بیس[4] کا تھا۔ اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات کا معمول بھی یہی تھا اور آج تک یہی چلا آرہا ہے۔ آٹھ کا معمول انہوں نے کیوں چھوڑا؟ ہاں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے کہ کسی وقت اوّل زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ پڑھیں لیکن اس کے بعد کا عمل بیس[5] ہی رہا اور یہی عمل مسلسل بعد میں جاری رہا۔ سب اہلِ اسلام دنیا اسی پر اتفاق رکھتی ہے۔ آٹھ کا عمل صرف تیرھویں صدی کے علمأ اہلِ حدیث نے رائج کیا اور یہ مولوی محمد حسین بٹالویؒ (وغیرہ) کی اختراع ہے جو انگریز کے خلاف جہاد کو حرام کہتا تھا۔

خاص کر جب یہ دیکھا جائے کہ تین رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تہجد کی نماز وسطِ شب میں گیارہ رکعات پڑھیں اور فرمایا کہ اجعلوھا فی بیوتکم یعنی یہ نماز گھروں میں پڑھا کرو۔ (رواہ البخاری) اس سے معلوم ہوا کہ تین رات کی گیارہ رکعات والی نماز جو با جماعت پڑھی گئی تراویح نہ تھی بلکہ تہجد کی نماز تھی جو جماعت سے ادا کی گئی۔

یہ باتیں اکثر پہلے گزر چکی ہیں۔ اس وقت تمہیداً ان کو ذکر کیا گیا ہے اذا تکرر تقرر بھی معروف ہے۔ میں نے اس وقت ایک اور بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اہل حدیث کا دعویٰ کرنے والے اجماع صحابہؓ بلکہ اجماع امت کو حجت شرعیہ نہیں مانتے

اسی لیے فلا تجمع امتی علی الضلالۃ کی حدیث میں بے بنیاد شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور اسی بنا پر اذانِ جمعہ جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زائد کی گئی اس کا انکار بھی کرتے ہیں اور اسی لیے بیسؔ تراویح کا بھی انکار کرتے ہیں کہ صریح حدیث میں یہ بات نہیں ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتفاق کو وہ معتبر نہیں کہتے اور ایک حدیث بیس تراویح کی نقل کر کے اس کی تردید کر دیتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے حالانکہ گزشتہ گزر چکا ہے کہ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے کہ وہ مذہب کی بنا پر اہلِ مدینہ کے اتفاق کو بناتے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ اہلِ مکہ کی بیس تراویح کی بنیاد بھی یہی تواتر عمل ہے اور ہر زمانہ میں اہلِ علم اور صالحین بیسؔ ہی پڑھتے رہے اس کو تواتر طبقہ کہا جاتا ہے اس کے بعد کسی روایت کا ضعیف ہونا کوئی مضر نہیں۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ بیسؔ تراویح کی بنیاد صرف وہی روایت ہے۔ یہ ان غلط لوگوں کا طریقہ ہے جو عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ایسے بے بنیاد بہانے بناتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں بھی اکثر گزر چکی ہیں۔

اب میں علماء اہلِ حدیث سے سوال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کی تمام مسجدوں میں قبلہ کی دیوار میں محراب خاص شکل کا بنا ہوا دیکھا جاتا ہے اس کو مسجد کے لوازمات میں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپ لوگ یہ عمل کس حدیث سے ثابت کرتے ہیں؟ اس کی دلیل حدیثِ صحیح سے بتائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے یا یہ کہ مسجد نبوی کی شروع تعمیر میں یہ بنایا گیا تھا۔ اور آپؐ نے دیکھا اور اس کو مستحسن سمجھا۔ امت کا تعامل جب کچھ حجت نہیں تو اس کے لیے حدیث مرفوع بیان کیجئے ورنہ محراب بنانے سے قوم کو منع کیجئے کہ یہ عمل حدیث سے ثابت نہیں اسے کرنا بدعت ہے اس کو چھوڑو بلکہ جو محراب آپ لوگوں کی مساجد میں بنے ہوئے ہیں ان کو بھی بند کروائیے کہ یہ بدعت ہے اس کو مٹاؤ اور آپ لوگوں کی مساجد کی یہ نشانی بن جائے گی۔

اسی طرح آپ لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید تیسؔ پارے ہیں۔ یہ اوّل یہ دوم وغیرہ اس کا ثبوت بھی کسی صحیح حدیث میں سے بتانا ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

یہ بات فرمائی وغیر ذلک ۔

ہم نے انکی اس غلط بیانی سے بچنے کے لیے اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ جب اتباع غیر سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ معصیت ہوگیا اور اس کا مرتکب مستحق وعید بنا تو اتباع سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ واجب ٹھہرا یہی اجماع کی حجت ہے۔

دوسری دلیل فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایتمّوا بی ولیأتمّ بکم من بعدکم (بالمعنیٰ) میں امر کیا گیا ہے کہ من بعدکم یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماعی عمل کی اتباع ضروری ہے ولیأتمّ بکم من بعدکم سے اور ظاہر ہے کہ کسی ایک شخص کی صحابہؓ میں سے اتباع مراد نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ فعل اس کا اجتہادی ہو تو اب حکم یہ رہا کہ مجموعی طور سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماعی عمل واجب الاتباع ہوگا اور خلاف کرنے والا منکر حکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہرے گا۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک ۔ اس لیے اہل سنت والجماعت اجماع کو حجت شرعیہ مانتے ہیں سب سے اعلیٰ اجماع حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خاص کر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔ کہ ان کا زمانہ خیر القرون کا سر ہے اور عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کی صحیح اور صریح حدیث کے پیش نظر ہم ان کی سنت کو ماننے کے پابند اور مکلف ہیں۔

اہل علم حضرات کی خدمت میں ایک علمی ہدیہ پیش ہے

انسان کا بدن مادی ہے۔ اس کی خوراک کے لیے بھی مادی چیزیں بنائی گئی ہیں اور نفس ناطقہ ایک روحانی چیز ہے اس کی خوراک بھی روحانی اور علمی حقائق ہیں،

بالخصوص قرآن وحدیث کے لطائف۔ اسی سے اس کی ترقی ہوتی ہے۔ کچھ مدت ہوئی تراویح کے بیس ہونے کے مسئلہ میں غور کر رہا تھا کہ اللہ جل شانہٗ عم نوالہٗ نے دل میں ایک بات ڈال دی۔ اب وہ عرض کرتا ہوں یہ بات کسی سے نہ سننے میں آئی اور نہ کہیں دیکھنے میں آئی ہے۔ جب یہ بات دل میں آئی تو اس پر میں نے بے حد خوشی محسوس کی آپ بھی انشاء اللہ خوش ہوں گے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اصل بات جو عرض کرنی ہے اس سے پہلے ایک بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ رمضان المبارک کی عظمت مسلمانوں کے دلوں میں مرکوز ہے جو لوگ نماز کے پابند نہیں ہوتے وہ رمضان شریف کے دنوں میں حتی الوسع پوری پابندی کرتے ہیں اور جو لوگ تہجد کی عادت نہیں رکھتے وہ بھی سحری کو رمضان میں نوافل پڑھا کرتے ہیں۔ عام لوگ قرآن مجید کی تلاوت کا التزام بھی کر لیتے ہیں۔ رمضان شریف کی راتوں میں لیلۃ القدر کا ہونا عام خیال کیا جاتا ہے اس لیے کثرت سے لوگ شب بیداری کرتے ہیں اور قرآن مجید کا ختم تراویح میں عام طور سے کیا جاتا ہے۔ وغیر ذٰلک۔

ہمارے خیال میں تراویح کی نماز کی زیادتی بھی اسی مقصد سے کی گئی ہے نوافل باجماعت سارے سال نہیں پڑھے جاتے لیکن رمضان میں ان نوافل کی جماعت بھی کی جاتی ہے۔ (یہ بات پیش نظر رہے کہ نوافل سے غیر فرضی نماز مراد ہے ورنہ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں التراویح عشرون رکعۃ وکیفیتہا مشہورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ ... الخ۔ احیاء العلوم ص۲۰۲ ج۱ اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ فرماتے ہیں وھی سنۃ مؤکدۃ۔ مغنی ص۸۰۲ ج۱۔ اور امام نووی فرماتے ہیں اعلم ان صلوٰۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ۔ کتاب الاذکار ص۸۳ اور شامی ص۵۱۱ ج۱ میں ہے التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعاً بعد صلوٰۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ آہ) اور اس کو مسنون سمجھا جاتا ہے۔ اگر ویسے نوافل کے پڑھنے کی ترغیب دی جاتی تو بے رنگی ہوتی، کوئی چار پڑھتا، کوئی چھ پڑھتا، کوئی آٹھ اور کوئی دس پڑھتا۔ کوئی اول شب

میں پڑھتا، کوئی درمیان میں اور کوئی آخر شب میں پڑھتا جب جی چاہتا پڑھ لیتا۔ اس لیے مناسب ہوا کہ ایسے مزید نوافل کی جماعت کی جائے اور لوگوں کو اداسیگی اور اوّل شب میں پڑھنا سکھایا اور بتایا گیا تاکہ گرانی بھی نہ ہو اور جماعت کی تخفیف بھی ہو جائے اور باطریق طور پر یہ عبادت پورے جوش سے جمعاً ادا کی جائے۔ شاید نفلوں کی جماعت بھی اسی مقصد کے ماتحت رائج کی گئی اور اوّل شب میں پڑھنا بھی اسی لیے اختیار کیا گیا کہ دن میں مزید محنت و مشغل ہوتی ہے لوگ کاروبار کیا کرتے ہیں اور آخر رات میں اجتماع مشکل ہے اس لیے اس مزید عبادت کو جو رمضان شریف کی فضیلت کے ماتحت مشروع ہوئی اوّل شب میں متعین کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا خیال غلط ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشر رکعۃ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کی نماز گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہی رمضان اور غیر رمضان میں پڑھا کرتے۔ یعنی رمضان اور غیر رمضان کا کچھ فرق نہ کرتے تھے یہ صرف تہجد کی نماز کا تذکرہ فرماتی ہیں یہ تو ایسا ہوا جیسے کہا جائے عشاء کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں یکساں چار رکعات پڑھا کرتے تھے اس میں تراویح کی نماز جو رمضان کی خاطر مزید پڑھا کرتے تھے اس کی نفی نہیں ـــــ وہ ایک مستقل نماز ہے جو مسجد میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھنے کا کوئی معنی ہی نہیں۔ ان سے تو گھر کی نماز جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں پڑھا کرتے تھے یعنی تہجد کی نماز تھی۔ سائل اس کا پوچھنا چاہتا ہے کہ شاید رمضان میں تہجد کی مقدار زائد پڑھا کرتے ہوں گے اس کا جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا کہ یہ نماز رمضان اور غیر رمضان دونوں میں برابر انداز کی رہتی ہے۔ اعتکاف کے زمانہ میں جو تین رات مسجد میں آپ نے باجماعت نماز پڑھائی وہ صلوٰۃ التراویح تھی اور تہجد کی نماز آپ نے الگ پڑھی۔ چنانچہ مسلم ج ۱ ص ۳۵۲ اور مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۴ میں روایت ہے واللفظ لمسلم عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبہ وجاء

رجل آخر فقام حتی کنا رهطًا فلما حس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا خلفہ جعل یتجوز فی الصلوۃ ثم دخل رحلہ فصلی صلوۃ لا یصلیھا عندنا۔ اس آخری جملے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ نے جو نماز علیحدہ پڑھی وہی تہجد کی نماز تھی اور جو جماعت کے ساتھ پڑھائی وہ تراویح تھی تہجد کی نماز جوف لیل میں پڑھی جاتی تھی۔ بخاری شریف ص۲۶۹ میں فی جوف اللیل پڑھنا آیا ہے۔ ان لوگوں نے وسط شب والی روایت تو لے لی اور اسی تہجد کی نماز کو صلوۃ التراویح بنا ڈالا اور موطا مالک میں جو بیس۲۰ والی روایت ہے اس سے نظر ہٹا دی اور بہانہ یہ بنایا کہ اس میں انقطاع ہے حالانکہ خود امام مالکؒ اس پر عمل کرتے ہیں وہ اس انقطاع کو مضر نہیں سمجھتے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں عمل اہل مدینہ کا اس کے موافق ہے اور وہ شاہد عادل ہے۔

نماز تراویح کا بیس۲۰ رکعات ہونا

بندہ ناچیز کچھ دنوں سے سوچ رہا تھا کہ بیس رکعات کا ہونا اس کا منشا صحیح کیا ہے۔ ویسے شارع حکیم جو کام کرتا ہے وہ تو مصلحت شرعیہ سے خالی نہیں ہوتا۔ ہمارے اذہان میں کوئی مصلحت آئے یا نہ آئے شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے عمل کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ سوچ ہی رہا تھا کہ اللہ جل شانہٗ عم نوالہٗ نے دل میں یہ بات ڈال دی کہ رمضان مبارک کے علاوہ کل سال میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذمہ دس رکعات دن کی نماز فرض کی ہے۔ فجر دو۲۔ ظہر چار۴۔ عصر چار۴ اور دس رکعات رات میں پڑھنے کا حکم ہے۔ تین اول شب میں مغرب کی اور تین آخر شب میں جن کو وتر کہا جاتا ہے (وتر اگرچہ واجب ہیں لیکن ضروری ادا کرنے کی وجہ سے فرض عملی ہوتے ہیں۔) اور چار۴ رکعات عشاء کی نماز کا فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ رات اور دن کی نمازیں کل بیس۲۰ رکعات ہوتی ہیں جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہیں۔ رمضان کی فضیلت کی بنا پر اس عبادت میں ایک گونہ زیادت مناسب ہوئی۔ فرائض چونکہ جماعت سے ادا کیے جاتے ہیں اس لیے

اس زیادت میں بھی ادائیگی جماعت سے کرائی گئی۔

الحاصل بیس رکعات تراویح کی یہ اصل پائی گئی ہے کہ دن رات کی نمازوں کی تعداد کے مساوی ہو جائے۔ یہ کمال برکت رمضان کی وجہ سے زیادت ہوئی۔ رات کے نوافل دن کے فرائض کے حکم میں رکھے گئے اور باجماعت ادا کیے گئے اور اس بات کو دل نے قبول کیا اور بے حد خوشی محسوس کی امید ہے کہ آپ بھی خوشی محسوس کریں گے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

دن اور رات کی نمازیں دس دس رکعات کیوں مقرر کی گئیں؟

یہ سوال بظاہر بے کار ہے جب اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول و عمل نقل کیا تو اس میں حکمت کا سوال بے محل سا نظر آتا ہے لیکن علمائے محققین کا فرمان ہے۔ قول و عمل کی مناسب حکمت بیان کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن بھی ہے کہ شارع حکیم کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی گزرا۔ آپ جانتے ہیں کہ دن رات کی نمازوں کا حکم اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے دیا اور ان میں رکعات کی تعیین حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی اور سفر و حضر میں ادا کرتے رہے۔ مجموعی طور سے دس رکعات دن کی نمازوں میں واجب اور دس رات کی تھیں بصورت فوتیدگی ان کی قضا کرنا ضروری قرار دیا گیا اور بصورت ترک پر گناہ کا حکم سنایا گیا۔ دس رکعات دن کی اور دس رکعات رات کی نماز کی تعیین کی حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہمارے لیے تو صرف اجمالی عقیدہ ہی ضروری ہے کہ اس میں ضرور کوئی بھید اور خفیہ نفع ہوگی۔ ہاں حکمت کے معلوم ہو جانے سے مزید شرح صدر ہو جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ نے شہادت کے بیان میں فرمایا: إِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى۔ (الآیۃ)۔ اس میں دو عورتوں کے ایک مرد کے برابر ہونے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ مجھے دن رات کی نمازوں کے دس دس ہونے کی حکمت ایک حدیث کے اشارہ سے سانح ہوئی۔ اگر آپ کو

پسند ہو تو قبول فرمالیں اور اپنی معلومات میں اس کا اضافہ کریں اور اگر پسند نہ ہو تو اس کو بالائے طاق رکھ دیں مجھے اس کی حکمت پر اصرار نہیں ایک خیال کو ذکر کرتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَال۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور انسان کو چاہیئے کہ ہر جوڑ کی صحت کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کا شکر اور صدقہ ادا کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ اتنی ہم کس کے پاس ہے کہ تین سو ساٹھ صدقے روزمرہ کرے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ سے نقدی، طعام کی کوئی جنس اور کپڑے وغیرہ دینا ہی مراد نہیں بلکہ ذکر و اذکار سبحان اللہ، الحمد للہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ بھی صدقہ ہیں۔ آخر میں فرمایا، اگر یہ چیزیں نہ کر سکو تو دو رکعات نفل اول دن یعنی دن کے ابتدائی حصہ چاشت کے وقت پڑھ لیا کرو۔ یہ دو رکعات سب کا بدلہ ہو جائیں گی اور کفایت کر دیں گی۔ گویا ان دو رکعات نماز سے حق شکر اعضاء انسانیہ کی سلامت کا ادا ہو جانے کا۔ اس سے ذہن منتقل ہوا کہ دن رات کی فرضی نمازیں بھی شاید اسی حق شکر کی ادائیگی کے لیے فرض کی گئی ہوں جب سمجھدار انسان اپنے اعضاء کو دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے دو ہاتھ عالی حصہ بدن میں اور دو پاؤں سافل حصہ میں اپنی حکمت کاملہ سے بنائے ہیں تو پاؤں سے روزی کی تلاش اور آنا جانا کرتا ہے اور ہاتھوں سے کسی کام کا بنانا اور سنوارنا کرتا ہے یہ دونوں انعام خداوندی ہیں ہر ہاتھ اور ہر پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں پیدا فرمائیں۔ اپنے قانون ان اللہ وتر یحب الوتر کے مطابق گویا دس انگلیاں دونوں ہاتھوں کی بن گئیں اور دس دونوں پاؤں کی، کل بیس انگلیاں دونوں ہاتھ پاؤں کی بن جاتی ہیں۔

کیا بعید ہے کہ دن کی دس رکعات واجب الاداء ہونا ان نعمتوں کا شکریہ ہی ہو کہ اس نعمت اللہ سے اپنے کام بندہ سدھارے اور رات کی نمازوں دس رکعات پاؤں کی دس انگلیاں ان کا حق شکر بنایا گیا ہو؟ مجموعی طور پر بیس انگلیاں

اوران کا حق شکر بیس رکعات مقرر کی گئی ہوں یہ تمام سال کا وظیفہ ہے اور رمضان کے مبارک مہینہ میں اس میں اضافہ کیا گیا کہ بیس تراویح مزید ادا کرے اور اس کو سنت قرار دیا گیا تاکہ شکریہ کی مزید تکمیل ہو جائے اور وجہ رات میں ادا کرنے کی کہ دن میں مصروفیت زیادہ ہوتی ہے اس کے علاوہ روزہ کی تکلیف بھی ہوتی ہے اس لیے اس زیادت کو رات میں رکھا گیا اور عشار کی نماز کے بعد ادا کرنا مناسب حال ہے اس لیے کہ اس میں آسانی ہے ۔ یہ میں نہیں کہتا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ مصلحت مدنظر رکھی تھی یہ تو اذہان سافلہ کی بات ہے اور اذہان عالیہ میں خدا جانے کیا کیا مصالح ہوں گے کہ بیس رکعات پر اتفاق ہوا ۔ سوا غیر مقلدین کی جماعت کے کل دُنیا کے عوام و خواص بیس ہی پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں ۔ غیر مقلدین کا یہ معمول شذوذ عن الجماعت بن سکتا ہے اور ان کے معمول کو اتباع غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا جا سکتا ہے وعید کا خطرہ ضرور ہے ۔ لوگ رمضان میں عبادت میں زیادتی کرتے ہیں اور یہ کمی کی طرف جاتے ہیں کہ جو کچھ غیر رمضان میں ہوتا تھا وہی رمضان میں ہو ۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا مطلب نہیں سمجھے وہ تراویح کا حال نہیں بیان فرماتیں ۔ بلکہ وہ تہجد کی مقدار کے متعلق فرماتی ہیں کہ تہجد کی نماز جو گھر میں رمضان میں پڑھا کرتے تھے یہ اسی انداز پر تھی جو غیر رمضان میں پڑھتے تھے ۔ مزید یہ کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کی تابعداری اس میں کرنا چاہتے ہیں تو ان کو غور کرنا چاہیئے کہ آپؐ آٹھ رکعات ہی ہمیشہ نہ پڑھتے تھے کبھی چار کبھی چھ کبھی آٹھ پڑھا کرتے تھے روایات میں ہے کہ یہ قیام اللیل کبھی اربع وثلاث رکعات کبھی ست وثلاث رکعات اور کبھی ثمان وثلث بھی ہوا ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایت میں ہے

كان يوتر باربع وثلث وست وثلث وثمان وثلث وعشر وثلث

اھ (ابوداؤد صفحہ ۱۹۳ ج ۱ ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۲ ج ۱ وغیرہ) اور بخاری صفحہ ۱۳۵ ج ۱ و صفحہ ۶۵۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ رکعات تہجد پڑھے ۔ پھر آپ لوگوں نے صرف آٹھ ہی کو کیسے وظیفہ بنالیا ہے ۔ مزید عرض یہ ہے کہ آپ

لوگ اگر آٹھ پڑھتے ہیں تو اپنی مساجد میں پڑھا کریں یا اکیلے پڑھا کریں۔ اکثر مساجد میں جماعت والے تو ہر جگہ بیس ہی پڑھتے ہیں اس میں داخل ہو کر آٹھ پڑھ کر نکل جانا یہ انتشار کا باعث بنتا ہے۔ بعض جگہ اس مخالفت پر انکار کیا گیا اور کیا جاتا ہے۔ کہ افتراق نہ پیدا کرو۔ لیکن غلط چال پر ایسے معاند کی گوشمالی بھی کی گئی۔

خلاصۃ الکلام

تراویح کے متعلق جملہ حضرات مفسرین و محدثین و فقہاء امت بالخصوص مشائخ حرمین شریفین، متقدمین اور متاخرین سب کا یہی فیصلہ ہے کہ بیس ہی پڑھی جائیں۔ آٹھ کا پڑھنا صرف انگریزی دور کے تیرھویں صدی کے اپنے کو اہل حدیث کہلوانے والی جماعت کا ہی معمول ہے اس لیے ایک سرکاری افسر نے فریقین کے نزاع کا یہ فیصلہ دیا اور فرمایا کہ تراویح تو ہم بھی بیش۲۰ ہی پڑھا کرتے ہیں اور یہی دیکھا اور سننے میں آیا ہے لیکن جب یہ لوگ یعنی جماعت اہلِ حدیث کے لوگ آٹھ کہتے ہیں تو اس کو برداشت کیا جائے۔ کیونکہ انتشار اور جھگڑا بری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ شرور نفس لوٗ ہوائے نفسانی سے بچائے۔ آمین ثم آمین!

سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم الانبیاءؑ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

العبد المفتقر الی اللہ تعالیٰ
عبدالقدیر شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن
راجہ بازار۔ راولپنڈی

۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۰ھ
۱۰ مئی ۱۹۹۰ء

مؤلفِ کتاب استاذ العلماء ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا

اجمالی تعارف

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

؎ آؤں گا پسِ مرگ بہت یاد میں اُن کو
آنکھ اُن کی میرے سوگ میں تر ہو کے رہیگی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی اور عملی زندگی بیان کرنے کے لیے تو دفتر درکار ہیں اور شاید کہ کوئی ہمت اور فرصت والا اس کو بھی پورا کردے۔ راقم چونکہ مصروف ہے اسلیے نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند ضروری باتیں عرض کی جاتی ہیں تاکہ یادگار رہیں۔ بقول حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ ان کی ولادت ۱۹۰۱ء میں مومن پور ضلع اٹک میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے علاقہ جلالیہ وغیرہ میں حاصل کی اس کے بعد انھی شریف ضلع گجرات میں اپنے دور کے محقق عالم ومدرس حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ اور حضرت ولی اللہ صاحبؒ سے منطق، فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کی دقیق کتابیں پڑھیں۔ موقوف علیہ تک کتابیں پڑھنے کے بعد خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور عمدۃ المحدثین حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی خدمت میں جو اس زمانہ میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر ڈابھیل تشریف لے گئے حاضر ہوئے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف اول الذکر اور مسلم شریف ثانی الذکر اور دورۂ حدیث کی بقیہ کتابیں دیگر مستند اور قابل اساتذہ کرام سے پڑھیں اور بخاری شریف کی تقریریں بڑی

احتیاط سے نقل فرماتے رہے۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدنی فیض الباری میں بعض مشکل مقامات میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کی کاپی کا حوالہ دیتے ہیں جس سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں مدرس مقرر ہوئے جبکہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سہالوی وہاں مہتمم اور خطیب تھے جو نبراس الساری فی اطراف البخاری اور بغیة الألمعی حاشیہ نصب الرایہ للزیلعی کے مؤلف ہیں۔ اہل علم ان دونوں کتابوں کی قدر و منزلت کو بخوبی جانتے ہیں۔ یہ زمانہ تقریباً ۱۹۳۲ء سے ... کے بعد تک کا ہے۔ اس زمانہ میں راقم اثیم نے بیضاوی، مشکوٰۃ، قطبی، میر قطبی، توضیح، شرح عقائد، خیالی، صدرا، شمس بازغہ اور مطول وغیرہ کتابیں حضرت سے پڑھیں۔ مدرسہ انوار العلوم کے بعد حضرت ڈابھیل میں استاذ حدیث مقرر ہوئے اور کئی سال وہاں پڑھاتے رہے۔ ملک کی تقسیم کے بعد وہاں سے آپ تشریف لے آئے اور جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں اس کے بعد تقریباً سات سال ماڈل ٹاؤن میں حدیث پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کی طلب پر راولپنڈی ان کے ہاں مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تا دم زیست وہیں تدریسی علمی خدمات سر انجام دیتے رہے اور وہیں بیمار ہو کر گھر تشریف لے گئے۔ تکلیف زیادہ ہوئی تو حضرت کو ... وصیت ... دفن ... اور وہیں ... مطابق ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ تقریباً تین بجے شب کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ راقم اثیم کو اس عظیم صدمہ کی اطلاع ملی تو گوجرانوالہ سے بروز ... دس بجے دن کے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب اور عزیز عبدالقدوس قارن کو ساتھ لے کر روانہ ہوا اور ساڑھے تین بجے دن کے موضع ... پہنچا اور ... بجے حضرت مرحوم کا جنازہ راقم اثیم نے پڑھایا۔ پھر دفن کے بعد دعا کی اور ان کے اکلوتے فرزند حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دام مجدہم اور پوتوں سے اجازت لے کر رات کے ساڑھے بارہ بجے گکھڑ پہنچا۔ حضرت مرحوم صرف روایتی مدرس ہی نہ تھے بلکہ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔ تحریک ختم نبوت میں تقریباً دس ماہ ہم نیو سنٹرل جیل ملتان میں ایک ساتھ تھے۔ اس کے بعد ایوب خان اور بھٹو کے دور میں جو تحریک

بھی علماء کرام نے چلائی اُس میں حضرت پیش پیش ہوتے تھے۔ جلسوں اور جلوسوں میں شرکت فرماتے تھے اور جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ تھے اپنے اکابر علماء دیوبند پر کلی اعتماد کرتے تھے اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی تعریف میں پوری عقیدت و محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ تالیف و تصنیف میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کتاب تدقیق الکلام اور ارشاد العلماء وغیرہ ان کے تبحرِ علمی پر دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور جملہ اعزہ اور متعلقین کو صبر کی اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر العباد

ابوالزاہد محمد سرفراز صفدر صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

۹ دسمبر ۱۹۹۰ء